

# فارسی شاعری میں ہجرت و نوسازی

ڈاکٹر محمد شرف عالم

خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری - پٹنہ

**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi  
Preserved in Punjab University Library.**

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ  
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ





2708

# فارسی شاعری میں ہجاء نویسی

ڈاکٹر محمد شرف عالم

خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری، پٹنہ

6

..

۲۰۱۸

# فارسی شاعری میں ہجاء نویسی

ڈاکٹر محمد شرف عالم

خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری، پٹنہ

136855

اشاعت : ۲۰۰۳ء  
قیمت ۲۰۰/- روپے

طابع و ناشر: خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری، پٹنہ-۴

تین

## حرف آغاز

فارسی شاعری میں ہجانوہیسی، اصلاً پروفیسر شرف عالم (موجودہ صدر شعبہ فارسی، پٹنہ یونیورسٹی) کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر ۱۹۷۰ء میں پٹنہ یونیورسٹی نے انہیں پی ایچ۔ ڈی کی سند عطا کی تھی۔ یہ مقالہ پروفیسر سید حسن جیسے نامور اسکالر اور عظیم دانشور کی نگرانی میں تحریر کیا گیا تھا۔ پروفیسر موصوف نے، جیسا کہ مقالہ نگار کے 'پیش گفتار' سے ظاہر ہوتا ہے، خصوصی توجہ سے نگرانی کے فرایض انجام دیے اور اسے خوب سے خوب تر بنانے کے لیے بہترین مشوروں سے نوازا۔ اس مقالے کے معیار کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ عہد حاضر کے ممتاز اسکالر اور محقق پروفیسر نذیر احمد اور پروفیسر امیر حسن عابدی نے، جن کی حیثیت اب استاذالاساتذہ کی ہے، اسے جانچا، پرکھا اور ہر طرح سے چست و درست پایا، اور تعریفی و توصیفی کلمات کے ساتھ بحیثیت ممتحن اس پر ڈاکٹر آف فلاسفی کی سند عطا کرنے کی پُر زور سفارش بھی کی۔ اس طرح اپنے عہد کے تین عظیم فارسی اسکالروں کی خصوصی توجہ اور ناقدانہ نظروں سے گزر کر یہ مقالہ پایہ کمال اور درجہ استفاد کو پہنچا۔

زیر نظر کتاب میں فارسی شاعری کا اس کی ابتدا سے لے کر دور حاضر تک کی شاعری کا انتہائی اہم اور دلچسپ زاویے سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس میں فارسی شاعری میں طنز، مزاح اور ظریفانہ عناصر تلاش کیے گئے ہیں اور ان پر ناقدانہ اور محققانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ یہ موضوع اچھوت ہے۔ ممکن ہے فارسی زبان میں ہندوستان سے باہر کسی نے اس نوع کی کوشش کی ہو، لیکن فارسی شاعری کے حوالے سے اردو میں اس نہج پر کوئی قابل ذکر اور اہم اہم کام نہیں ہوا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے نہ صرف فارسی داں حضرات کو، بلکہ اردو کے طلباء کو بھی بے حد فائدہ پہنچے گا۔



اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر خدا بخش لائبریری سے شایع کرنے کا اہم کام انجام دے رہی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم شرف عالم صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اسے لائبریری سے شایع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ہمیں توقع ہے کہ خدا بخش لائبریری کی دیگر مطبوعات کی طرح اسے بھی قبول عام نصیب ہوگا اور زیادہ سے زیادہ تشنگان علم اس سے فیضیاب ہوں گے۔

محمد ضیاء الدین انصاری  
ڈائریکٹر

## فہرست

	حرف آغاز
	پیش گفتار
	اظہار تشکر و احوال واقعی
۱	تمہید
۱۰	(الف) ہجو کی تعریف
۱۳	(ب) ہجو کے اغراض و مقاصد
۱۹	(ج) ہجو کے حرکات
۳۴	(د) ہجو کے اقسام
۴۷	(ہ) ہجو اور مزاح یا ظرافت و طنز
۵۷	چند معروف ہزل سر اور مزاح نگار شعرا
۷۱	(و) ہجو اور تنقید
	(ز) ہجو، مزاح و ظرافت اور طنز کے عوامل:
۷۵	(۱) تحریف اور تقلیب خندہ آور
۸۹	(۲) رعایت لفظی
۹۷	(۳) مبالغہ
۱۰۰	(۴) لطیفہ
۱۱۱	(۵) بلاغت لفظی و معنوی
۱۱۸	(۶) بدیہ گوئی

## باب اول

- ۱۲۳ عربی ہجگوئی اور اس کے اثرات  
۱۳۲ فارسی شاعری میں ہجگوئی کی ابتدا:  
ابن مفرغ، رودکی، فردوسی

## باب دوم

- ۱۳۸ ہجگوئی از اوائل قرن پنجم تا آغاز قرن ہفتم ہجری:  
۱۳۹ اخلاقی پستی اور مذاق عامہ میں فساد  
۱۵۲ شاعری پر حوادث روزگار کا اثر  
۱۶۵ نسلی اور علاقائی عصبیت  
۱۶۷ مذہبی اختلافات  
۱۶۸ شعر و فلسفہ  
۱۷۰ معاشرتی بد عنوانیاں  
۱۷۲ حکیم سنائی غزنوی  
۱۸۳ حکیم سوزنی سمرقندی  
۱۹۲ انوری ابیوردی  
۲۰۶ جمال الدین اصفہانی  
۲۱۳ خاقانی شروانی  
۲۲۲ مجیر الدین بیلقانی  
۲۲۶ کمال الدین اسماعیل اصفہانی  
۲۳۶ سلجوقی اور خوارزم شاہی عہد کے چند قابل ذکر ہجو سرایان

## باب سوم

- ۲۳۸ ہجگوئی از اواسط قرن ہفتم تا آغاز قرن دہم ہجری  
اخلاقی، اجتماعی اور معاشرتی ناہمواریاں اور ہجگوئی

۲۴۷	عبدالزاکانی
۲۶۱	کاتبی نیشاپوری
	باب چہارم
۲۶۳	ہجوگوئی از اواسط قرن دہم تا اواسط قرن سیزدہم ہجری
۲۶۵	حکیم شرف الدین حسین شفاؒ آصفہانی
۲۷۰	شیدائے فتح آبادی، آگہی خراسانی، عربی
	باب پنجم
۲۷۵	ہجوگوئی از اواسط قرن سیزدہم تا اواسط قرن چہارم ہجری
۲۷۸	قائم مقام فراہانی
۲۸۵	قاآلی شیرازی
۲۹۴	یغمای جندقی
	باب ششم
۳۰۰	ہجونگار ان عصر حاضر
۳۰۴	(الف) سیاسی مسائل سے متعلق ہجویات: اشرف الدین نسیم شمال، عشقی، روحانی، عباس فرات، فرخی یزدی۔
۳۱۴	(ب) معاشرتی و عمرانی مسائل سے متعلق ہجویات: اشرف الدین نسیم شمال، روحانی، عشقی، عباس فرات، علی اکبر دھندا، دانش، ابوالقاسم حالت، علی اصغر حریری، فرخ خراسانی، پروین اعتصامی، ژالہ عالم تاج فراہانی۔
۳۲۳	ایرج مرزا
۳۲۹	عارف قزوینی
۳۴۴	بہار مشہدی

باب ہفتم

- ۳۵۲ ہندوستان کی فارسی شاعری میں ہجو یہ روایت  
 ۳۵۳ مرزا محمد علی شیرازی نعمت خان عالی  
 ۳۵۸ جعفر زٹلی  
 ۳۶۵ فوٹی یزدی

باب ہشتم

- ۳۷۱ ہجو یہ موضوعات  
 ۳۷۱ (الف) بخیل کی سرزنش و مذمت  
 ۳۷۹ (ب) گھوڑے کی ہجو یں  
 ۳۸۴ (ج) ریاکار مذہبی ٹھیکہ داروں کی مذمت

باب نہم

- ۳۹۳ فارسی ہجونگاری پر ایک عام تنقیدی تبصرہ  
 ۴۰۳ کتابیات

## پیش گفتار

فارسی ادبیات اور خصوصاً فارسی شاعری میں ہجویات کی فراوانی ہے۔ بہ مشکل کوئی شاعر ملے گا جس نے کبھی اس صنف خاص میں طبع آزمائی نہ کی ہو۔ فارسی شاعری کی تاریخ کے تمام ادوار میں۔ عہد اولین سے عہد حاضر تک۔ ہجو گوئی شعر کی تفریح اور تفسن طبع کا ایک مرغوب و محبوب مشغلہ رہا ہے۔ چند شعرا نے اس صنف میں خوب داد سخن حاصل کی، ان کے استادانہ فنی بلوغ کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی طبیعت پر ہجو اور مزاح و ظرافت کا غلبہ تھا یا پھر ماحول نے انہیں اس سلک خاص میں خضر صفت ہونے پر مجبور کیا۔ سوزلی، عبیدزاکائی، ایرج میرزا اور عارف قزوینی کی شاعرانہ فنی مہارت ایران کی ہجو گوئی کی تاریخ میں مہتمم بالشان ہیں۔ ہندوستانی شعرا میں اس صنف کے علم برداروں میں نعمت خان عالی، فوقی یزدکی اور جعفر زنگی کا مقام اظہر من الشمس ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے معروف اور نامور خدایان سخن مثلاً انوری، خاقتائی، اوزقا آئی وغیرہ بھی موقع سے استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے دواوین شاہد ہیں کہ حالات کے پیش نظریہ ہجو گوئی سے نہیں چوکتے۔

فارسی ہجو گوئی کسی خاص طرز و روش اور فنی سبک کی محتاج نہیں۔ اس کا دائرہ عمل تمام اصناف سخن پر محیط اور اس کا دامن جملہ تخیلی رنگینیوں سے مزین ہے۔ جذبہ نفرت و اصلاح کے براہیچتہ ہونے پر شاعر مزاح، طنز، تحریف، مبالغہ اور رعایت لفظی وغیرہ حربوں کو استعمال کرتا ہے۔ شاعر کے فکری میلانات اور تخیلی رجحانات سے ہجو کے مزاج میں تغیر و تبدل پیدا ہوتا رہتا ہے۔ کہیں یہ ملیح اور لطیف چٹکیاں لیتی ہوئی گذر جاتی ہے اور کہیں اس کی نشتریت میں قدرے شدت پیدا ہو جاتی ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عام نیش زنی سے شاعر کو تسکین نہیں ہوتی اور وہ طنزیہ دشنام طرازی کی راہیں اختیار کرتا ہوا فحشیات اور رکاکت کی گھناونی پستیوں میں جاگرتا ہے۔

فارسی ادبیات میں ہجویات کی فراوانی دربارانہ نظام کی رہن منت ہے۔ مطلق العنان حکومتوں میں شعر کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے اس لیے کہ حکمران طبقہ ان کی سرپرستی کو اپنا اخلاقی اور اداری فرض تصور کرتا ہے۔ شعرا بھی جلب منفعت کی خاطر درباروں سے وابستہ

ہو جاتے ہیں۔ درباروں سے متوسلین میں صرف شعر اگا گروہ ہی نہیں بلکہ وزرا اور امرا کی بھی ایک جماعت حکمران وقت کی ہم جلیس اور مشیر کار رہا کرتی ہے۔ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی ہوس ان وزرا اور امرا کو سعی و عمل کی دعوت دیتی رہتی ہے۔ نتیجہ باہم رشک و رقابت کا بازار گرم رہتا ہے۔ شاعر بھی اس باہمی تنازع فوقیت میں اپنے مدوح کی طرفداری کرنے لگتا ہے اور حریف پر اپنے خشم و غضب کے وار کرتا ہے۔ ایران کی ایسی جانب داری کی فضا میں صنف ہجو کو بڑا فروغ نصیب ہوا، نہ صرف عمال و حکام طبقہ کی باہمی کشمکش ہجو گوئی کی متحرک ہوئی بلکہ خود شعر اگو بھی اپنے تبحر علمی اور عظمت و افضلیت کو تسلیم کرانے کی دائمی فکر دامن گیر رہا کرتی تھی جو انہیں باہم چشمک اور معرکہ آرائیوں پر مجبور کرتی تھی اور یہ معرکہ آرائیاں ہجو گوئی کے لیے میدان ہموار کرتی تھیں۔

فارسی ہجویات کا مطالعہ دل چسپی سے خالی نہیں، چند مؤلفین اور مضمون نگار حضرات نے اس دلچسپ اور مرغوب موضوع پر مختصر احامہ فرسائی کی ہے لیکن اب تک موضوع کے باضابطہ تنقیدی و تحقیقی مطالعہ کی طرف توجہ نہ دی گئی تھی، یہ بارگراں جو عہد سامانیہ سے لیکر عصر حاضر کی طویل مدت کے منظوم فارسی ادبیات سے متعلق ہے میرے حصہ میں آیا۔

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، نئی دہلی گذشتہ صدی عیسوی کی چھٹی دہائی میں ہر سال قومی سطح پر آرٹس، سائنس اور کامرس کے مجموعی ایک سو بیس امیدواروں کو منتخب کر کے تحقیقی کام کرنے کے لئے فیلوشپ دیا کرتی تھی۔ ۱۹۶۷ء میں ریاست بہار کے کل پندرہ امیدواروں کو سینئر اور جونیئر فیلوشپ کے لئے منتخب کیا گیا۔ جونیئر فیلوشپ کے لئے منتخب گیارہ اسکالروں میں راقم الحروف کا نام سر فہرست تھا اور حسن اتفاق یہ کہ ملک کی دوسری اکثریت کا واحد فرد بھی۔

ان دنوں پٹنہ یونیورسٹی، شعبہ فارسی کے صدر پروفیسر سید حسن (مرحوم) کی زیر نگرانی پی ایچ۔ ڈی کے لئے مقالے کی تیاری شروع ہوئی۔

اپریل ۱۹۶۹ء کے اختتام تک تقریباً تمام کارآمد خام مواد کی فراہمی ہو چکی تھی کہ ۲۲ مئی ۱۹۶۹ء کو مجھے ایک ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ گرمیوں کی تعطیل میں تاریخ مذکورہ کو اپنے مقالہ کے تمہیدی ابواب کے کل خام مواد کو اپنا رفیق سفر بنائے عازم وطن (در بھنگہ) ہوا کہ سون پور جنکشن پر اپنی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے اچانک ایک خس واقعہ پیش

آیا اور میں علاوہ ان تمام خام مواد کے تقریباً ڈھائی ہزار کی مالیت کا نقد اور دوسرا سامان کھو بیٹھا۔ مال وزر اور سامان کی گم شدگی کا جو اثر ہونا تھا ہوا۔ بڑی فکر اپنے مقالے کی لاحق ہوئی اس لیے کہ میری جو نیر فیلوشپ کی مدت کا اختتام بھی ۲۸ اگست ۱۹۶۹ء کو ہی ہونے والا تھا۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، نئی دہلی کا ممنون ہوں کہ مجھے تمام مراعات کے ساتھ ایک سال مزید کام کرنے کی اجازت دی گئی اور میں اس لائق ہوا کہ تمام تلف شدہ مواد کو از سر نو اکٹھا کر کے مقالے کو مکمل کر سکوں۔ گویا ایک سال کی قلیل مدت میں گونا گوں ناسازگار حادثات، ناموزوں واقعات اور گرد و پیش کی بالواسطہ اور بلاواسطہ اثر اندازیوں کے باوجود مقالہ متشکل ہو سکا۔

ہندو ایرانی ادبیات اور کلچر کی فضا میں اس دور میں تین روشن ترین ستارے ملک میں ضیاء پاشی کر رہے تھے۔ پروفیسر سید حسن پٹنہ، پروفیسر نذیر احمد علی گڑھ اور پروفیسر سید امیر حسن عابدی دہلی۔ اول الذکر کی نگرانی میں راقم الحروف نے تحقیقی مقالہ مکمل کیا جبکہ باقی دو تابندہ تر ستارے اس مقالے کے ممتحن مقرر ہوئے۔ ان لوگوں نے تحقیقی کاوش کو خوب پسند فرمایا اور توصیفی کلمات سے نوازتے ہوئے پٹنہ یونیورسٹی کی ڈاکٹر آف فیلانسی کی ڈگری عطا کئے جانے کے لئے سفارشیں کیں۔ دسمبر ۱۹۷۰ء میں پٹنہ یونیورسٹی نے ان سفارشات کی بنیاد پر ڈگری مرحمت فرمائی۔

ایران عہد میں سامانیہ سے لیکر عہد جدید تک اور پھر ہندوستان میں بھی ہجو اور طنز و مزاح موضوعات کو سمیٹنا ایک طویل تحقیقی سفر تھا لہذا ایک سرسری مطالعہ ہی پیش کیا جاسکا۔ لیکن اتنا ضرور ہوا کہ موضوع سے متعلق تقریباً تمام معروف شعرا پر خامہ فرسائی کی گئی اور اس میدان میں آئندہ تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے راہیں ہموار ہوئیں۔ مقالہ ہذا میں خامیوں اور کوتاہیوں کے لئے معذرت خواہ تو ہوں لیکن اس کے جالب پہلوؤں کی طرف قارئین کی توجہ کا طلبگار بھی ہوں۔

ع  
”مگر قبول افتد زہے عزو شرف“

پروفیسر محمد شرف عالم

صدر شعبہ فارسی،

پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ





## اظہار تشکر و احوال واقعی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

زیر نظر تحقیقی مقالہ استاذ محترم و مکرم پروفیسر سید حسن کی نگرانی میں ۱۹۷۰ء میں مکمل ہوا تھا۔ استاذ مرحوم و مغفور ۱۸ نومبر ۱۹۸۸ء کو راجھی ملک عدم ہو گئے۔ اللہ انہیں غریقِ رحمت فرمائے، آمین۔ علمی و ادبی مشاغل کے علاوہ امور خانہ داری میں انہماک کے باوجود بڑی محبت سے میری رحنمائی فرماتے اور مشفقانہ ہدایتیں دیتے رہتے تھے۔ دنیاے علم و ادب کی صفِ آخرین میں بھی اگر مجھے کوئی جگہ حاصل ہوئی تو یہ ان ہی کی حوصلہ افزائیوں کی رحمت ہے۔

شہر عظیم آباد زمانہ قدیم سے ہی علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔ مشرقی علوم کے اس اہم مرکز میں میرے عہد طالب علمی کے نامور اساتذہ کرام استاذی پروفیسر سید شاہ عطاء الرحمن عطا کاکوی، ڈاکٹر اقبال حسین (یہ دونوں اب مرحوم و مغفور ہو چکے ہیں)، پروفیسر افسر الدولہ فیاض الدین حیدر اور ڈاکٹر سید انوار احمد کا منت کش ہوں جنہوں نے اکثر اپنے مفید مشوروں سے مجھے سرفراز فرمایا۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں ایران سوسائٹی، کلکتہ کے بنیان گزار ڈاکٹر محمد اسحاق مرحوم کے لئے بارگاہ ایزدی میں دعائے مغفرت نہ کروں جو تحقیقی کاموں کے دوران ازراہ عنایت مجھے مشورے دیا کرتے تھے۔

پروفیسر کے۔ این پنڈیتا کشمیر یونیورسٹی کا میں شاکر و ممنون ہوں جنہوں نے مئی ۱۹۶۸ء میں شری نگر میں ایک ہفتہ کی ملاقاتوں کے دوران جدید فارسی شاعری میں تہجو، طنز اور مزاح پر گراں قدر معلومات فراہم کئے۔

ان تمام علمی اداروں اور کتب خانوں بالخصوص خدابخش اور نیشنل پبلک لائبریری، پٹنہ کے کارمندوں اور ارباب حل و عقد کا شکر یہ ادا کرنا اپنا فرض منصبی تصور کرتا ہوں جہاں

سے مجھے ہمیشہ حسب منشا مخلصانہ تعاون حاصل رہا ہے اور بجز اللہ عنایات و الطاف کا سلسلہ دراز تر ہوتا جا رہا ہے۔

اپنی والدہ مرحومہ کے روحانی فیض سے میں ہمیشہ ہم کنار رہا ہوں کیونکہ صرف چار سال کی عمر میں ہی شفقت مادری سے محروم ہو چکا تھا۔ مرحوم و مغفور والد الحاج محمد نظیر حسن کی دعائیں ہر ہر قدم پر مشعل راہ رہی ہیں۔ اہلیہ ساجدہ خاتون کا جاں نثارانہ تعاون اگر میسر نہ ہوتا تو شاید اس مقالے کی بروقت تکمیل ممکن نہ ہوتی۔ ۸ مئی ۱۹۹۳ء کو اہلیہ مرحومہ نے اس سرائے فانی کو خیر باد کہہ دیا۔ ان کی تین یادگاروں یعنی ایک بیٹی اور دو بیٹوں میں بیٹی غزالہ پروین صرف ۲۸ سال کی عمر میں بتاریخ ۵ دسمبر ۱۹۹۵ء اپنے ڈیڑھ سالہ بیٹے صدام غزالی کو روٹا بلکتا چھوڑ کر واصل بحق ہو گئی۔ جبکہ ہمارا بڑا بیٹا ڈاکٹر محمد شاہنواز عالم عرف شبلی جو اپنی زندگی کی صرف ۳۳ بہاریں ہی دیکھ سکا تھا وہ بھی اپنی شادی کے صرف چار ماہ بعد ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو جان لیو امراض میں مبتلا ہوا اور بالآخر ۱۸ مئی ۱۹۹۸ء کو اپنے غم نصیب باپ اور اپنے بے حد عزیز و محبوب بھائی محمد شہباز عالم عرف ارمان و بابو سلمہ کو سدا کے لئے گریہ کناں چھوڑ کر جہان نامعلوم کا مسافر ہو گیا۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

علاج زخم دل از گریہ کی ممکن بود بیدل

بہ شبنم بنجیہ نتواں کرد چاک دامن گل را

۲۴ جون ۱۹۹۸ء کو مرحوم و مغفور بیٹے کا جانشین و قائم مقام جاوید نظیر شبلی عرف یاور منصہ

شہود میں آیا۔ اللہ سے خضر حیات، شبلیٰ صفات اور یکتائے روزگار بنائے۔ آمین ثم آمین۔

آنچه من گم کرده ام، نایافتن، گم کرده ام

شرف عالم

۲۴ مارچ ۲۰۰۳ء

## تمہید

انسان کمزور اور واہمہ پرست واقع ہوا ہے اس لیے کسی مافوق العادت ہستی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا اور اس سے استعانت و ہمدردی کی استدعا کرنا اس کی سرشت میں داخل ہے۔ مختلف اشیائے ارضی اور اجرام سماوی کی پرستش اس کی تخلیقی کمزوری اور توہم پرستی کی دلیل ہے، اس عہد میں بھی جب اس کی زندگی تنہا، غریب، گندی، وحشی اور مختصر تھی اور آج بھی جب انسانی زندگی تہذیب و ترقی کی بے شمار منزلیں طے کر چکی ہے۔ تعقل پسندی اور سائنس کی ترقی کے ساتھ یہ توہم پرستی آہستہ آہستہ ختم ہوگی۔ صدیوں کی توہمات برسوں میں ختم نہیں ہو سکتی ہیں۔ معاشرہ، ماحول اور روایت پرستی روشن خیالی کی راہ میں حائل ہیں۔

اس روئے زمین پر انسانی آبادی کے عہد اولین میں الہتہ الفلاحت (Ceres) اور الہتہ الخمر (Bacchus) دو مقتدر دیوتاؤں پر اہالیان یونان کا ایمان تھا۔ یہ انسانی تہذیب کا وہ دور تھا جب لوگوں نے کھیتی کرنے کا طریقہ معلوم کر لیا تھا اور فطرت کی گود میں غیر محفوظ طور پر کھیلنے والا انسان غلہ پکنے اور خرمن جمع کرنے، موسم کی اعتدالی اور فضا کی دلکشی اور صحت و خوش گوار موقعوں پر عافیت و کامرانی کی وجہ سے نشاط و مسرت کا اظہار کرتا تھا۔ یہ ان کی عیدیں ہوا کرتی تھیں۔ تہذیب کے اس تاریک عہد میں بھی اور ترقیات کے موجودہ زریں دور میں بھی عیدوں اور تیوہاروں کی دو حیثیتیں رہی ہیں۔ ایک ان کا مذہبی اور عقیدت مندانہ پہلو ہوتا ہے اور دوسرا سیر و تفریح کا۔ اپنی عیدوں کے موقع پر یونان والے مذکورہ دو دیوتاؤں پر نلے اور شراب نذر کیا کرتے تھے اور عبادت کی رسموں سے فارغ ہو کر تمام لوگ رنگ رلیوں میں شریک ہوتے تھے۔ شراب اور دیگر منشیات کا دور چلتا تھا۔ اس تفریح میں ہنسی، دل لگی، مذاق اور تمسخر، پھلکد بازی، طعن و طنز، برہنگی و بے راہ روی سب ہی کچھ ہوتا تھا اور مفروضہ یہ ہے کہ عیدوں کا یہی تفریحی پہلو ہجویات اور طنزیات کا سرچشمہ آغاز ہے۔ جب ہمارے جذبات براہینتہ ہوتے ہیں ان میں تموج اور بیجانی کیفیت طاری ہوتی ہے اس وقت ہمارا لب و لہجہ بھی بدل جاتا ہے اور اس حالت میں ادا ہونے والے کلموں کی بندش اور ترکیب بھی مختلف ہو جاتی ہے۔ یہی لب و لہجہ اور ترکیب و بندش فن شعر و شاعری میں اوزان اور قافیہ و ردیف سے تعبیر کیے جاتے

ہیں گویا تفریحی موقعوں پر برجستہ ادا ہونے والے مذاق و تمسخر، ہنسی دل لگی اور طعن و طنز کے بے ربط اوزان نے زمانہ کے تغیر و تبدل کے ساتھ نظم کا جامہ اختیار کر لیا۔

ہجو (Satire) کی جائے تکوین اور نشوونما کے متعلق ناقدین میں ہمیشہ اختلاف رہا۔ ایک فرقہ کا خیال ہے کہ یہ فن روم والوں نے یونانیوں سے اخذ کیا۔ جو لیس اسکالیگر (Julius Scaliger) اور ہنسی اس (Heinsius) اس نظریہ کے علم بردار ہیں۔ ریگال شیس (Regaltius) اور کاسا بن (Casaubon) دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ رومیوں کی اپنی دماغی کاوش اور افکار کا نتیجہ ہے (۱)۔ بلکہ کونٹیلین (Quintilian) اور ہورلیس (Horace) کا تو یہ بھی دعویٰ ہے کہ طنزیات کی اول داغ بیل لاطینی (کلاسیکی رومی) فضا میں ڈالی گئی اور وہاں سے یہ یونان کو منتقل ہوئی۔ ان عقائد و نظریات سے قطع نظر مسلم الثبوت حقیقت یہ ہے کہ ہجویات اور طنزیات ہر قوم میں فطری طور پر نشوونما پاتے رہے ہیں۔ جہاں تک لفظ سائر (Satire) کا تعلق ہے اگر یہ Saturae سے نکلا ہے تو یہ یونانی ہے (جس کے معنی مختلف النوع چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے) اس لیے Saturae Lanx عبارت ہے ایک ایسے طباق یا چنگیر سے جس میں مختلف اقسام کا غلہ اور پھل ہو۔ اہالیان یونان فصل تیار ہونے پر مختلف پیداوار اور پھل وغیرہ ایک چنگیر میں رکھ کر اپنے مذکورہ دو دیوتاؤں، الہتہ الفلاحتہ اور الہتہ الخمر کو نذر کرتے تھے اور اس چنگیر کو Saturae lanx کہتے تھے۔ لفظ Saturae سے ادب میں ایک نظم بھی مراد لی جاتی ہے جو مختلف الاقسام پست درجہ کی گندی ہجو اور طنز سے مملو ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رومیوں نے یہ فن یونانیوں سے اخذ کیا بلکہ اس طرح کی چیز رومی ادبیات میں بھی موجود تھی اور رومیوں نے ہی ایسی نظم کو سائر (Satire) کہا جسے عربوں نے ہجویا ہجا کے نام سے موسوم کیا۔

ادبیات عالم کی تاریخ کے تمام ادوار میں ہجا شعر و شاعری سے وابستہ رہی اور ہمیشہ ہجا سے کسی شخص، چیز یا واقعہ کے قبیح، رذیل، گندے اور برے پہلو کا بیان مراد لیا جاتا رہا، اس سے قطع نظر کہ واقعہ صحیح ہو یا غلط، جائز ہو یا ناجائز۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی سائر (Satire) کے انگریزی مفہوم کی ترجمانی کسی ایک لفظ میں تقریباً ناممکن بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

(۱)۔ طنزیات و مضحکات از رشید احمد صدیقی ص ۳

”سائز کا جو مفہوم انگریزی میں ہے اس کی پوری اور صحیح ترجمانی (ہمارے یہاں کے کسی ایک لفظ میں) تقریباً ناممکن ہے۔ عربی اور فارسی میں اس موقع پر چند لفظ استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً ہجو، ہجا، ہجو ملیح، تعریض، تنقیص، لعن و طعن، طعن و طنز، استہزاء، مذمت، مضحکات، شطھیات اور جد و ہزل وغیرہ۔ اکثر ان الفاظ میں سے کوئی ایک لفظ (مناسب موقع کے لحاظ سے) یا الفاظ کی ترکیب اختیار کی جاتی ہے (۱)۔“

پھر آگے فرماتے ہیں:

”میں نے ان میں سے صرف ایک لفظ طنز یا طنزیات (و مضحکات) اختیار کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ طنزیات سے بھی وہ مفہوم پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتا جو سائز میں مضمحل ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ طنزیات کا مفہوم سائز کے مفہوم سے بڑی حد تک متجانس و ہم آہنگ ہے (۲)۔“

لیکن پروفیسر کلیم الدین احمد نے اپنی مشہور تصنیف (۳) ”سخنہای گفتنی“ میں رشید احمد صاحب سے اختلاف کیا ہے وہ سائز کو ہمیشہ ہجو کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں اور میرے خیال میں یہی درست بھی ہے کیونکہ طنز (Irony) تو ہجو کا ایک آلہ کار ہے جو ہجو کی تاثیر میں اضافہ کرتا ہے۔ میں نے اپنے مقالہ میں Irony کو طنز و مز، Invective کو ہجو قبیح یا دشنام آمیز تقریر یا تحریر، Wit کو نکتہ سنجی و لطیف ظرافت، Humour کو ظرافت، Parody کو تحریف، Burlesque کو تقلیب خندہ آور، Pun کو ایہام یا تجنیس اور Hyperbole کو اغراق یا مبالغہ کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ہجو کے حربوں کے ذکر میں ان پر آئندہ صفحات میں روشنی ڈالی جائے گی۔

ہجو یا ہجا کی تعریف پیش کرنے اور ان پر ناقدانہ روشنی ڈالنے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رومی اور یونانی ہجویات کے انداز اور مزاج کا ایک مختصر سا جائزہ لیا جائے تاکہ ہجو یا ہجا کی تعریفات کے سمجھنے میں سہولت ہو۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تمام مذہبی یا روایتی عیدوں، تیوہاروں، رسموں

(۱)۔ طنزیات و مضحکات از رشید احمد صدیقی ص ۱۳-۱۴۔

(۲)۔ ایضاً

(۳)۔ سخنہای گفتنی از پروفیسر کلیم الدین احمد ص ۳۲۰۔

اور رواجوں کا تاریخی یا نفسیاتی پہلو قرون اولیٰ کے نظری اور عملی معتقدات سے وابستہ ہے۔ معاشرت اور مذاق عامہ کا انقلاب غیر مرتب اور غیر منظم صورتوں اور حالتوں میں ترتیب و تنظیم پیدا کرتا رہتا ہے۔ موجودہ ڈراما اور تھیٹر کی جڑیں یونانیوں کی عیدوں کے موقع پر منائی گئی غیر مہذب رنگ رلیوں اور فحاشیوں سے جا ملتی ہیں اور زمانہ کے تصرف نے ان پر تہذیب و تمدن کا رنگ چڑھا کر ان کی شکلیں بدل دیں۔ شاعر کا آغاز بلاشبہ شخصی عیوب کے ذکر سے ہوا اور جب ادب نے خاصی ترقی کی اور ایک طویل عرصہ گذرا تو شاعر نے نظم کا جامہ اختیار کیا اور اخلاقیات کی اصلاح کا آلہ کار بنا۔

یونانی شاعر کے بانی آرکی لوکس (Archilochus) کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ذاتی بغض و عناد ہی ہجویات کو عوام میں نشر کرنے کا محرک بنیں۔ اسمین (Smeaton) لکھتا ہے: (۱)

"De Qeincey, accordingly, has argued that the more personal it became in its allusions, the more it fulfilled the specific function."

لیکن ایسا خیال اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ شاعر کا اور کوئی نصب العین نہیں سوائے اس کے کہ اپنے پڑوسیوں کے عیوب اور ان کے نقائص کو طشت از بام کرے اور یہ حقیقت روپوش ہو جاتی ہے کہ ہجو گو اگر سزا دینے والا منصف ہے تو اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ان عیوب و نقائص کی اصلاح کرے لیکن جب ہم تاریخ عالم کے ابتدائی ابواب کا مطالعہ کرتے اور قرون اولیٰ کی تاریکیوں کی طرف بڑھتے جاتے ہیں تو ذاتی گالی گلوچ اور لعن و طعن کی فراوانی پاتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ قدیم ترین شاعر شاید صرف دشنام ہی ہوگا۔

اسمین (Smeaton) کے الفاظ میں اس فن خاص کے اولین معمار "The men with a grievance" تھے یا Dr. Garnett کی زبان میں "The Carpers and fault finders of the clan." تھے۔ (۲)

Archilochus ہی کی طرح Simonides اور Hipponax کی حیثیت بھی افراد پر شدید حملوں کی وجہ سے ممتاز ہے۔ Simonides کی ہجو زن "satire on woman"

(1)- English Satire by Smeaton, Oliphant p. xv

(2)-English Satire by Smeaton o.p. xv.

بہت مشہور ہے۔ ان ہجویات میں Simonides کا اخلاقی احساس اور Hipponax کا عمیق تخیل پوشیدہ ہے۔ ان کی تحریریں جو اس عہد کے یونان کی سیاسی حالت اور معاشرتی زندگی کی آئینہ ہوتیں اب ناپید ہیں (۱)۔ اسی طرح Aristophanes کے مزاحیہ ہجویہ ڈرامے (Comico-Satiric drama) اور Aesop کے Beast-Fables یونانی ہجویات کی ابدی امتیازی خصوصیات کے حامل ہیں۔ Aristophanes کے مزاحیہ ہجویہ ڈراموں میں جوش اور بلند پایہ شاعری کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ بعدہ یونانی ادبیات میں ہجو نے اپنی عظمت اور قوت کھودی اور ادنیٰ مضامین پر تصرف کرنے کی وجہ سے پست اور معمولی سطح پر آگئی۔

یونانی ادبیات میں ایک دشنام گذار نظم تھی جو Silli کہلاتی تھی۔ Silli رومن شاعر سے مشابہت رکھتی تھی۔ طیمون Timon کی Silli اس عہد میں تحریف اور تقلیب خندہ آور (Parody and Hyperbole) کے وجود کا پتہ دیتی ہے۔ روم میں Virgil کی نظم پر ادسونیس (Ausonius) کی Parody بہت مشہور ہوئی۔

رومیوں کی مضبوط اخلاقی گرفت اور استوار سماجی ذہنیت کی وجہ سے ہمیں شاعر کی تلاش و جستجو رومن ادبیات میں کرنا چاہیے۔ رومی ہجویات پہلی مرتبہ Fescennine verses کی شکل میں فن کی حیثیت سے منظر عام پر آئیں۔ اسے ہجویات کے علم و فن میں بحیثیت علم و فن اولین سنگ منزل قرار دے سکتے ہیں جو ریک اور نازیبا لعن طعن، مزاح و استہزاء اور طنز و تشنیع کی حامل تھیں۔ یہ اپنی اولین حالت میں وزن اور قافیہ سے بالکل معری تھیں لیکن رفتہ رفتہ اس کی ترتیب و تہذیب ہوتی گئی اور اس کے نقش اور ریک حصے حذف ہو گئے۔

لوئی اندرونیکا (Livius Andronicus) پہلا شخص ہے جس نے روم کے اسٹیج پر شاعر کو پیش کیا۔ اس کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت رومی ماحول و مکاتیب میں ہوئی تھی۔ گرچہ یہ اصلاً و نسباً یونانی تھا۔ لہذا رومی اسٹیج پر انہوں نے یونانی نقوش ثبت کیے اور یونانی خصوصیات و امتیازات کو رومیوں میں رواج دیا۔ اس کے مزاحیہ و طربیہ ڈرامے ارسلوئین (Aristophanes) کی تصانیف سے متاثر ہیں۔ روم کی تاریخ ہجویات کا ایک عہد وہ تھا جب یہ محض برجستہ فحاشی، رنگ رلیوں اور طعن و طنز پر مشتمل تھیں۔ پھر ان میں ترتیب و تہذیب

(1) - Encyclopaedia Britannica vol 19, p. 1086.



لائی گئی لیکن یہ تنظیم و تہذیب مکمل نہ تھی بلکہ اس کا دوسرا دور نقالی اور ہزالی کا تھا جس سے نقش و سوزیاناہ عنصر حذف کر دینے سے قدرے سلاست اور سنجیدگی آگئی لیکن آگے چل کر اندرونِ نیقاس نے اسے اسٹیج کرنا شروع کیا اور اب یہ کامل طور پر مرتب و مہذب تھی۔ اندرونِ نیقاس کے بعد اپنی اس (Ennius) کا عہد آتا ہے جس نے رکاکت اور عامیاناہ پن کا عنصر پورے طور پر حذف کر کے اسے نزہت، لطافت اور سلاست عطا کی اور اسے قابل مطالعہ بھی بنا دیا۔ اپنی اس (Ennius) ہی کے نقش قدم پر اس کا بھانجا لوسی لیس (Lucilius) گامزن ہوا جسے ہور لیس رومی ہجویات کا اولین شاعر مانتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنی اس کی ہجویات کے انداز اور طرز ادا میں بانکپن، شگفتگی اور آراستگی پیدا کر دی۔ ڈرائیڈن (Dryden) بھی اسی خیال کی تائید کرتا ہے کہ لوسی لیس (Lucilius) نے کسی قسم کی ہجو وضع نہیں کی۔ لوسی لیس (Lucilius) ایک پر جوش فطرت کا خود پسند و خود بین انسان اور تند و تلخ نکتہ سنج تھا، مضبوط ارادوں کا مالک ہونے کی وجہ سے اس نے ہجو کو ذاتی احساسات کے اظہار کا وسیلہ بنا کر عوام اور خواص کے کرداروں پر بے باک تنقیدیں کیں اور یہ اسی کی افتاد طبع کا نتیجہ ہے جس نے ہجو کو انفرادیت بخشی (۱)۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ رومن زبان سلاست اور سنجیدگی اختیار کرتی گئی اور یونانی زبان کی شیرینی اور لطافت بھی قبول کر لی گئی یہاں تک کہ ہور لیس لوسی لیس کو لاطینی ہجو نگاروں میں قدامت کا درجہ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

روم میں ہجو کی ایک اہم طرز وارونی سائر (Varro's Satire) کے نام سے معروف ہے۔ لیکن خود وارو (Varro) اسے اپنے استاد مینپس (Menippus) سے وابستہ بتاتا ہے جو یونانی تھا اور ہم عصر Bion (۲)۔ رومی ادبیات میں وارو علامہ اجل تصور کیا گیا ہے اور اس کا مرشد مینی پس فلسفہ کلہی کا معتقد تھا۔ وارونی ہجویات کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں نظم و نثر دونوں کا توازن رہتا تھا لیکن اب وارونی ہجویات کے نمونے مفقود ہیں۔ خود وارو کا قول ہے کہ اس نے اپنی تصانیف میں نہ صرف مطاببات و مضحکات کو شامل کیا بلکہ اسکے فلسفہ کے پیچیدہ اور دقیق مسائل کی بھی توضیح و تشریح کی۔ انگریزی ادبیات میں Spenser اور Dryden کی بعض تصانیف میں وارونی اتباع پائی جاتی ہیں۔ (۳)

(1)- Encyclopaedia Britannica , vol.13, Page 784.

(2)- ibid.

(۳)- طنزیات و مضحکات از رشید احمد صدیقی ص ۹-۱۰

لاطینی ہجویات میں لوئیسیس کے بعد ہورس کا زمانہ آتا ہے۔ ہورس کے ہاتھوں یہ فن خوش آئند، ظریفانہ اور موثر بن گیا۔ اس کے سائز اس اصول کی موافقت میں نظر آتے ہیں جس کی تشریح Addison نے "The Spectator" میں کی ہے کہ ایسی ہجو جس کا مقصد صرف نشتر لگانا ہو، جم بالغیب ہے (۱)۔ عہد اگستس کے روم کے سیاسی حالات واقعات، رسم و رواج اور طور طریقوں کا ہورس نے بڑی عمیق النظری سے مشاہدہ کیا اور انہیں اپنی ہجویات میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہورس نے اپنے شگفتہ اور سنجیدہ مذاق طعن و طنز میں ایک قسم کا تقدس پیدا کر دیا تھا۔ اگستس کے عہد حکومت میں غیر ملکی عناصر ملکی عناصر پر غالب آگئے تھے اور روم کی مہتمم بالشان خصوصی سیرت پر اپنا مذموم اثر ڈال رہے تھے۔ ہورس نے ان تمام حالات و واقعات پر نہایت دل گزار کیے۔ کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس طغیان و عصیان کا ایک ناقد اور مبصر کی حیثیت سے مطالعہ کر رہا ہے اور کبھی وہ سوسائٹی کی سفاہت و شقاوت اور اس کی بے بھری کا ماتم کرنے لگتا ہے (۲)۔ اسمیٹن نے ہورس کے متعلق یوں لکھا ہے۔ (۳)

"In the hands of Horace, Roman satire was to be moulded into a new type that was not only to be a thing of beauty, but so far as one can yet see, to remain a joy for ever."

ہورس کی موت (۸ ق. م.) کے بعد ایک طویل عرصہ تک کوئی قابل ذکر ہجو نگار نہیں ابھرا یہاں تک کہ پہلی صدی عیسوی کے نصف آخر میں تین معروف ہجو نگار منظر عام پر آئے۔ یہ تینوں ہم عصر ہیں: جو وئل (Juvenal)، پرسیس (Persius) اور مارشل (Martial)۔ ان تینوں نے فن ہجو کوئی کو اپنے اپنے امتیازی نقطہ نظر کے ساتھ پروان چڑھایا۔ جو وئل کی ہجویات اپنے خطیبانہ ہیجان و طغیان اور شعلہ نوائی میں اپنی مثال نہیں رکھتیں یہ خطیبانہ اور الم ناک ہجویات کا موجد بھی ہے اور ممتاز فنکار بھی۔ اس قسم کی ہجویات میں نقائص کو مبالغہ آرائی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تاکہ پیش کی گئی شان و شکوہ سے نفرت کا

(1)-English Satires by Smeaton , O.P. xvii

(2)- رشید احمد صدیقی۔ طنزیات و مضحکات ص ۱۱

(3)- English Satires by Smeaton , O.P. xvi

جذبہ فوراً تیزی کے ساتھ بھڑک اٹھے۔ ظاہر ہے اسمیں سنجیدگی، اعتدال اور صداقت سے گریز کیا جائے گا۔ جو وٹل نے مختلف النوع شخصی و عوامی عیوب و نقائص کا پردہ فاش کیا۔ وہ ان بد عنوانیوں اور بد کرداریوں کی اصلاح کا بھی آرزو مند تھا جو ریاست کی فلاح و بہبود میں مزاحم تھے۔ اس نے کھوکھلی بنیادوں پر قائم بے حیا اور بد کردار سوسائٹی کے مہلک جراثیم کو ناپید کرنے کی سعی کی اور اپنی ہجویات میں نفرت آمیز تمسخر، تلخ و شدید طنز، بے رحم طعنوں اور دلخراش دشناموں کے استعمال سے گریز نہ کیا۔

پرسیس فلسفہ زینونی کا معتقد تھا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے اس راز کا انکشاف کیا کہ ہجویات کی کامیابی اور کمال کے لیے لازم ہے کہ صرف ایک موضوع و مضمون ہو۔ ایک فرد خاص ہو جس میں اگر دوسرے عیوب ظاہر بھی ہوں تو محض سرسری طور پر ان کی سرزنش کر دی جائے۔ پرسیس کے فلسفیانہ ہجویات کے سبق آموز حصے ہورلیس کی ہجویات سے زیادہ مؤثر اور باوقار ہیں۔ ہورلیس کے یہاں وحدت موضوع کا فقدان ہے۔ انگریزی ڈرامہ نگاروں نے پرسیس کے اصول کی پیروی کرتے ہوئے وحدت موضوع، وحدت عمل، وحدت زمان و مکان کا خیال رکھا ہے گرچہ ان کے یہاں ضمنی طور پر مزاح اور نقالی کا بھی رول ہوتا ہے جو اصل واقعہ یا موضوع سے گریز نہیں کرتا۔ مختصر حیات، ذوق مطالعہ اور اخلاقی پاکیزگی کی کمی نے پرسیس کو عیوب کی اس تنگ و تاریک دنیا سے بے خبر رکھا جس کی واقفیت کے بغیر پروفیسر سیلار (Prof. Sellar) کے مطابق ایک کامیاب ہجو نگار بننا ممکن نہیں لہذا وہ ایک ایسا ہجو نگار ہے جو فلسفی اور ناصح بن جاتا ہے۔

مارشیل، جو وٹل اور پرسیس کا ہم عصر تھا۔ اس نے ہجو نگاری میں لطیفہ کا حربہ استعمال کیا اور اپنی بے انتہا نکتہ سنجی اور ذہانت کا ثبوت دیا۔ اگر جو وٹل کو سوسائٹی کے داخلی عیوب کو ڈھونڈھ نکالنے اور عوام کی نیت کا پتہ لگانے میں مہارت حاصل ہے تو مارشیل پر خلوص طور پر سوسائٹی کے خارجی بد نمادانگوں کا صاف اور واضح خاکہ پیش کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ ہماری خواہش، آرزوئیں، تمنائیں اور امنگیں ہمیں زندہ اور برسر عمل رکھتی ہیں لیکن فطرت کی یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جو تمنائیں اور امنگیں زندگی کا سبب ہیں وہی تکلیف و مصائب کا پیش خیمہ بھی۔ ان تمناء کی عدم تکمیل اور خواہشات کی ناتمامی زندگی کو درد و غم کا مستقل گہوارہ بنائے رکھتی ہیں۔ لیکن لمحات، واقعات اور مناظر ایسے بھی آتے رہتے ہیں جو

ہمیں مسکرانے اور قہقہہ بلند کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اگر ایک طرف انسانی زندگی درد و غم سے تعبیر کی جاتی ہے تو دوسری طرف انسان کو ہنسنے والا جانور بھی تسلیم کیا گیا ہے اور ہنسنا اس کی سرشت میں داخل ہے۔ ہنسی عموماً عدم تکمیل اور بے ڈھنگے پن کے احساس کا نتیجہ ہے۔

ادب میں زندگی، زندگی کے تمام شعبے، زندگی کے نشیب و فراز اور زندگی کے محاسن و معائب کی ترجمانی ہوتی ہے۔ یہ انسان کے دماغی اوصاف اور اس کے سارے حواس کو بروئے کار لاتا ہے اور ہنسی انسانی زندگی کا ایک اہم عنصر اور زندگی و دنیا کی عدم تکمیل اور ناتمامی کا نتیجہ ہے۔ لہذا ادب لازمی طور پر اس کا بھی ترجمان ہے۔ ادب نہ صرف زندگی کے رقت انگیز اور روشن پہلو کا آئینہ ہے بلکہ اس کے تاریک اور تمسخر انگیز گوشوں کو بھی بے نقاب کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے ادب کی پستی و بلندی کا انحصار موضوع کی نوعیت، اس کی سنجیدگی اور غیر سنجیدگی پر نہیں بلکہ فنکار کی چابک دستی، اس کی فکری اور فنی بالیدگی اور صنعت کاری پر ہے جو غیر سنجیدہ مواد اور مزاحیہ موضوعات سے بھی سنجیدہ مضامین تیار کر لیتا ہے۔

دنیا اور زندگی کی ناتمامی اور ناموزونیت، اس کی عدم تکمیل اور اس کا بے ڈھنگا پن، اس کے قبیح اور رذیل پہلو کا احساس اظہار اور ان عیوب و نقائص کو دور کرنے کی کوشش سے ظرافت، طنز اور ہجو کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے زندگی اور کائنات میں ان عیوب و نقائص کی کمی نہیں۔ لہذا طنز، ظرافت اور ہجو کے مواقع کی بھی فراوانی ہے لیکن مدح و توصیف کی نہیں۔ Charles Churchill کا یہ قول بالکل درست ہے (۱)۔

"Broad is the road, not difficult to find,  
Which to the house of satire leads mankind,  
Narrow and unfrequented are the ways,  
Scarce found out in an age, which lead to praise."

اگلے باب میں طنز، ظرافت اور ہجو وغیرہ کی امتیازی خصوصیات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ یہاں صرف ہجو کی تعریف، اس کے مختلف اہم کار اور حربے، اس کے اغراض و مقاصد، اس کی کارکردگی اور اس کی مختلف قسموں کو پیش کیا جائے گا۔

1- The art of satire by David , Worcestor- p.2

ہجو کی تعریف (Definition of Satire) اور اس کے مقاصد:  
 (الف) تعریف: کسی شخص یا چیز یا واقعہ کے فضائل و مکارم اور اوصاف حمیدہ کی نفی کرنا اور  
 اس کے رذیل، قبیح اور مذموم پہلوؤں پر دل چسپ روشنی ڈالنا، ہجو یا طنز ہے۔ سائر کی تعریف  
 ہنسی اس (Heinsius) نے اس طرح کی ہے:

”یہ ایک قسم کی نظم ہوتی ہے جس میں کسی واقعہ یا عمل کا تسلسل نہیں ہوتا جو  
 ہمارے ذہن و دماغ کو آلائشوں سے پاک کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے  
 جس میں غلطیوں، جہالتوں اور ان دیگر عوارض کو جو ان سے مرتب ہوتے  
 ہیں فرداً فرداً مورد لعن و طعن قرار دیا جاتا ہے۔ کبھی اس کو ڈرامائی طور پر پیش  
 کیا جاتا ہے، کبھی سادہ رنگوں میں اور کبھی دونوں طریقوں سے، لیکن اشاروں  
 کنایوں میں پست اور بے تکلفانہ انداز سے۔ طریق گفتار تیز اور تلخ ہوتا ہے۔  
 اس کے علاوہ کچھ ظرافت اور تمسخر کی بھی رعایت رکھی جاتی ہے جس کا  
 مقصد تنفر یا تنقص یا ہنسی اور قہقہہ کا اُکسانا ہوتا ہے۔“

در اصل یہ تعریف ہی نہیں بلکہ تفصیل بھی ہے اور ہو ریس کی ہجویات کی تشریح  
 بھی۔ ہجو کا مقصد بالکل بجا اور درست بیان ہوا ہے کہ یہ ہمارے ذہن و دماغ کو آلائشات سے  
 پاک کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے اور طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ جہالتوں، غلطیوں اور ان سے  
 متعلق دیگر عوارض کو فرداً فرداً مورد لعن و طعن قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا تعلق کسی قوم، فرد،  
 جماعت یا زمانہ کی منقصد سے ہے اور ہجو، ہجو میں منقصد کا پہلو ہمیشہ نمایاں رہتا ہے۔ یہ بھی  
 صحیح ہے کہ اس میں کچھ ظرافت و تمسخر کی بھی رعایت رکھی جاتی ہے تاکہ نشتر کی چھین اور درد  
 کی شدت میں کمی آجائے۔

لیکن یہ نکتہ قابل اعتراض ہے کہ رومن، لاطینی اور عربی فضلاء نے شعر کی شرط لگادی  
 ہے۔ شعر ہجا کا انسانی پہلو تو ہو سکتا ہے لیکن لازمی نہیں۔ نظامی عروضی سمرقندی جو چھٹی صدی  
 ہجری ایران کا ایک بڑا شاعر اور نظامی گنجوی کا ہم عصر تھا اپنی کتاب چہار مقالہ میں لکھتا ہے (۱)۔

(۱)۔ چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی مقالہ دوم در باہیت علم شعر

”شاعری صناعتی است کہ شاعر بدان صنعت اتساق مقدمات موہومہ کند و التیام قیاس منجہ بران وجہ کہ معنی خورد را بزرگ کند و بزرگ را خورد، نیکو را در لباس زشت و زشت را در حلیہ نیکو جلوہ دہد، و با ایہام قوت غضبانی و شہوانی برانگیزد و تا بدان ایہام طبائع را انبساطی و انقباضی بود امور عظام را در نظام عالم سبب گردد۔“

اس تعریف کا ما حاصل یہ ہے کہ شاعری اس فن کا نام ہے کہ مقدمات موہومہ کی ترتیب سے اچھی چیز بد نما اور بری چیز خوشنما ثابت کی جائے جس سے محبت و غضب کی قوتیں مشتعل ہو جائیں۔ اس تعریف پر سنجیدگی سے غور کرنے پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ شعر میں ہجو کے تاثرات باقی رکھنے اور اسکے مقاصد کے اظہار کے لیے خاصی صلاحیت موجود ہے۔ عربی میں ہجا سے وہ اشعار مراد ہیں جن میں کسی قوم، کسی فرد، کسی جماعت یا کسی زمانہ کی منقصت کی گئی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ عربوں اور رومن و لاطینی شعرا شعر سے خیالات کی ندرت و برجستگی مراد لیتے تھے۔ ان کے یہاں ہجویات کی شان نزول بھی برجستگی میں مضمر ہے جسے یہ شعرا شاعری کا جزو لاینفک سمجھتے رہے۔ اگر اب شعر کی شرط کو لازمی قرار دیا جائے گا تو بہت سے عظیم فنکار اس جماعت کی حدود سے باہر ہو جائیں گے۔ روم اور یونان میں ہجویات کا آغاز ان کی تہذیب کے ابتدائی عہد میں غیر مہذب ڈراموں سے ہوا تھا اور عربی ادب شاعری ہی پر مشتمل تھا لہذا وہ شعر و شاعری کی قید سے آزاد نہ ہو سکے۔

تھیکرے (Thackeray) کے مطابق ہجو نگار حتی الوسع زندگی کے ہر شعبہ پر ناقدانہ نگاہ ڈالتا ہے اور مکرو فریب، رعونت و منافقت اور حق و باطل کے خلاف اس طور پر جہاد کرتا ہے کہ بالآخر ہمارے مرحمت و محبت یا نفرت و حقارت کے جذبات کو تحریک ہوتی ہے اور ہم ان جذبات کو برسر کار لانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، مظلوم اور ناتواں کے لیے شفقت کا اظہار کرتے ہیں اور ظالم و جابر کو قابل نفرت و ملامت تصور کرتے ہیں۔

تھیکرے نے جو رائے دی ہے وہ ایک طور پر ہجو و ہجا کے عمل و اثر سے متعلق ہے اور یہ اخلاقی پہلوؤں سے متعلق ہے۔ ڈرائیڈن نے ہجا کی تعریف اس طرح کی ہے:

" Satire is a sharp, well mannered way of laughing a folly out of countenance."

اور انگریزی ادبا و فضلا کا ایک حد تک متفقہ خیال ہے:

"Satire as a literary genere, may be defined as the expression in adequate terms of the sense of amusement or disgust by the ridiculous or unseemly, provided that humour is a distinctly recognizable element and that the utterance is invested with literary form without humour satire is invective; without literary form it is mere clownish jeering."(1)

ڈرائڈن کی نظر میں انسانی حماقتوں پر ہنسنے کا نکھرا ہوا اور موزوں انداز ہی طنز ہے۔ ہجو کی تشریح کرتے ہوئے اس نے یہ بتایا ہے کہ کسی ناموزوں یا مضحکہ خیز واقعہ یا حالت پر ہمارے مزاح یا نفرت کا جذبہ متحرک ہوتا ہے اور اس کا اظہار ہی ہجو ہے مگر شرط یہ ہے کہ ہجو میں ظرافت کا پہلو نمایاں ہو اور اس کا اظہار ادبی ہو۔ ظرافت کے بغیر، ہجو گویا دشنام طرازی ہے اور ادبی اظہار کے بغیر یہ احمق کی طرح منہ چڑھانا ہے اور بس۔ گویا ہجو میں ظرافت کے ساتھ ادبی عنصر کار ہونا لازمی ہے۔ ہجو کی ان تشریحوں کی روشنی میں رومن اور لاطینی ہجو گو اور عرب، یونان اور ایران کے ہجو نگار، جن کے یہاں پھکڑپن اور فحاشی کے سوا کچھ اور نہیں، اصلی ہجو نگاروں کی صف سے خارج ہو جاتے ہیں اور ان کی تصنیفات کو وہ ادبی حیثیت حاصل نہیں جو انگریزی فضلا کے پیش نظر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہجو سے مراد ایسی تنقیص و تعریض ہے جس سے تفریح و تانفر کے جذبے کو تحریک ہو۔ اسے ادبی حیثیت کا حامل ہونا ضروری نہیں بلکہ وہ اپنے مورد پر پورے طور پر چسپاں ہو۔ اگر یہ موزوں اور اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو تو پھر اسے ہجو کی بجائے لغویات میں شامل کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ رشید احمد صدیقی کا خیال ہے کہ ہجو میں بہت سے الفاظ، جملے یا لطفے جن کا ادب کی کسوٹی پر صحیح اترنا تو درکنار اس کے قریب بھی نہیں لائے جاسکتے لیکن اپنے مفہوم اور تاثیر کے اعتبار سے وہ اتنے موزوں اور برجستہ ہو سکتے ہیں کہ ان پر ہجو کا پورا اطلاق ہو سکتا ہے اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سی چیزیں ادبیت سے معرئی ہونے

(1)- Encyclopedea Brit, vol.19, p. 1086.

کے باوجود مذاق سلیم پر بار نہیں ہوتیں بلکہ دل چسپی کا باعث بنتی ہیں۔ Webster's

New International Dictionary میں ہجو کی تعریف یوں کی گئی ہے: (1)

"Satire is a (commonly) formal or elaborate holding up of (specially public) vice or folly always as coloured or pervaded by the satirist's feeling, to ridicule or reprobation, it often makes use of irony, but is not necessarily ironical."

ہجو کی یہ ایک واضح تعریف ہے۔ انسانی حماقتوں اور برائیوں کی گرفت کا نام ہجو ہے جس میں ہجو نگار کے احساسات سے رنگ آمیزی ہوتی ہے تاکہ وہ انسانی خامیوں کی تذلیل کر سکے۔ ہجو نگار کبھی طنز (Irony) کا بھی استعمال کرتا ہے مگر یہ ضروری نہیں۔ ہجو نگار بلندی سے انسانی معاشرہ پر نگاہ ڈالتا ہے وہ حقیقت میں نکتہ ور ہوتا ہے۔ خوب و ناخوب کی تمیز کا گہرا احساس رکھتا ہے۔ اس کی نظر میں تکمیل، توازن و حسن کا بلند معیار ہوتا ہے۔ جہاں ناموزونیت یا بد صورتی نظر آتی ہے وہ مضطرب ہو جاتا ہے، صورت گری کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کی نظر میں تکمیل اور حسن کی صورت رقصاں ہوتی ہے اس لیے وہ خامیوں کو اپنے ہجو کے ذریعہ دور کرنا چاہتا ہے وہ شخصی اور ذاتی خامیوں کو نظر انداز کرتا ہے بلکہ عام انسانی خامیوں کو ہی طنز کا ہدف بناتا ہے۔ گلبرٹ ہائٹ Gilbert Highet نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف (۲) میں ہجو اور اس کے دیگر پہلوؤں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے:

"Satire ... pictures real men and women, often in lurid colours but always with unforgettable clarity. It uses the bold and vivid language of its own time eschewing state cliches and dead conventions."

ہجو دراصل مرد یا عورت کی تصویر نمایاں رنگوں میں پیش کرتا ہے۔ اس میں ایسی پاکیزگی ہوتی ہے جو ذہن سے کبھی محو نہیں ہوتی۔ وہ اپنے عہد کی ایسی زبان استعمال کرتا ہے جو بے باک اور شوخ ہوتی ہے اور وہ رسمی اور بے جان طرز اظہار سے مبرا ہوتی ہے۔ اس تعریف کا اطلاق ادبیات عالم کے تمام ادوار کے ہجو نگاروں پر ہو جاتا ہے۔ گرچہ انہوں نے مزاح و تمسخر کے

(1)- 2nd. Edition 1950, U.S.A , p. 1312

(2)- The Anatomy of Satire by Gilbert , Highet, p.3



پہلو کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن میرے خیال میں اس کی ضرورت بھی نہیں اس لیے کہ عیوب و نقائص اور بے ڈھنگے پن کی صحیح اور سچی تصویر مزاح و تمسخر کے بغیر ممکن نہیں۔

ہجو کے صحیفہ اخلاق میں عربوں نے جو اصول مرتب کیے ہیں انہیں رشید احمد صدیقی نے اس طرح بیان کیا ہے:

(۱)۔ جو چیز فی نفسہ قبیح یا مکروہ ہے اس کی ہجو کی جاسکتی ہے۔

(۲)۔ جسمانی یا فطری نقائص یا معائب کی مذمت ناروا ہے۔

(۳)۔ آبا و اجداد کی فردگذاشت پر اولاد کو مورد لعن و طعن قرار دینا ناجائز ہے۔

(۴)۔ انہیں معائب کو قابل گرفت تصور کرنا چاہیے جو عقل کے نزدیک قابل

گرفت ہوں۔

(۵)۔ بہترین ہجو وہ ہے جو جلد ذہن میں محفوظ ہو جائے، جس کی ترکیب اور معنی

میں پیچیدگی نہ ہو، جس کو عام مذاق جلد قبول کرے اور صرف قبول ہی نہ کرے بلکہ اس کو صحیح بھی سمجھتا ہو۔

ہجو کی مختلف تشریحوں اور اصولوں کے تذکرہ کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اغراض و مقاصد اور محرکات پر بھی روشنی ڈالی جائے تاکہ اس کی ماہیت و فطرت کی مزید وضاحت ہو سکے اور ادبیات میں اس کا مقام متعین ہو سکے۔

(ب) ہجو کے اغراض و مقاصد (Purpose and objective of Satire)

ہجو کے اغراض و مقاصد (Functions) مختلف طور پر بیان ہوئے ہیں۔ چونکہ یونان میں ہجو کا ایک مستقل نوع ادب کے طور پر موجود نہ تھا اس لیے اس نے خاص خاص علوم و ادبیات اور خصوصاً المیہ کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس لیے دوسرے متقدمین یونانی فضلانے ہجو کے مطالعہ پر توجہ نہ دی۔ مینی پس فلسفہ کلبی کا معتقد تھا اور انہوں نے دیگر فیلسوف کی ہجویں لکھیں اور ان کی تنقیدیں کیں اس بنا پر انہیں سنجیدہ چیزوں اور اشخاص کا مذاق اڑانے والا شخص قرار دیا گیا۔ مذاق کا یہ تنقیدی میلان گرچہ ہجو گوئی کا مستقل انداز رہا ہے لیکن یہ ہجو کا مقصد نہیں بلکہ مرکزی طریقہ کار ہے۔

ہوریس کا قول ہے کہ ہجو کا کام ہنس کر صداقت پیش کر دینا ہے "To tell the

truth laughing" اور اس کے بعد وہ اخلاقی اور سماجی مسئلہ کی ایک سنجیدہ بحث پیش کرتا ہے

اس طرح وہ اپنی بحث میں ہجو کے ایک مقصد اور ایک طریقہ کار پر روشنی ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ ہجو نگار گرچہ ہنتا ہے لیکن وہ حقیقت بیانی سے کام لیتا ہے۔ بہت سے دیگر ہجو نگاروں نے یہی خیال پیش کیا ہے لیکن ان کی یہ شکایت ہے کہ ان کی صداقت بیانی کو عوام سننا نہیں چاہتے۔ جو وٹل تسلیم کرتا ہے کہ صداقت بیانی اس کا موضوع سخن ہے اور آسانی سے روم کی گلیوں اور کسی چوراہے پر اس کا منظر دیکھا جاسکتا ہے لیکن اس کی یہ صداقت بیانی فسق و فجور، جور و ظلم اور بد اعمالی و بد کاری کی فتح تک محدود ہے۔ جب روم میں بد اعمالیوں اور بد کرداریوں کا بازار گرم ہوا اور انسانی اخلاق و عادات میں اتنے فسادات پیدا ہو گئے کہ خوبیاں گویا معدوم ہو گئیں تو اس نے برے کو برا کہنا مہلک جان سمجھا اور مروجہ خصائل و عادات پر ناقدانہ رائیں پیش کرنے میں جان کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے جرائم و ذمائم کو روم کے اساطیر الاولین سے منسوب کیا اس لیے کہ جب ہجو گو صدق بیانی کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے گرانقدر مشوروں اور تاکیدوں سے اپنے متعلقین اور عوام الناس کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ یا ان شرم ناک واقعات سے عوام کو مطلع کرنا چاہتا ہے جن کا اگر روز روشن میں مشاہدہ ہو جائے تو دنیا کا نپ اٹھے۔ پہلی حالت میں وہ حق گوئی سے نیک اعمال کی امید کرتا ہے اور دوسری حالت میں اس کا مقصد جرائم کے مرتکبین کی ایذا رسانی اور اپنی ذات کے لیے خطرات کو دعوت دینا ہوتا ہے۔

اس طرح ہجو کے مقاصد کے دو خاص اصول اور ہجو گو کے دو مختلف مکاتیب خیال ہیں ایک فرقہ عوام سے محبت و ہمدردی رکھتا ہے لیکن انہیں نابینا اور بے وقوف تصور کرتا ہے وہ ہنس کر صدق بیانی سے کام لیتا ہے تاکہ عوام اس سے بیزار نہ ہوں بلکہ خوشی سے قبول کر لیں اور غور کرنے پر انہیں اپنی حماقتوں اور غلطیوں کا احساس ہو جائے۔ لیکن دوسرا فرقہ عوام سے نفرت کرتا ہے وہ بد کرداروں اور بد اعمالوں کو اس دنیا میں کامران و عالی رتبہ دیکھ کر کڑھتا ہے اور اسی لیے گرچہ اُسے افراد سے محبت و شفقت ہوتی ہے لیکن عوام الناس سے نفرت ہوتی ہے اور انہیں وہ ذلیل و خوار دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کا مقصد ان متعدی اخلاقی امراض کا علاج نہیں بلکہ عوام کو تکلیف دینا، سزا دینا اور برباد کرنا ہے۔ اس گروہ میں جو وٹل کا بھی شمار ہو سکتا ہے۔

عیوب و نقائص کے متعلق دونوں گروہوں کا متفرق نظریہ ہے۔ بنی نوع انسان سے نفرت کرنے والے ہجو نگاروں کا خیال ہے کہ یہ انسان کی سرشت اور سماج کی تشکیلات میں داخل ہے اور اس کے دور کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ لہذا ذلیل، حقیر اور مصیبت انگیز انسانوں کا

خاص گروہ صرف اس لائق ہے کہ اس سے نفرت و ذلت کا اظہار کیا جائے۔ اگر جھوٹے گوان پر ہنستا ہے تو اس کی ہنسی ہمدردانہ نہیں ہوتی، اس کے پس پردہ کوئی خوشی نہیں ہوتی اور نہ تسکین ہی کا کوئی شائبہ ہوتا ہے۔ وہ ان کے اعتذارات، پست ظاہر داری، ریاکاری اور بے ڈھنگے پن پر نفرت و حقارت کی ہنسی ہنستا ہے۔ اس جماعت کے جھوٹے گوانیہ تمثیل نگاروں کی مانند ہیں۔ ایسے تمثیل نگاروں کی نظر میں عالی ہمت اور شریف النفس انسان کی عوام کے سامنے مایوس کن اور افسوسناک شکست ہوتی ہے لیکن جھوٹے گوانیہ کے مختلف پہلوؤں کا مشاہدہ و مطالعہ کرتا ہے اور عوام کو وہ مکروہ اور قابل نفرت تصور کرتا ہے۔ بصیرت و مشاہدہ ہی اس کا مقصد حیات ہوتا ہے۔ یہ قنوطی جھوٹے گوانیہ کی جماعت ہے جو عیوب و نقائص پر خوشی سے مسکراتا نہیں بلکہ اپنے ہونٹوں کو ایک نفرت آمیز حرکت دیتا ہے۔

جھوٹے گوانیہ کی دوسری جماعت رجائی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان کی مذموم اور مضحکہ انگیز حرکتیں فطری نہیں اور اگر ہیں بھی تو ان کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ یہ امراض ہیں جن کا علاج ممکن ہے اور یہ غلطیاں ہیں جن کی اصلاح مشکل نہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تہذیب انسانی کے تمام ادوار میں ریاکار، دھوکے باز اور احمق لوگوں کی کمی نہیں رہی ہے اور ان میں سے کچھ ناقابل اصلاح رہے ہیں لہذا ان کی زندگی اور ان کے کردار کے نازیبا پہلوؤں کو پیش کر کے عوام کو تنبیہ و تاکید کرنی ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کر سکیں اور ایسے نقائص و عیوب سے پاک رہیں۔ یہ صحیح ہے کہ جھوٹے گوانیہ بننے والا تکلیف ضرور محسوس کرے گا وہ تلملا اٹھے گا لیکن دوسرے بہت سے افراد کی اس سے اصلاح ہوگی۔ سقراط کے یہاں اس قسم کے خیالات ملتے ہیں۔ اس نے ہمیشہ سادہ اور انوکھے اصولوں کا سبق دیا ہے۔ مثلاً اس کا خیال ہے کہ کوئی شخص بالارادہ غلطیوں کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ اس کی ناواقفیت اسے غلط راہوں پر ڈال دیتی ہے اس لیے وہ کہتا ہے کہ ”علم و ادراک ہی حسن سیرت ہے“۔ گناہ گار ہمیشہ کے لیے قعر مذلت میں گرا ہوا شیطان نہیں بلکہ وہ عادتوں کا غلام ہے مگر اسے حقیقت کی روشنی میسر ہو سکتی ہے اور اس میں خوب و بد کی تمیز پیدا ہو سکتی ہے۔

ہوریس اور اس قسم کے دیگر جھوٹے گوانیہ کا بھی اسی طرح کا خیال ہے۔ یہ رحم دل اور نیک ہیں۔ یہ نفرت کرنے کی بجائے ترغیب و تشویق دلانے کا کام کرتے ہیں۔ ان کی ہنسی بھرپور ہوتی ہے۔ لغویات اور مہملات جس قدر ہنسی اور تمسخر کے متقاضی ہوتے ہیں اس سے کہیں زیادہ

ان کا جذبہ تمسخر برا بیچتے ہوتا ہے اور بڑے ہی مزاحیہ انداز میں دنیا کی ابتری اور حالات کی افرا تفری و ناسازگاری کا مذاق اڑاتے ہیں جبکہ قنوطی ہجو گو دنیا کو جہنم تصور کرتا ہے اور اس کے تمام باشندوں کو مصیبت زدہ۔ امید آفریں ہجو گو عام طور پر ایسے لوگوں کا ہجو آمیز خاکہ پیش کرتا ہے تاکہ قاری اس سے مستفید ہو سکے۔ ان کے ہجو میں نشتریت اور چھین سے زیادہ نرمی اور دلنوازی ہوتی ہے یعنی اس کا نشتر جلد کو کریدتا تو ہے مگر پورے جسم کو صحت مند اور پر قوت بنا دیتا ہے۔

چونکہ ہجو گو کے دو مکاتیب فکر ہیں لہذا ہجو کے مقاصد کے بھی دو نظریے ہیں۔ رجائی ہجو گو کا مقصد اصلاح و تزکیہ ہے اور قنوطی ہجو گو ایذا رساں ہے۔ ایک جراح ہے دوسرا جلا د۔ ایک دیکھتا ہے کہ دنیا میں لوگ فطری طور پر صحت مند ہوتے ہیں اور کچھ لوگ غلط کاری و بد عملی کی وجہ سے اپنے استحالہ کو برباد کر دیتے ہیں اور ناعاقبت اندیشی سے امراض کے شکار ہو جاتے ہیں، گویا بیشتر متعدی امراض والوں کا علاج ممکن ہے۔ لیکن دوسرا فرقہ دنیا کو انسان کی صورت میں بدنام مجرم، بندر جیسی حرکت کرنے والا پاگل، غیر قابل تعلیم جاہل، وحشی گو سفند، بندر، بھیڑیا اور زہریلے سانپ سے پر اور آباد تصور کرتا ہے۔ ان کے مطابق ایسی دنیا اور ایسے دنیا والوں کی اصلاح ناممکن ہے۔ اس قسم کے بہت سے فلسفیوں نے اپنے آپ کو پاگل بنا ڈالا۔ لہذا قنوطی ہجو گو اپنے کو جنون سے محفوظ رکھنے کے لیے نفرت انگیز و حقارت آمیز وحشی استہزا کو بروئے کار لاتا ہے۔ ہجو نگاروں کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس فن کو فرقہ وارانہ تقسیم سے آزاد رہنا چاہیے۔ ان کا تصور انقلابِ دورنگ نہیں بلکہ ہزار رنگ ہے۔ لہذا ایک ہی ہجو نگار کبھی رجائی انداز میں لکھتا ہے اور کبھی اس پر قنوطیت کا شدید و تلخ تاثر حاوی ہو جاتا ہے۔ وہ کوہ آتش فشاں کے دہانہ کی طرح اپنی آتش بیانی و شعلہ نوائی سے تباہ کاریوں اور بربادیوں کے سامان تو مہیا کرتا ہے لیکن جب چند سال بعد کوہ آتش فشاں سرد پڑ جاتا ہے تو اس کے دامن میں سبزہ زار لہک اٹھتے ہیں اور ہجو گو کا انداز بھی بدل جاتا ہے۔ ایک کتاب بلکہ ایک ہی صفحہ میں ہمیں ہجو گو کے متنوع جذبات باہم ملے جلے نظر آتے ہیں یعنی نفرت و محبت، غصہ و خوشی اور سکون و اضطراب کا امتزاج صفحہ شہود پر جلاوہ قلم ہوتا ہے۔

ڈرائڈن نے ہجو کے مقصد کو بہت ہی مختصر مگر جامع طور پر یوں بیان کیا ہے (۱):

(1)-The Anatomy of Satire by Gilbert., H.p.240

" The true end of satire is the amendment of vices by correction."

”ہجو کا اصلی مقصد اصلاح کے ذریعہ برائیوں کی ترمیم ہے“

”ہجو کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں — نظم و نثر۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں اور جو فرق ہے تو اسے ایک لفظ میں بیان کیا جاسکتا ہے یعنی وزن، اگر وزن نہ ہو تو پھر ہجویہ نظم و نثر میں تمیز ممکن نہیں۔ شاعر اور نثر نگار دونوں ہجو کے میدان میں ایک ہی مقصد لے کر گامزن ہوتے ہیں، دونوں کی راہیں اور منزلیں ایک ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ ایک اشہب وزن پر سوار ہے اور دوسرا پیادہ۔ یہ طرز خیال غلط فہمی پر مبنی ہے۔ شعر اور نثر میں وزن کے علاوہ اہم اور بنیادی فرق ہے۔ وزن شعر میں ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں۔ دور حاضر میں بعض مغربی شعرا نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ وزن شعر کی لازمی خصوصیت نہیں وہ ایک مخصوص صورت میں اپنے احساس شعری کی ترجمانی کرتے ہیں جسے نظم معرلی کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی نثر کے جملہ کو وزن کے جامہ سے آراستہ کر دیا جائے تو وہ شعر کے زمرہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ شعر ہمارے حسین و بیش قیمت تجربات کا حسین و موزوں بیان ہے۔ نثر ہمارے خیالات کا صاف، مختصر اور منطقی اظہار ہوتا ہے۔ دونوں کی راہیں جدا جدا ہیں اور منزلیں الگ الگ۔ جس طرح غزل یا نظم اور مقالہ میں بنیادی فرق ہے اسی طرح ہجویہ نظم اور ہجویہ نثر میں بھی صنفی اور بنیادی فرق ہے۔ اس جگہ ایک دوسری غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ عموماً یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ ہجویہ نظم میں بلند پایہ شاعری کا وجود ممکن نہیں۔ عام گفتگو میں جذبات کی ترجمانی کا دوسرا نام شاعری ہے۔ ہجویہ نظم میں کسی شخص کے معائب یا کسی عام انسانی نقص کا طنزیہ انکشاف ہوتا ہے اس لیے ان نظموں میں بظاہر جذبات (جذبات سے مراد خاص قسم کے جذبات ہیں) کا وجود نہیں ہوتا۔ اس روایتی نقطہ نظر میں جذبات صرف وہی ہیں جن سے غزلیں بھری پڑی ہیں۔ ان ہی احساسات، مخصوص و محدود احساسات کو شعریت کا حامل سمجھا جاتا ہے جو حسن و عشق سے وابستہ ہوتے ہیں۔ جو بے ثباتی دنیا، موت یا زیادہ سے زیادہ وطن کی محبت اور آزادی کی لگن سے سروکار رکھتے ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہجویہ نظم جذبات کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ ہجو گو شاعر نا انصافی، بے رحمی، ظلم اور اسی قسم کے انسانی نقائص کے مشاہدہ سے متاثر ہوتا ہے اور اسی مشاہدہ سے متاثر ہو کر اس کا جذبہ نفرت،

غضب، حقارت جوش میں آتا ہے۔ انہیں جذبات کا اظہار وہ اپنی نظم میں کرتا ہے۔ اگر جذبہ معشوق ایک پر زور طاقت ہے تو جذبہ نفرت بھی طاقتور زور ہے۔ اگر کوئی حسین، فطری منظر ہمارے ذوق حسن کو بھڑکاتا ہے تو کر یہہ انسانی منظر ہمارے احساس غضب کو برا بیچتے کرتا ہے، اگر معشوق کے جسمانی حسن کی تعریف میں ہم رطب اللسان ہو سکتے ہیں تو کسی شخص کے اخلاقی بقیح کا حقارت آمیز انکشاف بھی کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہجو یہ نظم میں بھی جذبات کا اظہار ہوتا ہے اور پیانہ شعر میں ہر قسم کے جذبات سما سکتے ہیں۔ صرف یہی نہیں جس طرح غزل کے اشعار یا کسی رومانی نظم میں شدت جذبات کا وجود ممکن ہے اسی طرح ہجو یہ نظم میں بھی جذبات کی شدت ہو سکتی ہے اور اگر کسی شعریا نظم میں بلند پایہ شاعری ہو سکتی ہے تو پھر ہجو یہ نظم میں بھی بلند پایہ شاعری کا وجود ممکن ہے۔“ (۱)

### (ج) ہجو کے محرکات (Stimulants of Satire):

ہجو گو کے متنوع جذبات اور اس کی فنی پیچیدگی کی مانند اس کے محرکات بھی مختلف ہیں۔ مندرجہ ذیل سطور میں تفصیل کے ساتھ ان پر روشنی ڈالی گئی ہے:

اول: پہلا محرک ہجو گو کی ذاتی منافرت اور بے زاری ہے۔ زندگی کے گونا گوں شعبوں میں ہمارے تعلقات متنوع اور مختلف جماعت کے افراد سے ہوتے ہیں اور یہ تعلقات کسی نہ کسی محسوس یا غیر محسوس اغراض و مقاصد پر مبنی ہوتے ہیں۔ لیکن دنیا اور فطرت کو ہماری خواہشوں اور ہماری تمناؤں کی کوئی خبر نہیں رہتی اور اگر رہتی بھی ہے تو وہ ان کی تکمیل یا عدم تکمیل سے بے پروا ہوتی ہے۔ تمناؤں اور امنگوں کی تکمیل ہو جانے پر ہماری تسکین نہیں ہوتی بلکہ ان کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے اور ہم ابدی طور پر محرومیوں کے شاک میں رہتے ہیں۔ ہمارے تعلقات میں بھی بال پڑ جاتے ہیں اور دوستوں، ارباب حل و عقد اور اس قسم کے دیگر اشخاص کی کج خلقی و بے مروتی سے ایک خاص ذہنی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہزاروں اقسام کے ناگوار واقعات اور غیر متوقع واردات پیش آتے رہتے ہیں جن کی بنا پر وابستگان سے ہٹا ہو جایا کرتا ہے۔ اگر انسان اپنے نفس پر قابو پالے، اپنے احساسات و کیفیات کی زمام اپنی مشبوط گرفت میں رکھے اور سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے تو اسے دشواریوں اور پریشانیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور اپنے ذہن و زبان کو آتش خشم کے حوالہ کرنے کی حاجت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر

(۱)۔ ماخوذ از مقالہ کلیم الدین احمد، معاصر جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۴-۶، ۱۹۴۲ء

تند مزاج، شدید التاثر اور کوتاہ ہیں ہو گا تو معمولی اختلاف اور ناہمواری میں بھی رنجیدہ اور متاثر ہو گا اور اپنی قوت تخیل کے ذریعہ کاہ سے کوہ اور تار موئی سے ریمان تیار کرے گا۔ عام طور پر شعر افرقہ دوم میں ہوتے ہیں۔ ان کی خواہشیں، امنگیں اور تمنائیں بے شمار ہوتی ہیں اور ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے جبکہ کامیابی باندازہ نفی میسر ہوتی ہے۔ لیکن اس کا دل نازک اور اس کے احساسات رقیق ہوتے ہیں۔ وہ تند و شدید قوت حاسہ کا حامل ہوتا ہے جو گیہا ضعیف کی مثل نسیم کے ہر جھونکے سے جنبش و اہتر از قبول کرتا ہے۔ اس کے اختیار و صبر کی باگ ڈور اس کے احساسات کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اسکی آتشیں زبان ایک ایسا حربہ ہے کہ جب وہ خوشی کی حالت میں ہوتا ہے تو تعریف و ستائش کرتا ہے اور اگر دل آزرده ہو تو برس پڑتا ہے اور فردوسی کے قول کے مطابق:

شاعر چو رنجد بگوید ہجا

دورہ صفویہ کا جو پیشہ شاعر حکیم شفا کی اس قول کی تائید میں کہتا ہے:

سو گندی خورم بہ خدائی کہ عقل را	در کبریای حضرت اونست اشتباہ
کز ناخن تلانی حسرت نخستہ ام	تا زخمہا نخورده ام از خصم کینہ خواہ
اما چورفت بے ادبی ہا زحد فزوں	تا دیب خصم واجب شریعت گاہ گاہ
باید نواخت فرق خران را پچو بدست	بیرون نہند چون قدم کجروی زراہ
ہر کس ز خصم کینہ بنوعی دگر کشد	مژگان بگر یہ لب بدعا خسرو از سپاہ
دستش بانقمام دگر چوں نمی رسد	شاعر بتیغ تیز زبان می برد پناہ

قاآنی نے اپنے ایک آشنا کی جو ریک اس طرح نظم کی ہے:

دوستی گفت عیب من باغیر	من خود، از عیب خود ابا نہ کنم
چون وی آہستہ عیب من میگفت	من ہمیش عیب بر ملا نکنم
گویدم گر ہزار عیب دگر	طبع بر عیب او رضا نکنم
آفریدش خدا بہ صورت ہجو	ہجو او بندہ چون خدا نکنم
ندہم شرح مختصر گویم	من ہجا را دگر ہجا نکنم

شعرا کے دلوں میں بغض و عناد پرورش پاتے رہتے ہیں اور نفرت کا شعلہ بھڑکتا رہتا ہے لیکن وہ ان احساسات اور منافرت کا اقرار نہیں کرتے اور خوش اسلوبی سے انہیں ہنسی میں ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں بایں ہمہ اپنی بے زاری و خفگی کو جائز ثابت کرنے کے لیے اپنے اقوال کو عام کلیہ کے طور پر پیش کر کے قارئین سے ہمدردی کے طالب ہوا کرتے ہیں۔ اس قسم کی ہجویات فارسی ادبیات میں بکثرت ملتی ہیں مثلاً فردوسی کہتا ہے:

نخستہ درگہ محمود غزنوی دریاست      چہ گو نہ دریا کا نرا کرانہ پیدا نیست

چو غوطھا ز دم و اندرو ندیدم در      گناہ بخت منست این گناہ دریا نیست

دوّم :- ہجو گو یوں کی ایک کثیر تعداد ترقی یافتہ و اعلیٰ طبقہ کے غیر منصفانہ اقدامات

کی شاکہ رہی ہے اور اپنی معاشی بد حالی اور دنیاوی و جاہت و بلندرتبگی کے نارسا ہونے سے احساس کمتری کا شکار رہا کی ہے۔ ان کی نسلی و معاشی بد حالی نے انہیں ہجو لکھنے پر آمادہ کیا ہے۔ ان کی ہجو گوئیوں سے انکی پستی اور کم رتبگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہجو گو یا تو اپنی عمر کے آغاز میں تلخ مایوسیوں کے شکار ہونے پر دنیا کو ظلم اور نا انصافی کا ایک ابدی ڈھانچہ تصور کرتے تھے یا پھر وہ خوش اور مطمئن انسان تھے جنہیں کافی طاقت و زور حاصل تھا اس لیے انہوں نے باقی لوگوں کو غریب، مضحکہ خیز، نیم زندہ کٹھ پتلی اور پست درجے کا بد معاش تصور کیا۔ لیکن ہمیشہ افراد، جماعت، اور قومی ادارے کی خاص قسمیں مورد ہجو و تمسخر رہی ہیں اور ہجو گو نے ان پر فنکارانہ تلافی کی بارش کی ہے اور ایسے مواقع پیدا کیے ہیں جن سے ان کی تخلیق حق بجانب اور درست سمجھی جائے۔ لیکن حق یہ ہے کہ ہمیشہ ہجویات میں ہجو گو کی شخصیت جھلکتی نظر آتی ہے۔ حکیم سنائی نا اہل اور بے وقوف معزز لوگوں کا خاکہ اس طرح پیش کرتا ہے:

روز گاریست کہ کان گہرند      اندرین وقت ہمہ بی سنگان

بی بنان گشتہ ہمہ بیداران      بیمران ماندہ ہمہ سر پہنگان

ہمہ خردان بزرگ اندیشان      ہمہ پستان دراز آہنگان

ہمہ بیدستان در وقت دہش      باز گاہ ستدن با پنگان

از چینس مردم نیکو سیرت      گوئی بردند ہمہ بار انگان

آنکہ یک ماجرہ دارد در شیر      بیم ازان نیست بخان لنگان



کودکان با خر و با اسپ شدند  
 فاخرہ دارد شیرینی و بس  
 ہر کرانیست سرموزہ فراخ  
 ہر کہ با شرم و حفاظت کنون  
 از سرہمت و پاک اصلی خویش  
 درخشو گادن اگر اقبالست  
 کارپس یوسف درگردارد  
 مایادہ ہمہ لنگان لنگان  
 تیز برسبت سبز آرنگان  
 چون من و تو بود از دلتنگان  
 ہست در خدمت شان چون گنگان  
 ننگ می دارم ازین بی ننگان  
 دررہ و مذہب با فرہنگان  
 تیز درریش سحاق سنگان  
 انورمی کا قطعہ ذیل صاحبان اقتدار کی مذمت میں لطف سے خالی نہیں:

آن شنیدستی؟ کہ روزی زیر کی با الہی  
 گفت چون باشد گدا؟ آن کز کلاہش تکمہ ای  
 گفتش: ای مسکین، غلط اینک ازین جا کردہ ای  
 دزد و مر و اید طوقش اشک اطفال منست  
 آنکہ تا آب سبو پیوستہ از ما خواستست  
 خواستن گدیہ است، خواہی با جدان، خواہی خراج  
 چون گدای چیز دیگر نیست، جز خواہندگی  
 گفت کین والی شہر ما گدای بی حیاست  
 صد چومار اسالھا و روز ہا برگ و نواست  
 آن ہمہ برگ و نوادانی کہ آنجا از کجاست؟  
 لعل و یاقوت ستامش خون ایام شماست  
 گر بجوی، تا بمغز استخوانش زان ماست  
 زانکہ گردہ نام باشد، یک حقیقت رارواست  
 ہر کہ خواہد، گر سلیمانست و گر قارون گداست

سوم:- تحریک ہجو گوئی کی ایک دوسری رویہ ہے کہ شعر اجرائم و عصیان اور ذمائم  
 اخلاق و عادات اور حماقتوں کو طشت از باہم کرتے ہیں اور ان کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ وہ انہیں ختم  
 کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ایک مثالی معاشرہ کی تنظیم و تشکیل کی ہوتی ہے۔ جان براؤن  
 ہجو کے محرکات کا ذکر ان الفاظ میں منظوم طور پر پیش کرتا ہے: (۱)

" When giant vice, and irreligion rise,  
 On mountain'd falsehood to invade the skies .  
 Then warmer numbers glow throw satire's page,  
 And all her smiles are darkened into rage,  
 On eagle- wing she gains Parnassus' height  
 Not lofly Epic soars a nobler flight.

(1)- The Art of satire p.12

136855

Then keener indignation fires her eye.  
Then flash her lightnings, and her thunders fly  
Wide and more wide her flaming bolts are hurl'd  
Till all her wrath involves the guilty world.

ڈرائڈن (۱) کے نزدیک بھی غلطیاں اور جرائم، جو نگار کو متحرک کرتے ہیں کہ وہ ان کی اصلاح کی خاطر قلم اٹھائے۔

"The true end of satire," says Dryden, "is the amendment of vices by correction."

پھر وہ آگے کہتا ہے کہ جو گو مجرموں کا دشمن نہیں ہے۔ ایک جراح جس بے رحمی سے نشر لگاتا ہے جو گو ویسی شقاوت سے کام نہیں لیتا۔ ڈرائڈن کا یہ خیال کلی طور پر درست نہیں قرار دیا جاسکتا لیکن اس کی پہلی رائے ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ وہ اصلاح کی غرض سے جو کاراستہ اختیار کرتا ہے۔ انوری کے قطعہ ذیل میں جو اصلاحی پہلو ملاحظہ ہو:

زمرد مان مشر خوشستن بھیت و شکل	کہ مردی نہ ہمیں ہیکل ہیولی نیست
بحسن ظاہر و باطن مسامت نکند	کہ این دو ہم ز صفہای روح روحانیت
وگر تو گوی: نطقست مر مرا، گویم	کہ: این حدیث ہم از ابھمی و کم دانیت
اگر بنطق ہی حرف و صوت را خواہی	ز نخ مزین، نہ قیاسیت این، نہ برہانیت
کہ این نتیجہ جانست و آن دو فرع ہوا	ہوا مجسم و جان در ہوائی جسمانیت
برابری چکنی با کسی؟ کہ در ملکش	امیر شہر تو در آرزوی دربانیت
ترا اگر عملی داد روزگار چہ شد؟	مرا بجای عمل علمہای یونانیت
وگر تو گوی: عیش من و تو ہر دو یکیت	غلط کنی کہ مرا عقل و ترانانیت
گذشت ظلم تو ز اندازہ بر مسلمانان	ز کردگار بترس، انچہ نامسلمانیت

قطعہ ذیل میں انوری اہل زبان کی مذمت کرتا ہے: (۲)

خلق دنیا وضع گیر و شریف	اہل عالم صغیر گیر و کبیر
ہمہ در دست نخوتند زبون	ہمہ در جنگ شہوت اند اسیر

(1)- The Anatomy of Satire by Gilbert. H. p240

(۲)- دیوان انوری مطبوعہ تہران ص ۴۱۰

خاتائی دنیا سے اس طرح شکایت کرتا ہے (۱):

چکنم	زم	اہلیت	اخوان	چکنم
چکنم	خضرم	خوان	کہ	خضرخان
چکنم	پرطاؤس	لگس	ران	چکنم
چکنم	گرنہ	آہم	خس	الوان
چکنم	بوسہ	زن	بر	در سلطان
چکنم	عقل	را	مسخرہ	فرمان

چو بکیتی نہ وفا ماندہ نہ اہل  
خوان گیتی ہمہ قحط کرم است  
جوہر حس برہر خس چہ برم  
چند نان ریزہ خوانہائی خسان  
لب خویش از پی نان چون دونان  
پیش ہر خس چو کرم فرمان یافت

جمال الدین اصفہانی شکایت روزگار میں یوں رقمطراز ہے: (۲)

ہیج	بوی	خوشدلی	باگوہر	آدم	نماند
زیر	این	سقف	مقرنس	یکدل	خرم
باسلیمان	سلامت	حشمت	حاتم	نماند	
دردم	آن	صورار	ہمی	دائیکہ	جزیکدم
دم	مزن	از	غصہ	ایام	چون
کز	ہمہ	لذات	دنیا	مان	جزین
سور	ہست	آری	ولی	آن	نیز
بھی	لطف	سے	خالی	نہ	ہوں

ہیج رنگ عافیت درحیز عالم نماند  
زیر این خاک تودہ یکتن آسودہ نیست  
دیوفتنہ بر جہان عافیت شد پادشاہ  
دینی اندر نزع افتادست ای اسرائیل خیز  
تن بز ن باز حمتی نا جنس چو نکس نیست اہل  
غیبت خواجہ چنان بر ما منغص کردہ عیش  
مقدم صدر جہان گفتیم سور دولتست  
اس ضمن میں سرمد کی مندرجہ ذیل دو رباعیاں

یک	دوست	ندی	یم	زجان	دوست
اینست	نشان	کہ	نام	شان	دوست
ہاں	غلط	آری	غلط	امشب	غلط
خط	غلط	معنی	غلط	انشا	غلط
چہارم:	ہجو	سرائی	کی	تحریک	نادر
اپنے	موضوع	کو	خاص	فنی	امتیاز

(۱) - دیوان خاتائی مطبوعہ ص ۲۵۵

(۲) - دیوان جمال الدین اصفہانی مطبوعہ ص ۱۵۷

اس میں مذموم اور مکروہ اشیا کو بھی دلکش و جاذب بنایا جاتا ہے۔ ایک ہجو گو کے لغات الفاظ ضخیم ہونے چاہیں اور ان میں مزاح کی رو کو سنجیدہ بصیرت سے ہم آہنگ ہونا چاہیے تاکہ قارئین پر غمناک واقعات و حالات کا مایوس کن اثر نہ ہو جیسا کہ دیواروں پر گندے پوشوں اور نقش باتوں کے لکھ دینے سے ہوتا ہے۔ ایک ہجو گو کو بہر حال قارئین کی تسکین اور دلچسپی کے سامان فراہم کرنا ہوتے ہیں۔ بہت سے فنکار تکیل و جمیل مردوں، حسین عورتوں، زرخیز زمینوں اور دوسری مثبت طاقتور عناصر کی مصوری کرتے ہیں کچھ ہی فنکار گندگیوں مثلاً زخم کے پیپ اور گندے نالے کو اپنا موضوع بناتے ہیں۔ لیکن ہجو گو ایسا کرتا ہے، وہ اس سے سبق حاصل کرتا ہے۔ اس کے لیے تاریک گوشوں میں سڑ کر چمکتی ہوئی بدبودار مچھلیاں شگفتہ گلاب سے زیادہ جاذبیت رکھتی ہیں، کسی سبزہ زار میں تیلیوں کے آوارہ ہجوم سے زیادہ توجہ کے مستحق نعش پر جھگڑتے ہوئے حشرات الارض ہیں۔ اسے کسی فاضل کے طریقہ تعلیم اور یری جمال دوشیزہ کے پُر کیف نغموں سے زیادہ کسی عالی مرتبہ کی بے مغز خوشامد اور کسی مرد سیاسی کا کینچلی بد لناد لکش نظر آتا ہے۔ اس قسم کے موضوعات سے ہجو گو محبت و نفرت کے غریب الوضع امتزاج کو ایک فن خاص کی صورت میں پیش کرتا ہے جو ہجو ہے۔

ذیل کے چودہ قطععات و مفردات میں جسمانی نقائص کو فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ

نشانہ ہجو و طنز بنایا گیا ہے (۱)

عمیق بخارائی: (داڑھی نکلنے پر طنزیہ کلام)

آن سبزہ کہ از عارض تو خاستہ شد      تا ظن نبری کہ حسن تو کاستہ شد  
در باغ رخت بہر تماشای دلم      گل بود بسبزہ نیز آراستہ شد

امیر معزی (زلف معشوق)

آن زلف مشکبار بر آن روی چون بہار      گر کوتہ راست کو تہی از او شب مدار  
شب در بہار روی کند سوی کو تہی      آن زلف چون شب آمد و آن روی چو بہار

(1)- Wit, Humour and Fancy of Persia by M.N.Kuka, p. 102-105

واحد نور (ایک آنکھ والا) معشوق:

زان بہم بستہ آن صنم یک چشم  
کہ تفنگ نگہ خطا نکند  
حسن نابینا:

بچشم آن بت زیبا حیا بمرتبہ ایست  
کہ ہیچ چشم ندید است روی مردم را  
مرد آحول:

یاران حذر کنید ز آحول کہ آن نگاہ  
برہر کہ ہیچو تیغ کج افتد دومی کند

معشوق کی آنکھ کا پھولا (ناسور چشم):

مردم آن نازنین از پھولہ شد اندر حجاب  
در میان نرگس او این گل دیگر شگفت

شمس الدین محمد خالد: (خواجہ نظام الملک طوسی کے درد گھیا پر)

گردرد کند پای فلک پیما بیت  
چون از سردشمنت بجان آید درد  
سریت دران عرضہ کنم بررایت  
آید بظلم و قند درپایت

نظامی: (دانت ٹوٹا ہوا معشوق)

آن دانہ در ای صنم حور نژاد  
ماناکہ ببرد پیش دریا بہباد  
کز درج تو بر بود زمانہ بکہ داد  
بنمود باو کہ دژ چین باید زاد

سجری خراسانی: (چیچک رودوشینوہ)

گر بر رخ چون ماہ تو ای جان جہان  
حسنت پنهان نگرود ای ماہ بدان  
از آبلہ چون ستارہ گانت نشان  
ہرگز ز ستارہ مہ نکشتت پنهان

ابوسعید: (درد پائے زن)

گردرد کند پای تو ای حور نژاد  
آن درد منست بر منش رحم آمد  
از درد بدان کہ ہرگزت در مباد  
از بہر شفاعتم بی پای تو فاد

ابوسعید (درد گوش زن):

جانم بلب از لب خموش تو رسید  
گوش تو شنیدہ ام کہ دردی دارد  
وز لعل خموش بادہ نوش تو رسید  
درد دل من مگر بگوش تو رسید  
ابوسعید: (آشوب چشم زن)

گر سرخ شدست چشم آن حور نژاد  
در آئینہ روی خویشتن دید مگر  
از درد بدان کہ ہر گزش درو مباد  
عکس رخس از آئینہ در چشم فتاد  
دوشیزہ الکن:

ز کنت نیست آن مہ را سخن کز دیری آید  
جدای از دہان او سخن را عاری عاید

سلطان تکلش خان خوارزم شاہ نے ایک بار حالت خشم و اضطراب میں لونڈی کا ایک  
دانت توڑ دیا بعد اظہار تاسف میں درج ذیل قطعہ کہلا بھیجا:  
گر شد گہری ز درج نوشینت کم  
صدماہ از اطراف رخت میتابد  
در حسن نکشتہ ہیج تمکینت کم  
گوباش ستارہ ز پروینت کم

پنجم:- رشک و حسد کرنا ایک عام انسانی فطرت ہے شعرا بھی اس سے بری نہیں  
ہو سکتے تھے۔ جب کوئی شاعر کسی دربار میں زیادہ کامیاب ہو جاتا تھا تو دوسرے شاعروں کو  
رشک ہوتا تھا۔ یہ رشک اشعار میں ظاہر ہوتا تھا اور اس طرح شاعرانہ معرکہ آرائیاں شروع  
ہو جاتی تھیں۔ فارسی شعرا کے مناقشات و مشاجرات قلمی اور ان کی مفاخرہ گوئیاں، جنگ  
و جدل، دشمنی اور ہجو و ہزل کی صورت اختیار کر گئیں۔ عام طور پر شعرا کو اپنے مقام فضل  
و دانش اور مراتب شاعری و سخندانہ پر غرور ہوتا تھا اور ہر ایک اپنے کو میدان سخن کا تہا شہسوار  
اور اقلیم شعر و ادب کا صاحبقران شمار کرتا اور دیگر شعرا کو خوان معانی کا ریزہ خوان اور اپنے  
خرمن سخندانہ کا خوشہ چین سمجھتا تھا۔

اس اعتقاد پر ان کا ایمان راسخ ایسا رہا تھا کہ ان کے قلب و روح کو اس کے ذکر  
کے بغیر چین نہیں ملتا تھا اور جب ان کے اس عقیدہ میں جوش و تموج پیدا ہوتا تو اپنے علمی  
تفوق کی تشریح میں قصائد اور اشعار نظم کرتے تھے لیکن دوسرے شعرا اس قدر خود ستائی اور

حماسہ سرائی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور نتیجہ کے طور پر معارضہ و مقابلہ شروع ہو جاتا تھا اور اپنی برتری کو مسلم قرار دینے کے لیے ہر دو فریقین ذاتی ادبی عظمت و سر بلندی کے بیان میں اوروں کو کمتر و کہتر بنا کر پیش کرتے اور تحقیر و استخفاف کو روار کھتے تھے۔ اس اصطکاک اور تصادم کا نتیجہ یہ ہوتا کہ شعرا درندہ گرگوں کی مانند ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور ایسے رکیک و مستحسن اشعار لکھتے اور سب و شتم میں گالی گلوچ تک پہنچ جاتے جن کو نقل کرنے سے زبان و قلم کو شرم آتی ہے۔ فارسی ادبیات کی تاریخ میں اس قسم کے شرمناک قلمی مشاجرات اور شرم آلود خصمانہ مناظرات کی وافر مثالیں ملتی ہیں۔ صوفی منش اور آزاد شعرا نے اپنے دامن کو اس قسم کے خصومت آمیز حاسدانہ جھگڑوں سے آلودہ نہ کیا۔ اس انداز کے ادبی معارضات و مہاجات کی وافر مثالیں درباری اور قصیدہ نگار شعرا کے کلام میں ملتی ہیں۔ عنصری اور غصائری کا معارضہ مشہور ہے۔ منوچہری کو اپنے ایک ہمعصر شاعر سے الجھنا پڑا۔ سوزنی اپنے عصر کے تقریباً تمام شعرا سے دست و گریباں ہو گیا خصوصاً سنائی اور معزی کی بہت سی ہجویں لکھیں۔ انوری بھی سنائی اور معزی سے خوشگوار تعلق نہ رکھ سکا اور ان کی ہجویں لکھ ماری۔ وہ رشید و طواط کے ساتھ بھی دست بہ گریبان ہوا۔ اذیب صابر کو و طواط سے دشمنی تھی۔ خاقانی اس کے استاد ابوالعلی گنجوی اور اس کے شاگرد مجیر الدین بیلقانی اور جمال الدین اصفہانی و اشیر الدین آخسیکی کے درمیان باہم معارضے و معرکے ہوتے رہتے تھے۔

شعرا کی معرکہ آرائیاں ایک طور پر سیاسی بھی کہی جاسکتی ہیں۔ اس لیے کہ سیاست کا تعلق ہماری زندگی کے تمام شعبوں سے ہے۔ معاشی و معاشرتی، اخلاقی و تہذیبی اور ثقافتی و تمدنی کل حالتیں سیاست سے متاثر ہوا کرتی ہیں۔

شعرا اپنے معاش کی خاطر شاہان مملکت، وزرا اور امرا کے درباروں میں قربت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان میں باہم رقابتیں رہا کرتی تھیں اور مقصد بر آری کے لیے بڑی بڑی سازشوں کی بھی بازیگری ہوا کرتی تھی۔

قومی، ملی، نسبی اور مذہبی تعصبات میں کسی خاص قوم و ملک، کسی خاص خاندانی سلسلہ اور ان کے افراد اور دوسرے مذاہب و عقائد کے سالکین اور پیروکاروں کی ہجویں بھی اسی ضمن میں آتی ہیں۔ نسبی افتخار عربوں میں بہت شدید ہے اور ان کی ہجویات کا یہ ایک اہم سرمایہ رہا ہے۔ ایرانیوں میں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔

چھٹی و ساتویں صدی ہجری ایران میں سیاسی انحطاط کا دور رہا۔ ترکوں کے جو رو ظلم، ان کے حملوں اور غلبہ و تسلط نے ان کو متاثر کیا اور شعرائے عصر نے ان کی ہجوئیں کہیں اور جی بھر کر مختلف انداز سے اپنے اشعار میں انہیں مورد لعن و طعن قرار دیا۔ پھر عہد جدید کی شاعری میں بھی اس قسم کی ہجوئیاں فرنگیوں اور دوسری قوموں کی شان میں نظم ہوئی ہیں۔ آئندہ ابواب میں ان ہجوئیاں کا بیان آئے گا۔

اخلاقی انحطاط اور فسادات کے عام ہونے کی وجہ سے تمام ادوار سے زیادہ چھٹی صدی ہجری میں شعرا کی معرکہ آرائیاں روپیہ ہوئیں۔ سوزنی سمرقندی کے دیوان کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ شاعر نمنانہ معروف بہ جلالی کی ہجوئیاں سے آلودہ ہے۔ یہاں پر دو ایک مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ خاقانی رشید الدین و طواط کی ہجوئیں لکھتا ہے (۱):

این گربہ چشمک این سلگ غوری غرک	سگسارک نخشک وزشت کافرک
بامن پلنگ سارک وروباہ طبعک است	این خوک گردنک سلگ دمنہ گوہرک
بودہ سگ رمنده والکون بخت من	شیرک شدہ است وگرگک وازہر دود ترک
خنبک زند چوبوزنہ چنبک زند چوخرس	لین بوزغالہ ریشک پہنانہ منظرک
گردغزالکان وگوزنان بزم شاہ	فحلی کند چوگورخرک گردمادرک
خاقانیا گلہ مکن او از سگان کیست	خودصید، کی کند سلگ، استخوان خورک
سگ عفعنک کند چوبدونانگی دھی	دم لابلک کند بنشیند پس درک
میزان حکمتی ترا بردست زخم	زین شولہ فعل عتربک شوم نشترک

مجیر الدین بیلقانی اپنے دشمنوں کی ہجو اس طرح کرتا ہے:

طبع من کانت و دل دریا و این بی دولتان	چوں کف دریا ہمہ تر دامن و خس پرورند
چوں غرابند ارچہ سرتاسر زبان چوں بلبند	ہم غلافند ارچہ لب تالب دحمان چوب نخرند
لعبت آسا از برون سودر ورون سومردہ اند	لاجرم تعینف لعبت را چو کافر در خوردند
دین ابراہیم شان در دیدہ مسمارست از آنک	ہم دروگر ہم دروغ آور بسان آزرند
تیر من آہ سحر گاہ است و تیغ من زبان	بشکنم صفشان تیغ دتیر اگر صد لشکرند

(۱)۔ شعر و ادب فارسی از زین العابدین مؤتمنص ۱۹۹۔



ہجو موران از پی قتل کمر بستند و باز ریزہ ہای خوان طبع من چو موران میخوردند

ششم:- ممدوحین سے صلہ نہ ملنے کی مایوسی بھی ہجو گوئی کی وجہ ہوا کرتی تھی۔ ہمیں معلوم ہے کہ فارسی کے تقریباً تمام شعرا اور باب سخن مدح گوئی اور شعر و شاعری کے ذریعہ سامان معاش کرتے تھے اور سلاطین، امراء، وزرا اور نخستمان اپنے نام ہی کی تجلیل و بقا کے لیے شعرا کی نوازشیں کیا کرتے تھے۔ جب کسی مرئی شعر و سخن کی شہرت ہوتی تو ایسے عالی قدر ممدوحین کے دربار میں ہر چہار طرف سے شعرا جمع ہونے لگتے شاعری و مدح سرائی کا بازار گرم ہوتا اور مادح و ممدوح دونوں اس معاملہ سے خوش نظر آتے تھے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمیشہ درخت مدح میں گل مراد نہیں کھلتا اور کبھی کبھی شعر اپنے ممدوحین کی تنگ مائیگی اور تنگدلی اور کم حوصلگی کے شکار بھی ہوتے تھے اور ظاہر ہے ایسی صورت حال میں شاعر کے جذبہ غیظ و غضب کو تحریک ہوگی اور شاعر ہجو آرائی کے لیے آمادہ ہوگا۔ شعرا جب ایسے نالائق ممدوحین کی مدح سرائی سے کوئی صلہ نہیں پاتے تو ہجو گوئی میں بھی بے خوف و خطر سخن آرا ہوتے اس لیے کہ مدح کی تحریک طمع سے اور ہجو کا آغاز مایوسی و ناکامی سے ہے چنانچہ انوری کہتا ہے:

غزل و مدح و ہجا ہر سہ ازان می گفتم کہ مرا شہوت و حرص و غضبی بود بہم

جمال الدین اصفہانی اسی خیال کو زیادہ واضح طور پر یوں پیش کرتا ہے:

راستی با این تفضلہا و این انعامہا ہر کہ را ہجوی نلگتم بروی از من منتیست

اور جمال الدین اصفہانی نے ہی ایک شکوائی و حماسی قصیدے میں یہ دو بیت بڑے فصیح انداز میں ادا کیا ہے:

مرا زہر چہ بود مرد را زبان و دلست کزین دولان بزرگی ہی تو ان پیود  
نہ وقت حرمان آن ہیچ را در ادب گفت نہ گاہ بخشش این ہیچ سفلہ را بستود

جب شعرا اپنے ممدوح کی عنایتوں سے محروم رہتے تو ہجو یہ قطعہ میں پہلے اسکی

تہدید کرتے اور کہتے کہ اگر کیسہ نہیں کھولتے اور وعدہ وفا نہیں کرتے تو چینین و چنان ہوگا مثلاً انوری کہتا ہے:

میر یوسف سخن دراز مکش	وقت می بین چگونه کوتاہست
گرچہ مستغنیم ازین سوگند	حق تعالیٰ گواہ و آگاہست
کاین چینین جود گر بخت گیری	نہ سزاوار آن چنان جاہست
راہ آن ہیچکو نہ می نہ روی	کاین جوانمرد بر سر راہست
تا نگوی کہ نیست طالب سیم	کہربا نیز جاذب کاہست
گر توی یوسف زمانہ چرا	دل من ز انتظار در چاہست
ور منم معطی سخن زچہ روی	بعطا نام تو در انواہست
زان چنان پیتہا کہ کسر این ست	کز پی پنج دانگ پنجاہست
حاش اللہ مباد یعنی ہجو	راستی جای حاش للہ است
دوش بتی دو می تراشیدم	خردم گفت: خیز بیگاہست
ہان و ہان بیش ازین نمیگویم	شیر در خشم و رشتہ یکتا ہست
روز طوفان و باد حزم نکوست	خاصہ آزا کہ خانہ خرگاہست

بلاشبہ ان مدح سراویوں کا مقصد مہمان خانوں کے خدمت گزاروں کی تواضع و ادب اور خاطر و مدارات نہ تھی اور چونکہ تمام خدمتیں اور تواضعات انعام و بخشش کی امید میں ہوتے ہیں اس لیے اگر کوئی ان کی توقعات کو پوری نہیں کرتا اور اپنی عظمت کے مطابق اس کے تواضع و تعارف کا جواب نہیں دیتا تو اس کی عزت و آبرو بے آبروئی اور فضیلت میں بدل دی جاتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قصیدہ نگار شعر اپنے ممدوحین کی ذات کو قابل مدح و ستائش نہیں شمار کرتے بلکہ اس کی ملکیت و استطاعت اور اس کے انعام و اکرام کی تعریف کرتے تھے۔ چنانچہ جب ان کی مقصد بر آری نہیں ہوتی تھی تو خدمت کے ساتھ ممدوح سابق کو تمام تر زمانم و نقائص کا مورد قرار دیتے تھے۔ جمال الدین نے اپنے ممدوح سے پوستان طلب کی اور جب اس نے نہ بخشی تو جمال نے ذیل کا تہدید آمیز قطعہ لکھا:

پوستان بخواستیم از تو تا زستان بر سر بریم دران

حرمت ما بر تو بود چنانک  
 حرمت پوستین بہ تابستان  
 بدہ ای خواجه پوستینم ہین  
 پیشتر زانکہ پوستینت ہان

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ شعرا اپنے مدد و حین کی ہجو لکھ کر پشیمان ہوتے اور اعتذار کے لیے تیار ہوتے تھے۔ طیان زاثر خا بد زبانی اور ہجا گوئی میں بہت مشہور شاعر گذرا ہے۔ اس نے اپنے ایک ممدوح کی ہجو لکھنے کے بعد پشیمانی کی حالت میں ذیل کا قطعہ اعتذار یہ لکھا:

سرور ایک سخن اعضا کن و انصاف بدہ  
 خود روانیست کز انصاف کسی در گذرد  
 ہر دم از بندہ برنجی کہ ہجا میگوئی  
 در مدحی بتو آورد عطائی نبرد  
 شاعری گرسنہ در کنج سرا ی خالی  
 از تو آزرده اگر گہ نخورد پس چہ خورد

اور یہ سنائی کے ایک لطیف اور پاکیزہ ہجو کا نمونہ ہے:

خواجه	بفروود	ولیکن	بدرم	روی	بفروخت	ولیکن	زالم
میزبان	بود	ولیکن	برباط	نانم	آورد	ولیکن	بدرم
دست	بکشاد	ولیکن	در بخل	لب	فرو بست	ولیکن	ز نعم
مغز پر	کرد	ولیکن	ز فضول	دل	تہی کرد	ولیکن	ز کرم
خواجه	رنجور	ولیکن	ز فجور	خواجه	مشغول	ولیکن	بشکم
بس	حریصت	ولیکن	بحرام	بس	جواد است	ولیکن	بحرم
دولتش	باد	ولیکن	بر باد	نعمتش	باد	ولیکن	شدہ کم
جاودان	باد	ولیکن	بسقر	ناتوان	باد	ولیکن	بقسم

ہفتم :- کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کدروت و بغض کی کوئی اصلی وجہ نہیں ہوتی جو مناقشت و مشاجرت کو تحریک دے بلکہ شاعر فطری طور پر ہجو و ہزل کی طرف مائل ہوتا ہے یا اس کی اخلاقی پستی اور خصوصیات شخصی اس ناروا عمل کے لیے اسے آمادہ کرتی ہے۔ افسوس ہے کہ بہت سے معروف و غیر معروف شعرا نے بغیر کسی علت و سبب کے خلق خدا کو اپنی تیغ زبان سے خستہ حال رکھا یا کسی معمولی بہانے کر کے تلوار ہجا کھینچ لی اور اس پ فصاحت

کو صحرائے فضاحت میں دوڑایا اور اچھے برے پہلوؤں کو ادھیڑ ڈالا۔ اس سحر میں شعرانے اس تیزی کے ساتھ بے پروا گام زنی کی کہ رفتہ رفتہ اس عمل کے ناقص پہلو اُن کے نزدیک معدوم ہو گئے اور انہوں نے نہ صرف اغیار کو بلکہ نزدیک ترین خویش واقارب اور وابستگان کو بھی تیرہجا کا نشانہ بنائے بغیر نہ چھوڑا۔ عرب شعر میں طرفہ بن العبد اور ہٹینہ اپنے قبیلہ کی مذمت اور اپنے لوگوں کی ہجو گوئی میں مشہور ہیں۔ ایرانی شعر میں بھی انورسی کو اسی صف میں شمار کیا گیا ہے اس لیے کہ اس نے اپنی ماں اور اپنی بیوی کی بھی ہجویں لکھیں۔ لیکن زین العابدین مومتمن مؤلف کتاب ”شعر و ادب فارسی“ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ایسے اخلاقی انحطاط کا تصور کرنا مشکل ہے جو ہمیں اپنے خویش کی ہجو پر کمر بستہ کرے۔ پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ بہت ممکن ہے کہ انورسی کے دشمنوں نے ان اشعار کو نظم کر کے اسے رسوا کرنے کی غرض سے اس کے نام منسوب کر دیا ہوگا۔ لیکن ہمیں ایرانی ادبیات میں ایسی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں جو ان کے اخلاقی انحطاط کے مظہر ہیں اور شعرا کے دوادین ایسی ہجویات سے آلودہ ہیں۔ سوزنی کے دیوان میں ایک ہجو ملتی ہے جو اس نے اپنے بیٹے کے لیے نظم کی ہے:

ای دزد ہجا ومدح دیوان پدر      گویکہ شدم سوار میدان پدر  
من رستم شعرم وتوسہراب منی      از خنجر من جان نبری جان پدر

خاقانی اپنے باپ کی ہجو میں اس طرح قلم فرسا ہوتا ہے:

زین خام قلتبان پدر میدارم      کز آتش آفرید جہاندارش  
ہمزاد بود آزر نمودش      استاد بود یوسف نجارش  
ہم طبع او چوتیشہ تراشندہ      ہم خوبی او برندہ چو منشارش  
روز از فلک بود ہم فریادش      شب با زحل بود ہمہ پیکارش  
مرغ اگر بہ چرخ کیم بودی      حالی بدوختی بدو مسارش  
نقرس گرفتہ چای گران سیرش      اصلع شدہ دماغ سبکسارش  
چون لیقہ دوات کہن گشتہ      پوشیدہ گوشت درتن مردارش  
آبش زروی رفتہ وباد از سر      افتادہ درمتاع گران بارش

منبر گرفتہ مادر مسکینم از دست آن منارہ خونخوارش  
با آنکہ بہترین خلف دہرم آید ز فضل و فطنت من عارش

مذکورہ بالا جتنی محرکات بیان ہوئے ہیں وہ کسی بھی شاعر کے ساتھ پیش آسکتے ہیں لیکن کچھ محرکات ایسے بھی ہیں جو تمام ہجو نگاروں کے لیے موجب تحریک نہیں ہیں۔ ایک رجائی کا انداز فکر قنوطی کے طرز خیال سے جداگانہ ہوتا ہے اور ایک ظریف کا طریقہ بیان و انداز خیال کبھی قنوطی سے میل نہیں کھا سکتا۔ ہجو نگاروں کی ایک خاص جماعت ہے جو عینیت پسند کہی جاسکتی ہے جو نہ صرف اعلان نفرت کر کے خون گرم رکھتے ہیں بلکہ مثبت مشورے بھی دیتے ہیں۔ مثالیں پیش کر کے کسی خاص عمل کی تلقین کرتے ہیں اور ایک آدرش بیان کرتے ہیں مثلاً برا کھانا، قبیح شراب، ناگوار شام اور جانی بوجھی ہتک عزتی کا ذکر کرتے ہیں، کوئی اخلاقی سبق نہیں دیتے بلکہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیتے ہیں تاکہ لوگ اپنا مذاق بدلیں۔

### (د) ہجو کے اقسام (Types of Satire)

فکر و فن کے اعتبار سے ہجو یا ہجا کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اول اخلاقی یا سنجیدہ، دوم رکیک یا غیر سنجیدہ۔

نوع اول کے تحت فارسی ہجویات کی وافر مثالیں ہیں لیکن ان کا بیشتر سرمایہ قسم دوم کے ضمن میں ہی آتا ہے۔ ہجو و ہزل اجتماعی مسائل کے بحث و انتقاد کا طریقہ ہے۔ اگر اس میں حسن نیت اور عفت قلم کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے تو بڑے پسندیدہ اثرات رونما ہوتے ہیں۔ اکثر ایک شعر میں بڑے بڑے اجتماعی مسائل اور اخلاقی فسادات کی تشریح ہو جاتی ہے جو بظاہر مزاح و ظرافت معلوم ہوتا ہے لیکن غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ مسائل کے اساسی نکات کس خوبصورتی سے بیان ہو گئے۔ اگر کسی عہد کے عمومی اخلاق و عادات، اجتماعی آداب اور مفاسد و رذائل کی تحقیق کرنا چاہیں تو ہمیں ہجو پیشہ اور ہزل گو شعرا کے دواوین سے بڑی مدد ملتی ہے۔ ان میں اس قسم کے انکشافات اور توضیحات پوشیدہ ہوتے ہیں۔ فارسی ادبیات میں اور خصوصاً اس کے رسمی اشعار میں تنقیدی فکری بلوغ کی قلت ہے چونکہ تنقید ادبیات عالم کا ایک محبوب اور اہم شغف رہا ہے اس لیے فارسی شعرا کی توجہ کا بھی باعث بنی لیکن وہ اس

میدان میں کامیاب نہ ہو سکے اور نتیجہ کے طور پر ان کی تنقید نے جو اور ہزل کی صورت اختیار کر لی۔ مثنوی مولوی جسے ع:

”ہست قرآن در زبان پہلوی“

تسلیم کیا گیا ہے اور جو بلاشبہ ایک عظیم اخلاقی و عرفانی شاہکار نظم ہے لیکن اس میں ایسی حکایتیں اور تمثیلیں موجود ہیں جو ظاہری طور پر مبتذل اور رکیک ہیں چونکہ مولانا جلال الدین رومی کی پاکیزہ سیرت اور حسن طبیعت مورد تردید نہیں ہے اس لیے ہمیں یہ قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ اس عہد کی معاشرتی زندگی اخلاقی طور پر انحطاط و فساد کی عادی ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ مربیان و معلمین اخلاق بھی عمومی سلیقہ و ذوق کا لحاظ رکھتے ہوئے رکیک و زشت اور کثیف و غیر ادبی طریقہ تربیت و اصلاح کو روار کھتے تھے اور ”دفع فاسد بہ افسد“ کی اصطلاح پر عمل پیرا ہوتے تھے اور درحقیقت ان کا رد عمل ”افسد بہ فاسد“ ہوا کرتا تھا۔ سعدی نے ایک ہزل آمیز تمثیل کے آخر میں ایسا اشارہ کر دینا لازمی سمجھا:

بمزاحمت نگفتم این گفتار ہزل بگذار و جد ازو بردار

سعدی نے جو ہزلیات نظم کی ہے اس سے بھی اس عہد کی اخلاقی پستی اور مذاق کی کثافت کا اندازہ ہوتا ہے گرچہ انہوں نے ہزلیات و مطائبات کے آغاز میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی ہے اور ان فحش ہزلیات کے نظم و ترتیب کا ذمہ دار اپنے عہد کے بعض شاہزادوں کے سر منڈھ دیا ہے۔ کلیات سعدی کا آخری حصہ ”فی الہزلیات و المطائبات“ کے عنوان سے ترتیب دیا گیا ہے۔ آغاز میں یہ عبارت منقول ہے: (۱)

”قال السعدیٰ احرزمنی بعض ابناء الملوک ان صنف لنہم کتاباً فی الہزل علی طریق السوزنی فلم اجبت فہمدونی بالقتل فلاجل ذلك اجبت امرہ وانشدت ہذاہ الابیات وانا استغفر اللہ العظیم۔ ہذا فصل علی طریق الہزل ولا یعینہ الوالفضل لان الہزل فی الکلام کالمح فی العلمام ہذا الکتاب المعطیۃ وباللہ التوفیق“

(کچھ بادشاہ کے لڑکوں نے مجھ سے کہا کہ ہزل میں سوزنی کے طرز پر ایک کتاب لکھ دو میں ان کی باتیں نہ مانتا تھا۔ قتل کی دھمکی دی گئی لہذا یہ اشعار اسی خوف کے تحت لکھے گئے ہیں اس کے لیے خدا سے معافی کا خواہناں ہوں اور یہ فصل ہزل پر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ نظم

(۱)۔ کلیات سعدی مطبعہ نولکشور۔ جولائی ۱۹۸۵ء، ص ۲۵۸

ہے کیونکہ ہزل بھی کلام میں وہی اہمیت رکھتا ہے جو کھانے میں نمک۔ یہ پاکیزہ کتاب ہے اور اللہ کی توفیق سے لکھی گئی ہے)

چند ناقدوں کا قیاس ہے کہ اگر یہ سعدی کی ذاتی افتاد طبع اور میلان خاطر کا نتیجہ نہ ہوتا تو شاہزادوں کے حضور پیش کرنے کے بعد وہ اسے نذر آتش یا سپرد آب کر دے سکتے تھے۔ انہیں اس معذرت کے ساتھ دیوان میں شامل کرنے کی چند ان ضرورت نہ تھی۔ آگے چل کر اس قسم کے کلام کو ضروری شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہزل کلام جد میں وہی مقام رکھتا ہے جو کھانے میں نمک کو حاصل ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انہیں خود بھی اس قسم کے مطائبات نظم کرنے کی خواہش ضرور تھی۔ ان ہزلیات کے مطالعہ نیز سعدی کی زندگی کے حالات سے اس عہد کی اخلاقی پستی کا اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ امرد پرستی اور غیر فطری عشق میں مبتلا تھے لہذا سعدی نے ہزل نگاری کر کے اس عہد کی عوام کے ذہنی تقیش کا بھی سامان فراہم کیا۔ بہت ممکن ہے کہ سعدی معلم اخلاق ہونے کی وجہ سے نقائص و ذمائم کے اصلاح کے بھی متمنی رہے ہوں اور ان ہزلیات سے اصلاحی خدمت ”افسد بفسد“ کے طور پر لینا چاہتے ہوں۔ ”باب الہزلیات والظائبات“ گیارہ صفحات (صفحہ ۲۵۸ تا ۲۶۸) پر محتوی ہے اور حاشیے پر بھی ہزلیات نقل ہوئے ہیں۔ تقریباً پندرہ نہایت ہی مبتذل حکایتیں، چند قطعات اور بیسیوں رباعیات ہیں۔ چند ایک ہزلیات بطور نمونہ پیش کرنے کی جرات کروں گا تاکہ رکاکت و فحاشی کا اندازہ ہو سکے:

حکایت (عارف)

عارفی چشمدل بروی داشت	خاطر اندر رخ لولی داشت
پسری شوخ چشم کشتی گیر	شوخی چشمی کہ بکسلا زنجیر
چند روزش بسعی در سر شد	تا ششی خلوتی میسر شد
دست بردش بسیب مشک آلود	چند نوبت گرفت شفتا بود
خواست تا اندرون شلوارش	در برد تیر تا بہ سوارش
امردی تندخوی بود و درشت	سخن از تازیانہ گفتی و مشت
گفت من تن بہ ننگ درند ہم	روی آزاده بر زمین نہم
لیکن از قانعی بوس و کنار	من غلام توام بیا و بیار

ای درخت جوان و سرو روان  
 پیش بالای دلبرت میرم  
 تن در آغوش داد و واصل شد  
 این چه نا اہلیت و نا مردی  
 چون دو مغز اندرون یک بادام  
 جان حمدان بلب رسید از شوق  
 در کنارش گرفت و در کون برد  
 تاب دستہ درفش غائب شد  
 این چه نا اہلیت و نامردی  
 سخت بازو بزر توان کشتش  
 گفت تا میخ می رود میکوب  
 تا بمنزل برفت و باز آمد  
 برفیقان دیگرش بسپرد  
 شانہ تا بناف در دادند  
 وان دگر دوستی و دلداری  
 کہ بر آمد بر آسمان فریاد  
 کردن سبزہ خوارگان نیلی  
 ماجرای کہ بود برگفتند  
 سر بر آورد تربیت فرمود  
 بیست پارا بس است یک موزہ  
 داروی ریش درد مند آمد  
 ہمہ با ہم موافقت کردند  
 بیت گفتند و بر زدند  
 عاقبت بر زمین نہاد جسمین  
 کیرمی خورد تا بریش آمد

گفت راضی شدم بدین پیمان  
 این قدر بسکہ در برت گیرم  
 این بگفتند و امن حاصل شد  
 گفت ہیہات خون خود خوردی  
 لب بلب بر نہاد و کام بکام  
 دست در گردن آورد بدوق  
 عاقبت سرز حکم بیرون برد  
 صبر مغلوب و عشق غالب شد  
 گفت ہیہات خون خود خوردی  
 درمی چند ریخت در مستش  
 خانہ تسلیم گردشہر آشوب  
 عارف اندر نشاط و ناز آمد  
 پیش یاران و دوستانش برد  
 ہرکش بوسہ بسر دادند  
 این یکی کرد دعوی یاری  
 فتنہ در میان قوم افتاد  
 تا شد از سنگ صعقہ وسیلی  
 پیش پیری قلندری گفتند  
 ساعتی نیک در تفکر بود  
 گفت در کیش اہل در یوزہ  
 جملہ را این سخن پسند آمد  
 سر بحرمان او در آوردند  
 سجدہ کردند ہر یک از طرفی  
 آنکہ پشتش نیامدی بزمین  
 زندہ پوشیدو در حشیش آمد



بعد از آن تو به کرد و استغفار صبر بیچارگان بود ناچار

### حکایت (بخیل)

آن شنیدی که در بلاد شمال  
دختری زشت روی بدخوداشت  
زشت باشد دیتی و دیبا  
باجوانی چو لعبتی سیمین  
شب خلوت که وقت عشرت بود  
نقره اندود بر درست دغل  
پرده زرنگار در برداشت  
فال بد باز کرد طالع زشت  
همه شب روی کرده بر دیدار  
بارها نوعروس جافرسائی  
پسر از بخت خود بر آشفستی  
تومناره زپای بنشانی  
ملک الموتم از لقای تو به  
تا بصریح از شراب فکرت مست  
بامدادان نه جایگاه ستیز  
مدتی صبر بر مجاهده کرد  
عاقبت در ددل بجان برسد  
با پدر زن نمود قصه خویش  
تا با امروز بنده پروردی  
شکر فضلت بسالهای دراز  
گر ثوابی دگر بفرمائی  
زن و مرد از برای آن باشند

بود مردی بخیل صاحب مال  
کز همه چیز جامه نیکو داشت  
که بود بر عروس نازیبا  
عقد بستش به مبلغی کا بین  
عرق و عود کرد و مشک اندود  
عنبر آمیخته بکنده بغل  
تا که از روی بی صفا برداشت  
در دوزخ بروی اهل بهشت  
تا نایست دیدن آن دیدار  
دست در دامنش زدی که درای  
زهر خندان بزیر لب بودی  
شبهوت من کجا بچجبانی  
عقربم گو بزن تو دست منه  
دست لاجول می زدی بردست  
که تحمل کند نپائی گریز  
عمر ضائع دران مشاهده کرد  
نیش فکرت با استخوان برسد  
کی مصالح شناس خیر اندیش  
مهربانی و مردی کردی  
نتوانم بشرح گفتن باز  
پایم از بند غصه بکشائی  
که دلاویز و مهر بان باشند

زحمت ما و خویشتن مپسند  
 جان بابا سخن دراز مکن  
 یا بزندان شوی بعلت مهر  
 متخیر بماند ولی تدبیر  
 مبلغی مردوزن شفیع آورد  
 هر چه گفتند هیچ در نگرفت  
 بحر اندیشه را کناره ندید  
 مهر ازین برگرفت و دردی بست  
 میل در سرمه دان عاجش کرد  
 ناف در ناف و دسته در پادان  
 بند شلوار عصمتش بگست  
 بدرستی زرش دهان در بست  
 چون سرش رفت تا بنجایه چه باک  
 گربه برجست و سفره را بدرید  
 هر دو پایش با آسمان برداشت  
 خاله را نیز شانه برداد  
 مهربانی نمود و غمخواری  
 خانه معلوم کرد و راهش را  
 نیم شمعیش در میان پا برد  
 برووانید و همچنان گردش  
 قنصی الامر کیف ما کانو  
 بد لگای و سرکشی میبرد  
 کیر در کون چون باورش کرد  
 کار او هم بقدر وسع بساخت  
 تاناید ز دیگران رشکش

نه من آسوده ام نه او خرسند  
 سر بر آورد و گفت پیر کهن  
 یا بسازی برنج و راحت دهر  
 چون جوان این سخن شنید از پیر  
 استعانت بکدخدایان برد  
 همکنان را به هیچ برگرفت  
 پای بند بلا چو چاره ندید  
 خواهرش رادل آورد بدست  
 تاشی پای در دو اجش کرد  
 روی بر روی و دست در گردن  
 بعد از آن با برادرش پیوست  
 کودک از کوچکی فغان در بست  
 روی بر خاک و خفته بر افلاک  
 خانه خالی و دنبه فربه دید  
 مادرش بی نصیب هم نگذاشت  
 عمه را نیز شرتی در داد  
 دایه را نیز هم بدلداری  
 تابدانست خوابگاهش را  
 شب آدینه شمعی آنجا برد  
 تابلوغی که بود شاگردش  
 خوابیندش ز لطف برزانو  
 نازک اندام سرخوشی میکرد  
 عاقبت رام چون شورش کرد  
 بعد از آن با کنیزش پرداخت  
 پاره دوغ ریخت در مشکش

خویش و پیوند هر کرا دریافت  
 بوق روئین دران قبیلہ نہاد  
 ہمہ ہمسایگان بدانستند  
 آشنایان و دوستان رقتند  
 بر سر خاکسار دود برفت  
 کیسہای قبالہ حاصل کرد  
 گفت کابین و ملک و رخت جہیز  
 یار درماندہ کین شنید از پیر  
 آب در دیدگان بگردانید  
 گفت یا سیدی و مولای  
 گفت نی نی سخن گو بامن  
 کاندین خانہ از قرابت و خویش  
 ہرچہ ماندہ درین سراوتراست  
 گرشی تا ختن کنی بامن  
 گفت ہرگز منی خطا نکنم  
 یاوران آمدند و انبازان  
 جنگ باہر یک اتفاق افتاد  
 ہمہ را در قفا و روی انداخت  
 ہچو شمشیر قتل در بغداد  
 نہی منکر نمی توانستند  
 حال پیش پدر زلش گفتند  
 در دوکان بہ بست وزود برفت  
 برداماد پہلوان آورد  
 ہمہ پاکت حلال کردم خیز  
 متحیر بماند و بی تدبیر  
 خویشتن در میان شادی دید  
 چہ گنہ کردہ ام چہ فرمائی  
 یا تو باشی درین سراپا من  
 کس نماندست جز من درویش  
 از جفای تو نابکار تراست  
 دیو شہوت کہ گیردت دامن  
 یار دیرینہ را رہا نکنم  
 ہر کس از گوشہ بردتازان  
 عاقبت صلح بر طلاق افتاد

## ہزل

ندیدم امر دسی سالہ چون تو در عالم  
 اگر دودست تو یک ہفتہ بر قفا بندند  
 عجبہای چنین آخر الزمان باشد  
 بہ ہفتہ دگرت ریش تامیان باشد

## دیگر

دیو اگر صومعہ داری کند اندر ملکوت  
 ماس است آنکہ در زمینہ دوستار کست  
 ہچو ابلیس همان طینت ماضی دارد  
 دزد دزد است و گر جامہ قاضی دارد

گلستان سعدی فارسی ادب کا ایک اخلاقی اور تربیتی شاہکار ہے۔ زین العابدین مومتمن سعدی کے کلام کے متعلق یوں قلم فرسا ہوتے ہیں (۱)

”غالب گفتار سعدی طرب انگیز است و طہیت آمیز و کوتہ نظر ان را بدین علت زبان طعن دراز گردد کہ مغز دماغ بیہودہ بردن و دود چراغ بیفایدہ خوردن کار خرد مندان نیست و لیکن بر رای روشن صاحب دلان کہ روی سخن در ایشانست پوشیدہ نماوند کہ در موعظہ ہای شافی در سلک عبارت کشیدہ است و داروی تلخ نصیحت بشہد ظرافت بر آمیختہ تا طبع ملول انسان از دولت قبول محروم نماوند۔“

گرچہ تعلیم و تربیت کا یہ طریقہ نفسیات و روان شناسی کے اعتبار سے مفید و مثبت اثرات پیدا کرتا ہے لیکن نصیحت کی تلخ گوئی میں اس حد تک شکر آمیزی جائز نہیں کہ ادب و ظرافت اور نزاکت و لطافت کے حدود سے خارج ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو اصلاح و تربیت تو کجا موجودہ نیک خصائل میں بھی کمی آنے لگتی ہے۔ وہ اس طرح کہ فساد کے دفعیہ کے لیے زیادہ فاسد دوا کا استعمال کیا گیا ہے۔ عوام کبھی کبھی اس قسم کے کلام سے ترغیب و تحریص کی شکار ہو جاتی ہے اور بجائے اصلاح کے ضلالت و گمراہی کے پھیلنے کا امکان قوی تر ہو جاتا ہے۔

عہد صفویہ کے ایک شاعر محفی رشتی نے رشت کی ان لڑکیوں کو مورد لعن و طعن قرار دیا ہے جو ابریشمی ازار بند بنکر گلیوں میں گھوم گھوم کر فروخت کرتی ہیں۔ قطعہ:

مخفیا دختران خطہ رشت چون غزالان مست میگردند  
و زپی مشتری بہر بازار بند تنبان بدست میگردند  
صبا کا ایک فکاہی قطعہ:

کس گزلک خویش تیز میگرد گفتا دانم چنانکہ تیز است  
گفتم کہ بریش خویشتن زن گر گیر کند بدانکہ تیز است

طرزی افشار عہد صفویہ کا ایک شاعر ہے۔ یہ فارسی شاعری میں ایک طرز خاص کا موجد ہے جس کا نام اس کے قبل سراغ ماتا ہے اور نہ اس کے بعد ہی کسی نے اس کی پیروی کی۔ یہ طرز مزاح و ہزل کی ایک نوع سے متعلق ہے جس میں دستور زبان کے اصول کی خلاف

(۱)۔ شعر و ادب فارسی از زین العابدین مومتمن ص ۲۰۴

ورزی کرنا اور جموع مکسر اور غیر متداول اسما سے فعل کی ساخت کرنا اور فارسی وغیر فارسی کلمات کا انوکھا اور غریب تصرف کرنا اور کھا گیا ہے۔ ذیل کے اشعار اسی قبیل کے ہیں:

پر کردہ ام از مہر تو جیب و بعلینا	دردیدہ من ای کہ بہی از ثقلینا
چشمان تو بادام و لبابت عسلینا	بادام و عسل قیمت از ان یافت کہ ہستند
داریم ز رجلین تو نعم لبدلینا	گردست تو برگردن اغیار بطوقند
از محتسب و قاضی و دزد و دغلینا	شب با تو کشم بادہ گلرنگ و نخونم

### دیگر

آن زلف کہ ہست چون کندا	ای کاش	بکلم	افکندا
این مغ بچگان بعشوه ترسم	از کعبہ	بدیرم	آوردنا
دیدم بقلم رو سرنیش	کوہی کہ	بموی	میکشندا

### دیگر

زہی ذکر لعل تو نعل مجالس	چراگاہ	آہوی	چشمت	زراگس
غلام غلام غلامت گراجی	کنیز	کنیز	کنیزت	چراکس

### دیگر

مبادا کہ از ما ملولیدہ باشی	حدیث	حسودان	قبولیدہ	باشی
برو طرز با زلف خوبان بچگت	زمانی	درافتد کہ	پولیدہ	باشی

فارسی شاعری میں دشنام آمیز نظموں اور ہجو قبیح کی فراوانی ہے اس کی وجہ ان کے فنی باوغ اور پختگی کی کمی ہے۔

ہجو نگاری میں دو منازل سے گذرنا ہوتا ہے۔ پہلے انسانی کردار یا کبھی کبھی آفاقی کردار کی تنقید پیش کرنے کا منصوبہ بنایا جاتا ہے اور پھر ہجو نگار اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہناتے وقت اس کا لحاظ رکھتا ہے کہ وہ قارئین کی تفہیم سے بلند تر نہ ہوں اور ایسے ہوں کہ ان

کے ذہنوں میں محفوظ رہ سکیں اور اس کا فن آفاقیت حاصل کر سکے۔ پیغام رسانی میں طرز ادا اور نوع ادب کے انتخاب کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ذہنوں میں محفوظ کرانے کے لیے نکتہ سنجی اور ایجاز و اختصار کے طریقوں سے کام لیا جاتا ہے اور بڑی ذہنی کاوش کرنا ہوتی ہے تاکہ فن کو قبول عام حاصل ہو سکے۔ ایک ہجو نگار کو قارئین سے ہمدردی اور دشمن اور مورد الزام سے نفرت و حقارت ہونی چاہیے۔ اور اسے پر جوش، مبالغہ آمیز اور خطیبانہ طرز کلام اختیار کرنا چاہیے۔ خطیبانہ انداز بیان اور طریقہ تکلم سے عوام کے دلوں پر حکمرانی کی جاسکتی ہے اور پھر تخریبی اور انتقام آمیز جذبات پر قابو بھی پایا جاسکتا ہے۔ ہجو کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار اسی طریقہ کار کے چابکدست استعمال پر منحصر ہے۔

ہجو کی اساس تنقید ہے اور تنقید کو ایک بے لاگ رائے زنی کہا جاسکتا ہے۔ جذبات اور طباعی کو احساس کے تاریک گوشوں سے علیحدگی اور آفاقیت حاصل کرنے میں بے شمار مراحل طے کرنا ہوتے ہیں اور اس حالت میں ہجو اصل تنقید ہو جاتی ہے۔ اپنے آغاز میں ایسے جذبات کا اظہار دشنام اور سرزنش کہلاتا ہے۔

ایرانیوں کے یہاں جذبات اور طباعی کی اس آفاقیت کی کمی پائی جاتی ہے۔ ان کے یہاں ذاتی منافرت اور منفعت کے علامات ان کی ہجویات سے نمایاں ہوتے ہیں بلکہ یہ اپنی ابتدائی منزلوں میں دشنام آمیز ہی ہوتے ہیں۔

دشنام کے دو حصے ہیں۔ ایک ہجو کی سرحد میں ہے اور دوسرا اس سے خارج۔ مثلاً حکومت کے کسی رویہ پر گالی دینا یہ عام دشنام ہے ہجو نہیں۔ دشنام آمیز ہجو میں بلا واسطہ خلوص کی فراوانی کا اظہار ہوتا ہے اس میں ہجو گو کے احساسات میں پیچیدگی، بالواسطگی اور علیحدگی ہونی چاہیے۔ فارسی ہجو یہ ادب اور خصوصاً ہجو یہ شاعری میں اس قسم کی قبیح اور دشنام آمیز ہجو کی بڑی فراوانی ہے جس میں ہجو نگار اپنے جذبات سے علیحدہ نہیں نظر آتا اور بلا واسطہ حملے کرتا ہے۔

ذیل میں کچھ معقول اور اخلاقی ہجویات کی مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔ سعدی نے نش دوز کے جملہ زفاف کا واقعہ بیان کیا ہے:

پیر مردی لطیف در بغداد      دخترش را بلفش دوری داد  
مرد کی سنگدل چنان بمکید      لب دختر کہ خون از و بچاید

بامدادان پدر چنان دیدش  
 کہ ای فرومایہ اینچہ دندانست  
 بمزاحت نالغتم این گفتار  
 خوی بد در طبیعتی کہ نشست  
 پیش داماد رفت و پرسیدش  
 چند خالی لبش نہ انبانست  
 ہزل بگذار و جد ازو بردار  
 ندهد جز بوقت مرگ از دست

حکایت ذیل میں سعدی نے شادی کے اہم موضوع کو مورد توجہ قرار دیا ہے اور فریقین کی عمر کے عدم تناسب کی تنقید کی ہے:

شنیدہ ام کہ درین روز ہا کہن پیری  
 بخواست دختر کی خوب روی گوہر نام  
 چنانکہ رسم عروسی بود تماشا بود  
 کمان کشید و نزد برہدف کہ نتوان دوخت  
 بدوستان گلہ آغاز کرد و حجت خواست  
 میان شوہر وزن جنگ و فتنہ خاست چنان  
 پس از خلافت و شہت گناہ دختر چیست  
 خیال بست کہ پیرانہ سر کہ گیرد جفت  
 چو درج گوہرش از چشم دیگران بہفت  
 ولی بحملہ اول عصای شیخ بخت  
 مگر بسوزن فولاد جامہ ہنگفت  
 کہ خوان و مان من این شوخ دیدہ پاک برفت  
 کہ سر بشنہ و قاضی کشید و سعدی گفت  
 ترا کہ دست بلرزد گہر چدانی سفت

انوری کا ایک نکاحی قطعہ:

من و سہ شاعر و شش درزی و چہار دبیر  
 دبیر و درزی و شاعر چگونہ جنگ کنند  
 اسیر و خوار بماندیم در کف دو سوار  
 اگر چہار دہ باشند در چہار ہزار

ایک صاحب قدر و محترم شخص کی بخالت کے بیان میں صبا کا قطعہ ذیل بہت ہی

دلچسپ ہے:

دی بر سر خوان کرم خواجہ نشستم  
 از قرصہ نانش چو کی لقمہ شکستم  
 خادم ہشتاب آمد و بگریست بزاری  
 این لقمہ خدا را بگذار از کف و بگذر  
 این زمزمہ افسانہ زاغ است و جگر بند  
 از روی غضب خواجہ بسویم نظر افگند  
 کای میر مبارک قدم ای پیر خردمند  
 از خون من و خون خود و خون خداوند

قاضیوں کی ہجو میں ایک قطعہ انتقادی:  
 بگلپایگان رفت شخصی زار دو  
 قضا را خری داد و بستد قضارا  
 کہ قاضی شود صدر راضی نمیشد  
 اگر خرنمی بود قاضی نمیشد

قاآلی نے ماہ رمضان کی صفت و خوبی بیان کرتے ہوئے ایک ریاکار، خود بین و خود پرست عابد کی خوب ہی دھجی اڑائی ہے۔ قصیدہ کے منتخب اشعار خالی از لطف نہ ہوں گے۔

ماہ رمضان آمدای ترک سمن بر  
 و آن مصحف فرسوده کہ پارینه ز مجلس  
 باز آروبدہ تاکہ بخوانم دوسہ سورہ  
 می خوردن این ماہ روانیست کہ این ماہ  
 در روز حرامست باجماع ولیکن  
 بیش از دوسہ ساغر نتوان خورد کہ تا صبح  
 یا خورد بدان گونه باید کہ زمستی  
 من مذہم اینست ولی وجہ میم نیست  
 ناچار من و مصحف و سجادہ و تسبیح  
 دی و اعظگی آمد در مسجد جامع  
 تحت الحنکی از بردستار فلگندہ  
 داغی بکبین برزده از شاخ حجامت  
 چشمیش بسوی چپ و چشمی بسوی راست  
 ز انسان کہ خرامد بر سن مرد رسن باز  
 در محضر عام آمد تجدید وضو کرد  
 وز آب بینی زدن و مضمضہ او  
 باری بہ شبستان شد و در صف نخستین  
 فارغ نشدہ خلق ز تسلیم و تشہد  
 وانگہ بسرگردن وریش و لب و بینی

بر خیز و مراسمہ و سجادہ بیاد  
 بردی بشب عید و نیادردی دیگر  
 غفران پدر خواہم و آمرزش مادر  
 فرمان خدا دارد و یرلیغ پیمبر  
 رندانہ توان خورد بشب یکدوسہ ساغر  
 بولیش رود از کام و خمارش رود از سر  
 تا شام دگر برنتوان خاست ز بستر  
 دین کار نیاید بجز از مرد توانگر  
 دان در دشبان روزی و آن ذکر مقرر  
 چون برف ہمہ جامہ سفید از پاتا سر  
 چون جیب افتق از برگردون مدور  
 کاین جای سجود است بہینید سراسر  
 تا خود کہ سلامش کند از منعم و منظر  
 آہستہ خرامیدی موزون و مؤقر  
 زان سان کہ بود قاعدہ در مذہب جعفر  
 گرمی بدہم شرح دراز آید دفتر  
 بنشست و قرآن خواند بکباند ہی سر  
 برجست چوبوزینہ و بنشست بہ منبر  
 بس عشوہ بیادرد و چنین کرد سخن سر



کای قوم سر خار بیابان کہ کند تیز  
 آن گرز گرازا کہ سپردہ است بخشش  
 بر جیب شقائق کہ نہد تلمہ یا قوت  
 القصہ بترسید ز غوغای قیامت  
 وان بعرہ بزرا کہ کند گرد بہ معبر  
 وان قامت موزون ز کجایافت صنوبر  
 بر تارک زرگس کہ نہد قاب مز عفر  
 فی الجملہ پرسید زہنگامہ محشر

ناصر شمس غزنین کے مشاہیر شعرا میں تھا۔ ہزل کا دلدادہ تھا۔ لوگ اس کی ہجو گوئی سے ڈرتے تھے اور اس کی عزت کرتے تھے۔ ذیل میں اس کی ہجو گوئی کے چند نمونے نقل کیے جاتے ہیں: (۱)

پدرش گر بنانش دست برد  
 پدرش گر بخوانش در نگرد  
 بشکند خورد ناخنان پدر  
 برکشد چست دید گان پدر

آنچه سرمای بخل خواجہ کند  
 از بخیلی کہ ہست کیرش را  
 مہ دی درون دمہ نکند  
 بگس زن درون ہمہ نکند

ہر گہ کہ درایم زدر حجرہ خواجہ  
 ترسد کہ فروریزد کیر از در کونش  
 از بہر من آن غر بر پای نباشد  
 چند آنکہ دران حجرہ مرا جائی نباشد

این قوم رانگہ کن در خون یکدگر  
 قومی سیفعلون و گروہی سیجعلون  
 برخاستہ ہمہ بشی خون یکدگر  
 کردند پارہ پارہ ہمہ کون یکدگر

مجدالدین ہمگر رباعی گو شاعر تھا لیکن اس صنف سخن کے دوسرے استادوں مثلاً خیام اور ابو سعید آبی الخیر وغیرہ کی رباعیوں کے برعکس ہمگر کی رباعیوں میں صوفیانہ اور فلسفیانہ مضامین کی بحث کم ہے اور اشیائے خارجہ اور اشخاص کی زیادہ۔ بعض تو محض فاحش ہجویات ہیں۔ مثلاً:

آن مادر شوم فرج چون زاد ترا  
 و آن دایہ خوک خوار سکبان بغذا  
 از گنجہ تا بخار فرستاد ترا  
 شیر سگ و خون خوک میداد ترا

(۱)۔ لباب الالباب عونی جلد نمبر ۲ ص ۲۹۷۔

ذیل میں ہنجر کی ایک اور ہتک آمیز رباعی نقل کی جاتی ہے۔ لیکن یہاں بھی حسب سابق مخاطب کا کوئی پتہ نہیں چلتا:

ای دیدن خوک پیش دیدار تو خوب      باچہرہ تو بوزنہ معشوق قلوب  
از روی تو خوی تو بسی زشت تراست      بازشتی خوی تو روی تو خوب

(ہ) ہجو اور مزاح یا ظرافت و طنز (Satire and Humour & Irony)

انسانوں کو ایک ہنسنے والا جانور کہا گیا ہے۔ یہ گرچہ پوری حقیقت نہیں لیکن انسان کی ایک اہم خصوصیت ضرور ہے اور صرف انسان ہی کو یہ خصوصیت عطا ہوئی ہے۔ سنجیدگی کائنات کی ازلی وابدی خصوصیت ہے اور اس کے تمام اجزا میں سرایت کر چکی ہے۔ کائنات کا ہر واقعہ اور زندگی کے تمام شعبے اور زاویے سنجیدگی کے ذریعہ ہم آہنگ ہیں اور انسانوں کا ایسی سنجیدہ کائنات میں سنجیدہ کاوشوں اور ٹھوس تعمیری کارناموں میں یکسر منہمک ہو جانا ایک فطری امر ہے۔ لیکن زندگی کی بے رحم سنجیدگی اور ماحول کی ٹھوس مادیت انسان کے احساس مزاح کی شدت سے پگھل کر لچیلی اور ملائم ہو جاتی ہے۔ مزاح کے یہ احساس اور اس کے مظہر یعنی تبسم، ہنسی اور قہقہہ ہی دراصل ہمیں اس سنجیدہ کائنات میں زندہ رکھنے کے ذمہ دار ہیں اور ان ہی کے سہارے ہم زندگی سے سمجھوتہ کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ انسان کا احساس مزاح ایک دوسری طرح سے بھی زندگی کے بارگراں کو سبک تر کرنے کا کام کرتا ہے وہ اس طرح کہ انسان کائنات میں سب سے بڑا خواب پرست واقع ہوا ہے اور اپنی امنگوں اور تمناؤں سے ہمیشہ ہوائی محلوں کی تعمیر کرتا رہتا ہے جن کی بنیاد محض خوابوں پر قائم ہے۔ مزاح پیدا کرنے میں ان سے خوب مدد ملتی ہے۔

قدرت کا کرم ہے کہ ہر آدمی رونے اور ہنسنے پر مجبور ہے۔ زندگی کے لیے دونوں بے حد ضروری ہیں اور ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ پہلے کون پیدا ہوا اور بعد میں کون؟ اس کا فیصلہ کرنا مشکل کام ہے۔ یہ عام خیال کہ رونے کے لیے بھی خوشدلی کی ضرورت ہے، مسئلہ کو سلجھانے میں بڑی مدد کرتا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ بغیر خوشدلی کے گریہ و بکا بھی تشنہ رہ جاتا ہے۔ دنیا ہنسنے کے مقابلے میں رونے سے گریز کرتی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ

ہنسنے کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر خوشی دنیا سے اٹھ جائے تو انسان کا جینا ناممکن ہو جائے گا۔ انسانی تخلیق کے واقعات و حالات پردہ خفا میں ہیں کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا۔ محض قیاس آرائی ہی ہماری معاون ہو سکتی ہے اور چونکہ خیال آرائی کے پس پشت عقل و نفسیات کا شائبہ بھی ہے لہذا قیاس آرائی بے بنیاد نہیں اور بغیر تاریخ و تحریر کے بھی یہ بات قابل قبول نظر آتی ہے کہ ہنسنے کی ابتدا آدمی نے اس وقت کی جب وہ تہذیب و تمدن سے بیگانہ تھا، ہنوز وہ حجری عہد میں بھی قدم نہ رکھ سکا تھا اور تلاش معاش میں جنگلوں جنگلوں و وحشی انداز میں مارا مارا پھرتا تھا، فطرت کی گود میں پرورش پاتا تھا اور قدرت ہی اس کی محافظ بھی تھی۔ وہ اپنے دشمنوں سے نبرد آزما ہوتا تھا یہ دشمن اس کے ہم جنس بھی ہوا کرتے اور کبھی جنگلی درندے بھی۔ جب دشمن پر فتح پاتا تھا تو چاہے اس کے پاس معنی خیز الفاظ رہے ہوں یا نہ رہے ہوں وہ خوشی کے نعرے لگاتا تھا اور دشمن کو مغلوب اور اپنے کو غالب دیکھ کر شادمانی کے ساتھ زور زور سے ہنستا تھا اور دوسرے لوگ بھی اس کی ہمت افزائی کرتے تھے۔

ہنسی کے پس پشت غرور، تذلیل، تضحیک وغیرہ کے ملے جلے جذبات ہوتے ہیں۔ گویا ہنسی کی ابتدا وحشیانہ اور جارحانہ اقتدار پر قائم ہوئی جو صدیوں بعد شایستہ و مہذب بنی۔ پھر ہر مہذب سوسائٹی کے لیے ہنسا ہنسانا ضروری سا ہو گیا یہاں تک کہ بزرگان دین کی بھی پسندیدگی کا باعث ہوا۔ چنانچہ مزاح المؤمنین ایک مخصوص و مقبول ذہنیت و ذکاوت کی علامت سمجھی گئی۔

ہنسی کی ارتقا میں جو کچھ انسانوں نے محنت کی وہ تمدن کا قابل قدر کارنامہ ہے۔ لیکن اگر ہنسی میں بذات خود ترقی کرنے کی صلاحیت نہ ہوتی تو اس کی گیرائی اس پایہ تکمیل کو نہ پہنچتی کہ اس کو آدمی کا جوہر خاص سمجھا جائے اور دوسری مخلوق سے تمیز کرنے میں انسان کی شناخت کے لئے تسلیم کیا جائے کہ وہ صرف حیوان ناطق نہیں بلکہ ہنسنے والا جانور بھی ہے۔ علاوہ اور خصوصیات کے ہنسی ایک فعل متعدی کی صفت سے متصف ہے۔ کسی کو ہنستے دیکھ کر دوسرا شخص بھی ہنسنے لگتا ہے اور اس ہنسی میں کچھ دیر کے لیے ہی سہی غم دنیا بھول جاتا ہے۔ ذہنی خلفشار کی شدت خود بخود زائل ہو جاتی ہے۔ کشاکش سے نجات کا احساس ہوتا ہے بلکہ کچھ دیر کی ہنسی ایسی تازگی بخش دیتی ہے کہ غم دنیا کو برداشت کرنے کی از سر نو قوت آ جاتی ہے۔ انسان اپنی الجھنوں کو حال کی وقتی مسرت سے مستقبل قریب میں مردانہ وار برداشت کرنے کی طاقت محسوس کرتا

ہے۔ گریگ (Greig) کہتا ہے کہ ”ہنسی خاص طور پر عظیم مسرت یا خوشی کا اظہار معلوم ہوتی ہے: (۱)۔“

" Laughter seems primarily to be expression of major joy or happiness."

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ہنسی اس وقت وجود میں آتی ہے جب ہم فرط مسرت اور فرحت و انبساط سے مجبور ہو کر اس کا اظہار کرتے ہیں۔ ہنسی ایک حیاتیاتی تعیش ہے جس کا دار و مدار ہماری استہزائیہ حس پر ہے۔ چونکہ ہماری استہزائیہ حس میں متحرک ہونے کا بے پناہ صلاحیت پوشیدہ ہے لہذا ہماری ہنسی آس پاس کے لوگوں کی استہزائیہ حس میں تحریک کی روح پھونک دیتی ہے اور پھر ہنسی ایک متعدی مرض کی طرح ہر سمت پھیلنے لگتی ہے۔ کونسٹر (Koestler) نے اسے ایک اضطراری عمل سے تعبیر کیا ہے اور اسے بے ساختہ اور غیر ارادی بتاتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اکثر ایسی ہوتی ہے کہ دبائی نہ جاسکے۔ پھر وہ ہنسی کے تعیشاتی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے کہ ہنسی اگر تعیش ہے تو یہ ایک لازمی تعیش ہے۔ اگر ہنسی کو اس کے اجزائے ترکیبی کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ خود کار اضطراری قسم کے فعل سے متعلق نظر آتی ہے۔ کونسٹر کی نظر میں یہی وہ بے حد نمایاں خصوصیت ہے جو مظاہر مزاح اور اس کے دوسرے ہم نوع مثلاً فن اور فلسفہ کی تعیشاتی دل چسپیوں کے درمیان امتیاز پیدا کرتی ہے۔

مختصر یہ کہ ہنسی نہ صرف افراد کو باہم مربوط ہونے کا سہرا موقع عطا کرتی ہے بلکہ ہر اس فرد کو نشانہ تمسخر بھی بناتی ہے جو معاشرے کے مروجہ قوانین و ضوابط سے انحراف کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ یعنی ہنسی ایک ایسا آلہ ہے جن کے ذریعہ معاشرہ ہر اس فرد سے انتقام لیتا ہے جو اس کے ضابطہ حیات سے بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ سماجی نقطہ نظر سے ہنسی کا یہ پہلو بے حد اہم ہے کیونکہ اس کی بدولت معاشرہ بیشتر بیرونی مضر اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ برگسمان نے ہنسی کے متعلق بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خواہ یہ کتنی ہی بے ساختہ معلوم ہو، ہنسی میں دوسرے حقیقی یا خیالی ہنسنے والوں سے ایک قسم کے خفیہ جذبہ اخوت حتیٰ کہ سازش کا بھی پہلو ہمیشہ نمایاں ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ہنسی کے اسی سماجی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے برگسمان کہتا ہے

(1) - The Psychology of Laughter and Comedy by I.Y.T. Greig, p.37

(2) - Insight and Outlook by Arthur Koestler- pp. 9 and 10.

کہ ہنسی کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس کے قدرتی ماحول یعنی معاشرہ قدیم میں دیکھنا ہو گا اور سب سے بڑھ کر اس کے مقصد کی افادیت کو متعین کرنا ہو گا جس کی حیثیت سماجی ہوتی ہے۔

ہنسی عموماً عدم تکمیل، ناہمواری اور بے ڈھنگے پن کے احساس کا نتیجہ ہے۔ ادب میں انسان کے تمام دماغی اوصاف اور اس کے سارے حواس کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ ہنسی بھی ایک انسانی خصوصیت ہے اور زندگی کی ناتمامی اور عدم تکمیل کا نتیجہ ہے اس لیے ادب میں اس کا بھی وجود ناگزیر ہے۔ ادب، زندگی اور زندگی کے ہر شعبے، زندگی کے نشیب و فراز اور زندگی کے محاسن و معائب کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہنسی بھی انسانی زندگی کا ایک اہم عنصر ہے۔ اس لیے ادب ہنسی کا بھی ترجمان ہے۔ زندگی کے تمسخر انگیز پہلو کی عکاسی ادب میں اسی قدر ضروری ہے جس قدر زندگی کے رقت انگیز پہلو۔ زندگی میں روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی، خوشی بھی ہے اور غم بھی۔ ادب اس خوشی اور غم، اس روشنی اور تاریکی اور اس ہنسی کا آئینہ دار ہے۔

جس ہنسی کی بنیاد غیر مستحسن جذبات پر سمجھی گئی ہے اس کے بطن سے ظرافت اور اس سے متعلق اجزا کی پیدائش بھی ہوتی رہی ہے۔ طنز، ہزلہ سخی، پھبتی، فقرے بازی وغیرہ سب اسی ہنسنے اور ہنسانے کی مختلف صورتیں یا علامتیں ہیں۔ ظرافت کتنے ہی معصوم انداز میں آئے مگر کسی ذات پر ہنسا مقصود ہوتا ہے۔ ہنسنے والے خوش ہوتے ہیں مگر جس پر مذاق کا نشتر لگایا جاتا ہے اس کے دل سے پوچھیے تو باوجود ظاہری اظہار مسرت کے بہ باطن وہ روتا ہو گا۔ گویا اس ترقی یافتہ صورت میں بھی ظرافت دل آزاری سے باز نہ آسکی۔ یہ اور بات ہے کہ جارحانہ انداز نے شرافت کا بھیس بدل لیا ہو اور دل شکنی جمہوری شعور اور مذاق عام میں شدت نہ محسوس ہونے دے اور دکھ درد کے باوصف مجروح شخص اس کو خندہ پیشانی سے برداشت کر کے اپنے کو مجلسی ہونے کا ثبوت دے۔

ہنسنے کی ابتدا جیسے بھی ہوئی ہو لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ اس کا دائرہ اور بنیاد، دونوں ارتقائی منازل میں متغیر ہوتے رہے۔ صرف دشمن پر کشت و خون سے فتح یابی ہنسی کا واحد سبب نہیں رہا بلکہ مختلف و متعدد وجوہ نئے بھیس میں ہنسنے ہنسانے کا سرمایہ بنتے رہے۔ اس کی بنیاد تضحیک و تذلیل پر قائم ہوئی لیکن تدریجی نشوونما سے بعد میں ہنسا اصلاح و تربیت کا ذریعہ بھی بن گیا۔ اکثر مقامات پر ہمدردی اور بھی خواہی کی بھی جھلک ہنسی میں نظر آنے لگی اس ہنسی کو برقرار رکھنے کے لیے تقریر، تحریر، عمل، صورت الفاظ، حرکات و سکنات وغیرہ کا سہارا لیا گیا

یہاں تک کہ ہنسی رفتہ رفتہ فنون لطیفہ کی حد میں داخل ہو گئی۔ مثلاً طربیہ بن کر ڈرامہ کی جان بن گئی اور ادب کے محاسن میں اس کا شمار ہونے لگا۔

ہنسنے ہنسانے نے انسان کے جس شعور کو بلندی عطا کی اس کا تقاضا تھا کہ اس کو قائم رکھنے اور آگے بڑھانے کے لیے ظرافت کو علمی و ادبی سانچے میں ڈھالا جائے۔ موقع و محل کے لحاظ سے الفاظ و لہجہ کا اس طرح پیش کرنا کہ مجلس ہنس پڑے اور بے ادبی سے احتراز کرتے ہوئے ادبی جملوں سے مجلس زعفران زار بن جائے، مستقل ایک فن بن گیا۔ مزاح (Humour) کے سلسلہ میں البرٹ راپ (Albert Rap) نے جو کچھ کہا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ مزاح کے تبسم میں ترحم شامل ہوتا ہے، جس پر وہ طعن کرتا ہے اس سے اس کو ہمدردی ہو جاتی ہے۔ یہی مصنف آگے چل کر کہتا ہے کہ مزاحیہ ہنسی میں محبت کے جزو کو غالب ہونا چاہیے (۱)

میکس ایسٹ مین (Max Eastman) نے مزاح کو مختلف زاویے سے دیکھا۔ اس کا خیال ہے کہ مزاح لہو و لعب کا نام ہے اور یہ محفوظ ہونے کے مترادف ہے۔ اس کا کوئی افادی پہلو نہیں صرف یہ کہ لہو و لعب کے افادات اس میں مضمحل ہیں (۲)۔

جیمس سلی (James Sully) مزاح کو اصلاح کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ سنجیدہ مزاح کا کام خندہ زن ہو کر خود اصلاحی کے تمام مراحل کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔ وہ کہتا ہے (۳)۔

" A philosophic humour is to complete the process of a laughing self correction."

مزاح کا تعلق ذہنی تخلیق سے ہے۔ یہ ایک خاص ذہنی عمل ہے۔ ذہن جس قدر بالیدہ ہوگا احساس مزاح اتنا ہی شدید اور رنگ مزاح اتنا ہی گہرا ہوگا۔ پختہ ذہن کا کام حالات کا صحیح ادراک کرنا ہے۔ احساس مزاح کی ہمہ گیری مسلم ہے۔ یہ زندگی کے تمام شعبوں پر مبنی ہے۔ اسٹیفن لی کاک (Stephen Leacock) نے مزاح پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ اپنی انتہائی بلندی پر پہنچ کر مزاح پُر وقار بن جاتا ہے اور درد کا رنگ قبول کر لیتا ہے۔ یہ

(1)- Origin of wit and Humour by Albert Rap.

(2)- Enjoyment of laughter-p.15

(3)- An Essay on Laughter-p.403

انسان کے لیے غم اور غم سے مطابقت پیدا کر لینے کا حامی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: (۱)

"Humour in highest reach touches the sublime.

Humour in its highest reach mingles with pathos, it voices sorrows for our human lot and reconciliation with it."

ایسٹ مین نے مزاح کے دو پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے نزدیک مزاح کے اپنے دو قوانین ہیں اور وہ انہیں دو قوانین کے تحت اثر انداز ہوتا ہے۔ پہلا اصول یہ ہے کہ کسی بھی چیز میں محظوظ کرنے کی صلاحیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب ہم خود محظوظ ہونا چاہتے ہوں۔ ہمارے مزاح کے پس پردہ کوئی سنجیدہ خیال یا مقصد بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ ہم میں محظوظ ہونے کی کیفیت جتنی ہونی چاہیے اس کے نصف ہونے پر بھی ہم محظوظ کرنے کے اہل ہو سکتے ہیں مگر جب ہم محظوظ ہونا نہیں چاہتے ہوں تو مزاح بھی بے اثر ہوگا۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ جب ہم پر محظوظ ہونے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو قدرے عجیب انداز میں منتقل ہونے لگتی ہے۔ خوشگوار چیزیں خوشگوار ہی رہتی ہیں لیکن ناگوار چیزیں جب تک کہ وہ اس حد تک ناگوار نہیں ہو جاتیں کہ خود حظ ہی کو ختم کر دیں ایک خوشگوار جذباتی چاشنی حاصل کرنے اور ہنسی کو تحریک میں لانے کی سعی کرتی رہتی ہیں۔ امانول کینٹ (E. Kant) کا خیال ہے:

" Ludicrous is, an affection arising from the sudden transformation of a strained expectation into nothing."

اس نظریہ کی وضاحت اس طور پر ہو سکتی ہے کہ ہنسی حقیقت اور تخیل کے مابین ناہمواری کے وجود کو اچانک محسوس کر لینے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ناہمواری جتنی خلاف توقع ہوگی ہنسی اتنی ہی شدید ہوگی۔ مزاح اور ہنسی اصلاً تضحیک اور تباہی پر مبنی تھے لیکن اب ناہمواری اور عدم تکمیل پر مبنی ہو گئے ہیں۔ مزاح کی تعریف اسٹیفن لی کاک نے ان الفاظ میں کی ہے:

"مزاح کیا ہے؟ یہ زندگی کی ناہمواریوں کے اس ہمدردانہ شعور کا نام ہے جس کا فنکارانہ اظہار ہو جائے۔"

"Humour may be defined as the kindly contemplation of the incongruities of life, and the artistic expression thereof" (2)

(1)- Humour and Humanity -p 232

(2)- Homour and Humanity -p.15

مزاح کی یہ توضیح دراصل مزاح کی تخلیق سے متعلق ہے اور اس بات کا انکشاف کرتی ہے کہ مزاح نگار اپنی نگاہ دور بین سے زندگی کی ان ناہمواریوں اور مضحک کیفیتوں کو دیکھ لیتا ہے جو ایک عام انسان کی نگاہوں سے اوچھل رہتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان ناہمواریوں کی طرف مزاح نگار کے رد عمل میں کوئی استہزائی کیفیت پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ ان سے محظوظ ہوتا اور اس ماحول کو پسند بھی کرتا ہے جس نے ان ناہمواریوں کو جنم دیا ہے۔ چنانچہ ان ناہمواریوں کی طرف اس کا زاویہ نگاہ ہمدردانہ ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ مزاح نگار اپنے تجربے کے اظہار میں فنکارانہ انداز اختیار کرتا ہے اور اسے سپاٹ طریقے سے پیش نہیں کرتا۔ لیکاک کی رائے میں خالص مزاح کی پیشکش ان تینوں عناصر کی رہن منت ہے۔

ہجو اور مزاح میں فرق: اس توضیح سے معلوم ہوا کہ مزاح نگار جس کا مستحکم اڑاتا ہے اس فرد کے ساتھ ذہنی بازیگری میں شریک ہو جاتا ہے اور اس سے محظوظ ہونے لگتا ہے۔ لیکن ہجو نگار کا معاملہ اس سے کچھ جدا ہے۔ دراصل ہجو کے پس پشت مرکزی خیال یہ ہوتا ہے کہ ہجو نگار خود ان تمام حماقتوں سے محفوظ رہے جن کا وہ خاکہ اڑا رہا ہے نتیجتاً اسے اپنے نشانہ تمسخر سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ رولڈ نوکس (Ronald Knox) کے مطابق ”مزاح نگار ہرن کے ساتھ بھاگتا ہے لیکن ہجو نگار کتوں کے ساتھ شکار کھیلتا ہے“۔ چنانچہ جہاں مزاح نگار کا طریق کار یہ ہے کہ وہ ناہمواریوں سے محظوظ ہوتا ہے وہاں ہجو نگار ان ناہمواریوں سے نفرت کرتا اور انہیں خندہ استہزا میں اڑانے کی طرف ہمیشہ مائل رہتا ہے۔ کبھی ہجو ایک فرد کو نشانہ تمسخر بناتی ہے اور کبھی ان ارتقائی منازل پر پہنچ جاتی ہے جہاں یہ انسان اور سماج کی مستقل حماقتوں اور عالمگیر ناہمواریوں کو طشت از بام کرتی ہے اور انسان کو انسانیت سے قریب تر لانے میں مدد دیتی ہے۔

بعض لوگ افادیت کے پیش نظر ہجو کو مزاح پر فوقیت دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مزاح اگر ایک قومی کارنامہ ہے تو ہجو ایک بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسے لوگ مزاح برائے مزاح کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔ ان کی دانست میں ہجو ہی مستقل اقدار کی حامل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہجو ہمیں سماج اور فرد کے رستے ہوئے زخموں کی طرف متوجہ کر کے بہت بڑی انسانی خدمت انجام دیتی ہے لیکن دوسری طرف خالص مزاح بھی ہماری بچھی ہوئی پھسکی اور بدمزہ زندگیوں کو منور کرتا اور ہمیں خوشی عطا کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے



کہ افادیت کے نقطہ نظر سے دونوں ہمارے رفیق و نغمسار ہیں اور ایک کو دوسرے پر فضیلت و فوقیت حاصل نہیں۔

خالص مزاج نگار (ظرافت کے مترادف) ہو یا ہجو گو دو دونوں صنّاع ہیں اور دونوں کے کارنامے تخلیقی ہیں۔ ظرافت نگار نہ صرف کسی ناہمواری اور بے آہنگی کا تمسخر انگیز بیان دیتا ہے بلکہ اسے دلچسپ سے دلچسپ تر بنا کر پیش کرتا ہے۔ وہ مشاہدے سے کام لیتا ہے۔ دنیا اور زندگی کے وسیلے اور بوقلموں مناظر میں ان چیزوں کا انتخاب کر لیتا ہے جو اس کے مخصوص آرٹ کے لیے موزوں ہیں۔ وسعت نظری کے ساتھ دنیا کے مختلف گوشوں اور زندگی کے تمام شعبوں سے مواد فراہم کر کے اس پر غور و فکر کرتا ہے۔ مشاہدہ کی ہوئی اشیا اور تصور کی ہوئی چیزوں کو اپنے رنگینی افکار اور رعنائی خیال سے صنعت کارانہ حسن و صداقت کے ساتھ مزین کرتا ہے، اس کے دل میں اصلاح کا جذبہ موجزن نہیں ہوتا۔ پروفیسر کلیم الدین احمد کے الفاظ میں ”وہ صنّاع ہے حامی اصلاح نہیں۔ اس کے کارنامے بھی صحیح معنوں میں تخلیقی ہوتے ہیں۔ یہ کارنامے ہماری تفریح کا باعث ہوتے ہیں لیکن تفریح اصل مدعا نہیں اس کا مقصد ایک حسین، مکمل و موزوں کارنامے کی تخلیق ہے۔ جو تفریح ہمیں حاصل ہوتی ہے وہ ایک حد تک اتفاقی ہے (۱)۔“

ظرافت نگار کسی منظر کو دیکھ کر مسکرا اٹھتا ہے لیکن اور کسی قسم کا جذبہ اس کے دل میں نہیں ابھرتا۔ اسی جگہ ظرافت نگار اور ہجو گو کی راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔ ہجو گو بے ڈھنگے، ناقص، بد صورت اور ناہموار مناظر کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہے۔ ناانصافی، بے رحمی، ریاکاری کی مثالیں دیکھ کر اس کے دل میں نفرت، غضب، حقارت اور اسی قسم کے دوسرے جذبات ابھرنے لگتے ہیں اور وہ اپنی ہجوؤں میں ان جذبات کی ترجمانی کرتا ہے لیکن وہ بھی صنّاعانہ طور پر، سیدھے سادے سپاٹ انداز میں نہیں۔ وہ اپنے جذبات سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور ان پر قابو پا کر ان کا صنعت کارانہ اظہار کرتا ہے۔ اس صنعت کاری کی وجہ سے جذبات کی شدت اور بڑھ جاتی ہے۔ ہجو گو ایک بلند پایہ اخلاق کا حامل ہوتا ہے اور اپنے بلند مقام سے انسانی کمزوریوں، خامیوں اور فریب کاریوں کو اپنے طنز کا نشانہ بناتا ہے۔ ہجو گو چونکہ انسان ہے اور انسانی حدود میں گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے اکثر اس کی ہجوؤں کی ابتدا کسی ذاتی جذبہ سے ہوتی ہے لیکن فن کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر جذبات کو قابو میں رکھنے پر ہی فن کو

(۱)۔ سخنہای گفتنی از پروفیسر کلیم الدین احمد ص ۲۱-۳۲۰۔

عالمگیری حاصل ہو سکتی ہے۔ ہجو گو کے تصرف میں سارے جذبات ہیں۔ وہ اگر ہمدردی، ترحم، انصاف اور فیاضی کے جذبات کو ابھارتا ہے تو غصہ، بغض اور حقارت کے جذبات کو بھی بھڑکاتا ہے کیونکہ ظرافت نگار کے مقابلہ میں اس کی جذباتی دنیا زیادہ وسیع ہے۔

خالص مزاح نگار اور ہجو گو کی راہیں جدا جدا ہیں اور منزلیں بھی الگ الگ۔ زندگی اور دنیا کی ناتمائی و ناموزونیت مسلم ہے۔ انسان اور انسان کی فطرت میں بھی یہی ناتمائی ہے اس لیے ہنسی کے مواقع کی کمی نہیں۔ اب دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ ناموزونیت اور ناتمائی کے اظہار کا احساس کریں یا پھر اس احساس کے ساتھ ساتھ ان نقائص و زمام کو دور کرنے کی بھی کوشش کریں۔ دوسرے احساس میں پہلے کا وجود لازمی ہے لیکن پہلے احساس کے ساتھ دوسرے کا ہونا ضروری نہیں۔ پہلے احساس کے نتیجے میں خالص ظرافت (Humour) اور دوسرے کے نتیجے میں طنز (Irony) اور ہجو (Satire) ملتے ہیں۔ خالص ظرافت نگار ناموزوں اور ناہموار واقعات و حالات کو دیکھ کر صرف ہنستا ہے اور دوسروں کو ہنسانے کی سعی کرتا ہے لیکن ان خامیوں اور نقائص کو دور کرنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ ہجو گو اس سے ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور اس ناقص و ناتمام منظر سے اس کے جذبہ تکمیل، حسن، موزونیت، انصاف اور اخلاق وغیرہ جوش میں آتے ہیں اور وہ اس جذبہ سے مجبور ہو کر کسی خاص مذموم منظر کو اپنی ظرافت و طنز کا نشانہ بناتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کی منزلیں اور راہیں جدا جدا ہیں اس کے باوجود انہیں ایک دوسرے سے الگ کرنا دشوار ہے۔

ہجو بنیادی طور پر ایک ایسے باشعور، حساس اور درد مند انسان کے ذہنی رد عمل کا نتیجہ ہے جس کے ماحول کو ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں نے تختہ مشق بنا دیا ہو۔ لیکن ہجو کا استعمال تخریب پسندی کی علامت نہیں بلکہ اس کی تخریبی کارروائی ناسور پر نشتر چلانے کی حد تک ہے۔ اس کے بعد زخم کا مند مل ہو جانا اور فرد یا سوسائٹی کا اپنے مرض سے نجات حاصل کر لینا اس کا بہت بڑا تعمیری کارنامہ ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی رائے میں ہجو کے لیے ضروری ہے کہ یہ مزاح سے بیگانہ نہ ہو بلکہ کونین کو شکر میں لپیٹ کر پیش کرے، دوسرے پردہ دری اور غیب جوئی کرتے وقت لطیف فن کارانہ پیرایہ اظہار اختیار کرے اور تیسرے کسی خاص فرد کے عیوب کی پردہ دری کو زندگی اور سماج کی عالمگیر ناہمواری کی پردہ دری کا وسیلہ بنائے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو تخریب کا جواب تخریب سے ملتا ہے اور نشانہ تمسخر اس دار کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے

کی بجائے غضب ناک ہو کر جوابی حملے کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے (۱)۔

مزاح نگاری اپنی نمو کے لیے جن عناصر کی رہن منت ہے ان میں موازنہ (Comparison)، تکرار الفاظ (Repetition)، رعایت لفظی (Pun)، مزاحیہ صورت واقعہ (Humourous Situation)، مزاحیہ کردار (Humourous Character) اور تحریف (Parody) وغیرہ مشہور ہیں جن کے فنکارانہ استعمال سے اس کی اثر انگیزی اور افادیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

دنیا کا کوئی ادب مزاح و ظرافت سے خالی نہیں ہے۔ یہ ایک مسلم الثبوت حقیقت ہے کہ تہذیب و تمدن کی ترقی اور قدرتی فیاضیوں کی ہم آہنگی سے اس کا رنگ دل کش، جاذب اور چوکھا ہو جاتا ہے۔ آج کی متمدن اور مہذب قوموں میں انگلینڈ اور امریکہ کو سرفہرست تسلیم کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے مزاح و ظرافت کا مذاق بھی ستھرا، بلند اور لطیف ہے۔ ڈکنس (Dickens, C.)، لیمب (Lamb C.) اور مارک ٹوین (Mark

Twain) کی شخصیات اور ان کے ادبی شاہکار عالمی ادبیات میں اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔

فارسی ادب میں بھی مزاح کا فقدان نہیں اور نثر و نظم میں اس کی بے شمار مثالیں دستیاب ہیں۔ لیکن فارسی کی مزاحیہ نظموں اور قصوں میں صورت حال کا بیانی اور واقعاتی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ یہ مزاح کے لطیف پیرایہ بیان سے آشنا نہیں معلوم ہوتیں جن میں عام واقعات و حالات کو مظہر بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور کیفیات و محسوسات کو تمسخر انگیز ملفوظات کا جامہ عطا کیا جاتا ہے۔ اگر اس قسم کے مزاحیہ ادب کا وجود ہے بھی تو ان میں فنی اور فکری بلوغ معدوم ہے۔

(۱)۔ ماخوذ از ”مزاح نگاری“ از ڈاکٹر وزیر آغا۔

## چند معروف ہزل سرا اور مزاح نگار شعرا

(Eminent Facetiouses and Humourists of Persian)

مجیک ترمذی جو قرن چہارم کے اواخر اور اوائل قرن پنجم ہجری کا شاعر ہے اسے ایران کا قدیم ترین ہزل سرا اور مزاح نگار تسلیم کیا گیا ہے۔ صاحب مجمع الفصحی اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

”مردی تیز زبان، ہزل آئین، تند طبع، زبان آور، بلیغ نکتہ دان بود کہ کسی از تیر طعنش زستی و از کمند ہجوش نجستی سینہ ای اہل کینہ را بخند تک ہجاختی و دست اہل زمان را بکمند ہزل بستی“۔ (۱)

مجیک ترمذی کے ہزیلیہ اشعار دستیاب نہیں ہیں۔ سوزی سمرقندی جو میدان ہجو و ہزل کا معروف شاعر ہے مفاخرہ کے موقع پر مجیک کو اس میدان خاص میں خود سے برتر شمار کرتا ہوا کہتا ہے:

من آنکسم کہ چو کردم ہجو گفتن رای ہزار مجیک اندر برم ندارد پای

ہزل سرائی و ہجاگوئی میں سوزی معروف ترین اور اہم ترین شاعر ہے۔ یہ سنائی و انوری کا ہم عصر تھا۔ اس کا دیوان بارہ ہزار ابیات پر مشتمل ہے لیکن اس کا بیشتر حصہ ہجویات اور ہزلیات پر محتوی ہے۔ اس کے متعلق ہدایت کی رائے ہے:

”خوش طبع و ہزال و بذلہ گوشدہ سینہ شعراى معاصر خود را بخندنگ ہجاختہ و بازوی سنخوری ہمکنان را برشتہ ای طعن بستہ بسوزن طببت دہان را دوختہ و بآتش ظرافت خرمن شاعران را سوختہ“ (۲)

قرن ششم کا معروف شاعر انوری گرچہ مجیک و سوزی کی مانند ہجو و ہزل کے میدان میں اختصاص نہیں رکھتا لیکن اس کے قطعات کا ایک خاص حصہ زشت و ناروا ہزلیات پر بسیط ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی اہل طببت و بذلہ سخ تھا اور اس صنف خاص کے دوسرے ہمسفروں کی مانند اپنے آتش غیض و غضب کو طعن و طنز کے ذریعہ ظاہر کر کے دلی تسکین حاصل کرتا تھا۔

(۱)۔ مجمع الفصحی ص ۵۰۶ (۲) ایضاً ص ۲۳۹۔

متوسطین میں عبید زاکانی اپنی خوش طبعی، ظرافت اور پرفساد ماحول و زمانہ کی وجہ سے ایرانی شعرا کے درمیان مزاحیہ و ہزلیہ شاعری میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

عہد صفویہ میں حکیم شفقانی ہزل گوئی و تند مزاجی میں بلند مقام رکھتا ہے۔ صاحب تذکرہ نصر آبادی، میر باقر داماد کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”شاعری فضیلت حکیم شفقانی را پوشیدہ و شعرش را ہجایہا پنهان ساخته (۱)“ اور خود اظہار رائے کرتا ہے: ”ہجاکہ بطریقہ ای فریضہ بر شاعر واجب میشود مانع شہرت او شدہ“ (۲) تاریخ عالم آرائے عباسی میں اس طرح تحریر ہے: ”بسیار لوند و شوخ مشرب بود... از تنگ حوصلگی اندک ناملائی بر طبیعتش گران مینمود و از ظریفی و شوخی ہموارہ زبان بہ ہجو ستیزہ کاران میکشاد (۳)“۔ مؤلف آتشکدہ نے اسے یوں یاد کیا ہے: ”طیب حاذق و شاعری عاشق اما عجیب دشمن جان بیمار و از کبرش خلقی در آزار“ (۴)

متاخرین شعرا میں قاتلی ہزل و مطاہہ میں بہت مشہور ہوا۔ اس کے مطاہات کا ایک حصہ شیرین، ظریف اور مہذب ہے جس میں انتخابی مضامین اور مطالب ملتے ہیں لیکن اس کا ایک حصہ رکیک، ناپسندیدہ، ادب سے دور اور اخلاقی و انتقادی مقاصد سے عاری ہے۔ قائم مقام فراہانی جو دور قاجاریہ کا ایک مشہور شاعر اور ممتاز وزیر تھا وہ پاکباز اور باوقار شخصیت کا مالک تھا اس نے بھی ایک ہزل آمیز مثنوی بنام ”جلالنامہ“ نظم کی۔

مزاح و ظرافت کے متعدد محرکات بیان ہوئے ہیں جن میں بیشتر ایسے ہیں جو یکساں طور پر ہجو گوئی کے بھی محرک ہیں۔ ہزل یا مزاح کی ایک یہ وجہ بیان ہوئی ہے کہ شاعر کے مزاح پر روح مزاح اور طہیت کا غلبہ ہوتا ہے۔ ایسے بہت سے اشخاص ملتے ہیں جو لطیفہ گوئی، خوش مشربی اور شیریں محضری میں مشہور ہیں اگرچہ سعدی کے نزدیک ظرافت نگاری حکما کے لیے باعث تنگ ہے لیکن اسی عیب کو انہوں نے ندیموں کے لیے ہنر تسلیم کیا ہے۔ ظریف اور بذلہ گو شخص اگر موقعہ شناس اور سریع الانتقال بھی ہو تو عوام میں محبوب اور وجیہ رہتا ہے اور ہر شخص اس کی صحبت کو غنیمت شمار کرتا ہے۔ اگر روح مزاح و طہیت ذوق لطیف، طبع حساس اور خاطر پاکیزہ کی ہم آہنگ ہو تو دلاویز گفتار، شیریں مضامین اور نغز اشعار سے

(۱) - شعر و ادب فارسی از زین العابدین مومتمن ص ۸، ۹، ۲۰۷ - (۲) - ایضاً

(۳) - ایضاً (۴) - ایضاً۔

طبیعتوں کو نئی زندگی ملتی ہے اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو کلام مستحسن اور رکیک مطالب کا حامل ہو کر نفرت و کدورت کا موجب بنتا ہے۔

حراما نصیبی اور مایوسی یا ہنر و دانش کی شکست اور بے ہنری کی کامیابی و تفوق شاعر کے جذبہ خشم اور غیظ و غضب کو متحرک کرتے ہیں اور وہ ہجو گوئی یا مزاح نگاری کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جیسا کہ انوری نے کہا ہے:

ای خواجہ مکن تا بتوانی طلب علم  
تاور طلب راتب ہر روزہ نمائی  
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز  
تاداد خود از مہتر و کہتر بستانی  
فرعون و عذاب ابدوریش مرصع  
موسیٰ کلیم اللہ و چوبی و شبانی  
دیگر

ہر کس کہ جگر خورد و بمردی ہنر آموخت  
در دور قمر گو بنشین خون جگر خور  
نزدیک کسانیکہ بصورت چو کسی اند  
با صورت ایشان نفسی برزن و بر خور  
پیغام زنی آروہمہ اطلس خرپوش  
با مسخرہ باش و ہمہ حلوائی شکر خور  
انوری ایک شکوائی اور فخریہ قصیدہ میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہوا کہتا ہے:  
خود ہنر در عہد ما عیب است اگر نہ این سخن  
میدہ فتویٰ کہ من شاعر نیم بل ساحرم  
اور ادیب صابر اسی مطلب کو یوں ادا کرتا ہے:  
ازین سپس من و دیوانگی و طنز بچی  
اگر بفضل و ہنر کام دل نخواہم یافت

شخصی عیوب اور عمومی انحطاط اخلاق یا گرد و پیش کے نقائص و ذمائم شاعر کی ہزل پسند طبیعت اور مزاح پرور ذوق کے ذریعہ قبول ہو کر نشر پاتے ہیں۔ جس جماعت کے اخلاق میں فساد آگیا ہو اور اجتماعی و عمومی آداب میں رذائل اثر انداز ہو گئے ہوں انہیں ہجو و ہزل کے سوا کچھ اچھا نہیں لگتا اور مزاح کی پست سطح پر آکر زشت و رکیک مضامین جو لطف و نزاکت سے ماری ہوں عوام کی توجہ کا مورد بنتے ہیں۔ ذیل میں ہزلیات کے کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

(1)- Wit, Humour and Fancy of Parsia by M.N. Kuka- pp. 44-47.

## میلی

انگند سربہ پیش و حیارا بہانہ ساخت  
بیرحم بین کہ ترس خدارا بہانہ ساخت  
برخاست گرم و دادن جارا بہانہ ساخت

غافل بہمن رسید و وفارا بہانہ ساخت  
تا از جفای او نہ ہم خون من نہ بخت  
از بزم تا ز آمدن من برون رود

## قتیل

خودسوی مانند و حیارا بہانہ ساخت  
مارا چو دید لغزش پارا بہانہ ساخت  
دستی برخ کشید و دعا را بہانہ ساخت  
وین طرفہ مکر بین کہ جنارا بہانہ ساخت

مارا بغمزہ کشت و قضارا بہانہ ساخت  
دستی بدوش غیر نہاد از سر کرم  
رفتیم بمسجدی کہ بہینم جمال دوست  
عاشق کشی چو کرد شدہ دست و پاش سرخ

## میلی

صبر از من و تردد و غوغا ازان تو  
در نوحہ ہم زبانی ماما ازان تو  
طومار لطم و دفتر انشا ازان تو  
آن بارکش خران توانا ازان تو  
ہفتاد سالہ طاعت بابا ازان تو  
وان چیزہا کہ کردہ بہ عقبی ازان تو

ہمشیرہ خرج ماتم بابا ازان من  
در خفیہ استماع وصیت ازان من  
کہنہ قلم دوات شکستہ ازان من  
آن لاشہ اشتران قطاری ازان من  
یکہفتہ چرخ مطرب و ساقی ازان من  
آن مالہا کہ ماندہ بدنیا ازان من

## وحشی

بدای برادر از من و اعلا ازان تو  
پارینہ پرز شہد مصفا ازان تو  
مہمیز کلہ تیز و مطلا ازان تو  
آن چمچہ ہریسہ و حلوا ازان تو  
غوغای جنگ قویج و تماشا ازان تو  
این گربہ مصاحب بابا ازان تو

زیبا تر آنچہ ماندہ ز بابا ازان تو  
این طاس خالی از من و آنکوزہ کہ بود  
یا بوی ریسمان گسل میخ کن ز من  
آن دیگ لب شکستہ صابون پزی ز من  
آن قویج شاخ کج کہ زند شاخ ازان من  
این اشتر چموش لکدزن ازان من

از صحن خانہ تا بلب بام ازان من از بام خانہ تا بئریا ازان تو  
رفیعی کاشانی

مال و منال حضرت بابا برادرا  
من آن نیم کہ گویم ازین جنبہا کہ هست  
جاں برادری تو ز تو ہر چہ بہتر است  
قرض پدر کہ از ہمہ بیش است ازان تو  
دای کہ شیر دادہ بہ بابا ازان تو  
آن چار باغ خرم مرہون ازان تو  
ملک نفیس خالصہ شہر ازان تو  
آن مادیان کہ داشتہ صد کرہ زان تو

یک نیمہ از تو نیمہ دیگر ازان من  
جنسی کہ باشد از ہمہ بہتر ازان من  
بد هست ہر چہ جان برادر ازان من  
وجہش کہ هست از ہمہ کمتر ازان من  
گاوی کز دست خون دل ما ازان من  
آن یکدو باغ کہنہ بیدر ازان من  
املاک ہیج نفع نہ باشد ازان من  
آن اشتران بارکش ز ازان من

کیچڑ: بہار مشہدی

افتادہ ایم سخت بدام بلای گل  
گل مشکلی شدہ ست بہر معبر و طریق  
ہر گہ کہ ابر خیمہ زند در فضای شہر  
گل دل نمیکند ز خراسان و اہل او  
گر صد ہزار کفش بدزد پای خلق  
با خضر اگر روند بہ ظلمات کوچہ خلق  
اول قدم کہ بوسہ زند گل پای ما  
گاہا ثقیل و در ہم و کوچہ خراب و تنگ  
گل ہر چہ را بہ پنجہ در آوردول نکرد  
از پشت تابشانہ و از پیش تا بریش

یارب چو ما مباد کسی بتلای گل  
گام روندگان شدہ مشکل کشای گل  
بر بام ہر سرای بر آید لوای گل  
ای جان اہل شہر فدای وفای گل  
ہر گز نمی رسند بکشف عطای گل  
اسکندری خوردند درین چشمہای گل  
رفقیم بر زمین و بوسیم پای گل  
آہ از جفای کوچہ و درد از جفای گل  
صد آفرین بہ پنجہ معجز نمای گل  
ہستند خلق یکسرہ غرق عطای گل



## کمال الدین اصفهانی

هرگز کسی ندید بدین سان نشان برف  
 هرگز کسی ندید بدین سان نشان برف  
 مانند پنبه دانه که در پنبه تعبیه است  
 ناگه فتاد لرزه بر اندام روزگار  
 گشتند نا امید همه جانور ز جان  
 با ما سپیدکاری از حد همی برد  
 خان خرک شدست همه خان و مان ما  
 چاه مقنعت همه چاه خانها  
 بی نیزه های آتش و بی تیغ آفتاب  
 از بس که سر بخانه هر کس فرو کند  
 گر کوه پشم بر زده گردد به رستخیز  
 در خانقاه ناغ نه صادر نه وارد است  
 سیلاب ظلم او درو دیوار میکند  
 ناگه فرو گرفت در و نامها و بس  
 در خانها ز بسکه فرود آمد است برف  
 از نان و جامه خلق غنی گشتی از بدنی  
 گرچه سپید کرده همه خان و مان ما  
 وقتی چنین نشاط کسی را مسلم است  
 هم نان و گوشت دارد هم همیشه هم شراب  
 معشوقه مرکب از اضداد مختلف  
 گلگونه ای بود بسپید آب بر زده  
 تارنگ روی خویش نماید برین قیاس  
 نه همچو من که هر نفسش باد زمهریر

گوی که لقمه ایست زمین و در دهان برف  
 گوی که لقمه ایست جهان (۱) در دهان برف  
 اجرام کوه هاست نهان در میان برف  
 از چه ز بیم تا ختن ناگهان برف  
 با جان کوهسار چو پیوست جان برف  
 ابر سیاه کار که شد در ضمان برف  
 بر یکدگر نشسته درو کاروان برف  
 اپنا شته بجوهر سیماب سان برف  
 نتوان بتیر ماه کشیدن کمان برف  
 سرد و گران و بی مزه شد میهمان برف  
 گوی ز پشم بر زده آنک مکان برف  
 تا پیر پنبه گشت حریف گران برف  
 خود رسم عدل نیست مگر در زمان برف  
 بگرفت ریش خانه خدا ایرمان برف  
 نامد بخلق خانه فرو هیچ نان برف  
 از آرد بار پنبه تن ناتوان برف  
 یارب سیاه باد همه خان و مان برف  
 کاسب عیش دارد اندر زمان برف  
 هم مطربلی که برزندش داستان برف  
 باطن به سان آتش و ظاهر به سان برف  
 هر جرعه ای که ریزد در جرعه دان برف  
 بعضی از آن باده و بعضی از آن برف  
 پیغامهای سرد دهد از زبان برف

(۱) - "زمین" ذبیح الله جلد ۲، ص ۸۷۵ -

گر تو تم بدی زپی چرخ آفتاب      بر بام چرخ رفتی از نردبان برف

### قاسمی خوانی

ابله ای مروزی بشهر هری      سوی بازار بردلاشه خری  
لاغر و ست و پیر و فرسوده      سم و دندان و استخوان سوده  
جست دلال چست برپشتش      کرده جنبان به سینخه و مستش  
گفت کای تاجران و راهروان      که خرد مرکبی روان و جوان  
مروزی گفت ای بجان یارم      گر چنین است پس نگه دارم

### خواجہ مجدالدین خوانی

بعهد ما تقدم در نشاپور      مگر تخطی فتاد از عهد ما دور  
برون آمدیکی مرد معلم      گروه کودکان باری ملازم  
ظریفی گفت اینها درچه کارند      چهاگویند چون عقلی ندارند  
معلم گفت چون وقت عذاب است      دعای این جماعت مستجاب است  
ظریفش گفت ای قول تو مقبول      بگویم باتو قوی نیک معقول  
اگر ایزد دعای شان شنودی      معلم درجهان کی زنده بودی

### لوائی

عربی در میان مکہ و شام      کسب اسباب مینمود مدام  
بهر تحصیل مال و کسب هنر      از حضر رخت بست سوی سدا  
مدتی سیر کرد و هیچ نیافت      باز سوی مکان خویش شتافت  
چند گه راه بادیہ برید      تابیک روزه از وطن برسد  
از کرباز کرد انبانی      که درو بود یخنی و نانی  
چون بخوردن نشست آن سره مرد      عربی در رسید بادیہ مگر

## بدوی

پیشرفت و ستاده کرد سلام  
پیش من ایستاده بہر چه ای  
دشت پیای از برای توام  
بدوی در جواب گفت آری  
کہ ز ہجرش کباب شد جگرم  
باغ حسن است خرم و خندان  
گفت صد چون برابر احمد  
کز غمش برفلک شد افغانم  
داغ رشکت بر دل کیوان  
کز غمش دامنم چو جیونست  
کہ مساویت پشت با کوبان  
کہ بود بہ ز شیرز بر من  
روز و شب پاسبان خانہ تست  
بادل جمع کرد میل طعام  
بدوی را نداد و بست انبان  
بر خود از درد جوع می پیچید  
آہوی در رسید و تنگ گذشت  
از دل خستہ جست آہ اورا  
گفت بادی کہ آہ بہرچہ بود  
گرمی گشت صدقہ ای سر تو  
کہ ازین دشت جان برد بیرون  
گفت از بسکہ خون اشیر خورد  
خاک برفرق من کہ بہخت بگو

بدوی چون شنید بوی طعام  
داد او را جواب وگفت کہ ای  
گفت من چاکر سرای توام  
گفت از خیل من خبرداری  
گفت چون است احمد آن پسر  
گفت از فضل و رحمت یزدان  
گفت چون است مادر احمد  
گفت چون است قصر و ایوانم  
گفت آن قصر دلکش و ایوان  
گفت آن بارکش شتر چونست  
گفت بادی کہ فرہ است چنان  
گفت چونست آن سگ در من  
گفت او خاک آستانہ تست  
چون عرب قصہ را شنید تمام  
خورد چندان کہ سیر گشت ازان  
بدوی چون خست او دید  
ناگہاں دید کز کنارہ ای دشت  
بدوی چون بید آہو را  
چون عرب آہ دردناک شنود  
گفت ازین بود کان سگ در تو  
آہوک را نمی گذاشت کنون  
گفت ای و ای آن سگم چون مُرد  
گفت خون مشترکہ ریخت بگو

کہ دھند آب و آتش ہمسرہ ات  
رخت ہستی چسان بخاک سپرد  
از غم فوت احمد مسکین  
گفت قصرش بہ سرفرود آمد  
خاک برسرفشانہ وجامہ درید  
بدوی نان وگوشت پیش گرفت

گفت کشتند اشتر سرہ ات  
گفت ای و ای زوجہ ام چون مرد  
گفت از بس کہ کوفت سر بہ زمین  
گفت ای و ای چون گذشت احمد  
چون عرب قصہ فراق شنید  
بعدازان راہ خیل خویش گرفت

### رومی

مثنوی مولانا روم میں بہت سی مزاحیہ نظمیں ملتی ہیں۔ یہ اخلاقی نظمیں ہیں جو تصوف و عرفان اور اخلاق حسنہ کی تبلیغ و اشاعت کی غرض سے نظم ہوئی ہیں۔ اس قسم کی سنجیدہ تخلیق میں مزاح کو دخل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ ایک خوشگوار تعجب کا مقام ہے کہ مولانا روم نہ صرف معلم اخلاق و شاعر صوفی و عارف گوشہ نشین تھے بلکہ انہیں مزاح و ظرافت اور بذلہ سخی کا عنصر بھی ودیعت کیا گیا تھا اور مندرجہ ذیل مزاحیہ نظمیں اس بات کی دلیل ہیں کہ ایک ہمدرد اور مصلح قوم کا ذہن بذلہ سخی سے ہم آہنگ ہونا چاہیے:

کہ ترا رنجور شد ہمسایہ ای  
من چہ دریا بم زگفت آن جوان  
لیک باید رفت آنجا نیست بد  
من قیاسی گیرم آنرا از خرد  
او بنواہد گفت نیکم یا خوشم  
او بگوید شرتی یا ماش با  
از طبیبان پیش تو گوید فلان  
چونکہ او آید شود کارت نکو  
ہر کجا شد میشود حاجت روا  
نکس آن واقع شدای آزادہ مرد

آن کری را گفت افزوں مایہ ای  
گفت با خود کر کہ باگوش گران  
خواجہ رنجور و ضعیف آواز شد  
چون بہنم کان لبش جنبان شود  
چون بگویم چونی ای محنت کشم  
من بگویم شکرچہ خوردی ابا  
من بگویم صح و نوشت باد آن  
من بگویم بس مبارک پاست او  
پای اورا آزمود ستیم ما  
این جوابات قیاسی راست کرد

بر سر او خوش ہی مالید دست  
شد بر آن رنجور پر آزار و نگر  
کر قیاسی کرد آن کج آمد ست  
گفت نوشت باد افزون گشت قہر  
کہ ہی آید بچارہ پیش تو  
گفت پایش بس مبارک شاد شو  
گفتم اورا تاکہ گردد غمخورت  
شکر کہ کردم مراعات این زمان  
ماندا نستیم کویکان جفا ست

کردر آمد پیش رنجور و نشست  
گفت چون گفت مردم گفت شکر  
کاین چه شکر است این عدوی مابدست  
بعد ازان گفتش چه خوردی گفت زہر  
بعد ازان گفت از طہیان کیست او  
گفت عزرائیل می آید برو  
این زمان از نزد او آیم برت  
کر برون آمد بگفت او شادمان  
گفت رنجور این عدوی جان ماست

سخت طناز و پلید و رہزنی  
سوی خانہ باد و صد جہد طویل  
مرد آمد گفت دفع ما صواب  
پیش مہمان لوت میباید کشید  
گوشت دیگر خرگرت باید بلا  
تاکہ گرہ بر کشم گیرم عیار  
پس بگفت آن مردکای محتالہ زن  
ہست گرہ نیم من ہم ای سیر  
و ربود این گوشت بنما گرہ تو

بود مردی کہ خدا او را زنی  
بہر مہمان گوشت آورد آن معیل  
زن بخوردش با شراب و با کباب  
مرد گفتش گوشت کو مہمان رسید  
گفت زن خود گرہ خورد آن گوشت را  
گفت ای ایک ترزو را پیار  
بر کشیدش بود گرہ نیم من  
نیم من ہد گوشت افزون بود سیر  
این اگر گرہ ست پس آن گوشت کو

یہی قصہ جاتی نے بھی نظم کیا ہے۔ طرز ادا کے مقابلہ کے لیے نقل کی جاتی ہے:

کش پز زود بہر طعمہ من  
خواجہ چون گوشت خواست عذر آورد  
کہ مکین کرد گرہ و بر بود  
ناید افزون ز گوشت یک مثقال  
کرد بازن عتاب کای بان

یک منک گوشت داد خواجہ بز  
گوشت رازن کباب کردو بخورد  
کہ ہنوز آن زدیک بیرون بود  
خواجہ سنجید گرہ را فی الحال  
زد بعد غصہ دست بر زانو

گوشت یک من دگر بر آن افزود  
که تواند شدن دو من یک من  
وگر این گوشت شکل گربه چراست

گربه بیشک چو گوشت یک من بود  
نیست این نکته پیش من روشن  
اگر این گربه است گوشت کجا است

در میان بندگانش خوارتن  
تا که میوه آیدش بهر فراغ  
خوش بخوردند از نهیب طمع را  
خواجہ برلقمان ترش گشت و گران  
در جواب خواجہ اش بکشاد لب  
سیر مادر ده تو از آب حمیم  
تو سواره من پیاده بردوان  
صنمہائی کاشف الاسرار را  
مرغلامان را و خوردند آن ز بیم  
میدویدندی میان کشتہا  
آب میآورد زیشان میوہا  
می درآمد از درویش آب صاف

بود لقمان پیش خواجہ خویشتن  
میفرستاد او غلامان را باغ  
آن غلامان میوہای جمع را  
خواجہ را گفتند لقمان خورد آن  
چون تفحص کرد از لقمان سبب  
کامتحان کن جملہ مارا ای کریم  
بعد ازان مارا بہ صحرائی کلان  
آن گہان بگر تو بدکردار را  
گشت ساقی خواجہ از آب حمیم  
بعد ازان میراندشان در دشتہا  
تی در افتادند ایشان از عنا  
چونکہ لقمان را درآمد تی زناف

مرکب خود بر در آہز کشید  
"کاد نقران یکن کفر ا کسیر"  
خرفروشی در گرگند آن ہمہ  
لوت آوردند شمع افروختند  
کامشہان لوت و سماع است و دلہ  
چند ازین زنبیل داین در یوزہ چند  
دولت امشب میہمان داریم ما  
ختہ بود و دید آن اقبال و ناز

صوفی ای در خانقہ از رہ رسید  
صوفیان درویش بودند و فقیر  
از سر تقصیر آن صوفی رمہ  
ہمدران دم آن خرک بفروختند  
دلولہ افتاد اندر خانقہ  
چند ازین صبر و ازین سہ روزہ چند  
ما ہم از خالقیم و جان داریم ما  
و آن مسافر نیز از راہ دراز

نزد خدمتہاش خوش میبختند  
 و آن یکی پرسیدش از جای نشست  
 و آن یکی بوسید دستش را و دو  
 خانقہ تاسقف شد پر دود و گرد  
 زاشتیاق و وجد جان آشوفتن  
 مطرب آغازید یک ضرب گران  
 زین ترانہ جملہ را انہاز کرد  
 کف زنان خرففت و خرففت ای پسر  
 خربرفت آغاز کردہ پنچنین  
 روز گشت و جملہ گفتند الوداع  
 گرد از رخت آن مسافر میفشاند  
 تا بحر بر بندد آن ہمراہ جو  
 رفت در آخر خر خود را نیافت  
 زانکہ خردوش آب کمتر خورده است  
 گفت خادم ریش بین جنگی بخاست  
 من ترا بر خود موکل کردہ ام  
 بازده آنچه کہ بسپردم تو  
 حملہ آوردند بودم نیم جان  
 قاصد خون من مسکین شدند  
 کان خرت را میرند ای بیوا  
 تا ترا واقف کنم دین کارہا  
 از ہمہ گویندگان باذوق تر  
 زین قضا راضیت مرد عارفست  
 مر مرا ہم ذوق آمد گفتش  
 کہ دو صد لعنت بر آن تقلید باد

صوفیانش یک یک بنواختند  
 آن یکی پایش ہی مالید و دست  
 و آن یکی افشانند گرد از رخت او  
 لوت خوردند و سماع آغاز کرد  
 دود مطبخ گرد آن پا کوفتن  
 چون سماع آمد زاول تا کران  
 خربرفت و خربرفت آغاز کرد  
 زین ترانہ پای کوبان تا سحر  
 از رہ تقلید آن صوفی ہمین  
 چون گذشت آن نوش و آن جوش سماع  
 خانقہ خالی شد و صوفی بماند  
 رخت از حجرہ برون آورد او  
 تا رسد در ہمراہان او می شتافت  
 گفت آن خادم بہ آتش برده است  
 خادم آمد گفت صوفی خر کجا است  
 گفت من خر را بتو بسپردہ ام  
 از تو خواہم آنچه میدادم بتو  
 گفت من مغلوب بودم صوفیان  
 گفت گیرم کز تو ظلماً بستند  
 تو نیای و نگوی مر مرا  
 گفت واللہ آدم من بارہا  
 تو ہی گفتی کہ خرففت ای پسر  
 باز میکشتم کہ او خود واقف است  
 گفت آنرا جملہ میگفتند خوش  
 مر مرا تقلید شان برباد داد

در زحیرم از دماغ خویشتن  
گفت در چشم ز ظلمت هست دماغ  
گفت پشتم دردی آید عظیم  
گفت هر چه میخورم نبود گوار  
گفت وقت دم مرادم گیری است  
چون رسد پیری دوصد علت شود  
گفت از پیریست در کجبت نشاند  
گفت از پیریست این رنج و عنا  
گفت کز پیریست ای مرد علیم  
از طبیعی تو همی آموختی  
که خدا هر درد را درمان نهاد  
بر زمین ماندی ز کوه پائیگی  
این غضب دین خشم هم از پیری است

گفت پیری مرطبیی را که من  
گفت از پیریست آن ضعف دماغ  
گفت از پیریست ای شیخ قدیم  
گفت از پیریست ای شیخ نزار  
گفت ضعف معده هم از پیری است  
گفت آری انقطاع دم بود  
گفت پائیم ست شد از ره بماند  
گفت پشتم چون کمائی شد دو تا  
گفت تاریکست چشم ای حکیم  
گفت ای احمق برین بردوختی  
ای مدغ عقلت این دانش نداد  
تو خراحمق زانک مائیگی  
پس طبیبش گفت کای عمر تو شصت

### سنائی

کای تو در های بسته را چو کلید  
من نینم از ان چه هست فزون  
مه که بر چرخ دوست جارستی

پسر احول از پدر پرسید  
گفتی احول یکی دو بیند چون  
احول از هیچ کز شمارستی

مهستی نام دختری دره گاد  
گشت روزی ز چشم بدناان  
باد پیش تو مردن مار  
سر خود را بدیگی اندر کرد  
آن سر مرده رنانش اندر دیگ  
سوی زانک اوید از مبلنج

داشت زالی به روستائی تکاو  
لو عروسی چوسروبن بالان  
زال گفتی همیشه با دختر  
از قضا گاد زانک از پی خورد  
ماند چون پای مرده اندر دیگ  
گاد مانند دیوی از دوزخ



زال پنداشت هست عزرائیل  
ملک الموت، نه من مهستیم  
گر ترا مهستی ہی باید  
بانگ برداشت از پی تحویل  
من یکی پیر زال مختیم  
اینک اورا بیر مرا شاید

### فریدالدین عطار

کردی از آشوب گردشهای دهر  
دید شهری پُر فغان و پُر خروش  
آن یکی را از برون عزم درون  
آن یکی را از بزمین رو در شمال  
کرد مسکین چون بدید آن کاروبار  
گفت جاگر در صف مردم کلیم  
یک نشانه بهر خود ناکرده ساز  
اتفاقاً یک کدو بودش بدست  
تا چو خود را گم کند در شهر و کو  
زیر کی آن راز را دانست زود  
آن کدو را حالیا زوباز کرد  
گرد چون بیدار شد دید آن کدو  
بانگ بروی زد که خیزلی مست کیش  
این منم یا تو نمی دانم درست  
در توی ای من کجایم کیستم

کرد از صحرا و کوه آهنگ شهر  
آمد از انبوهی مردم بجوش  
وان دگر را از درون میل برون  
وان دگر سوی بزمین جنبش سگال  
از میانه کرد جابریک کنار  
جای آن دارد که خود را گم کلیم  
خویشتن را چون تو انم یافت باز  
آن کدو بهر نشان برپای بست  
باز جوید چون ببیند آن کدو  
در پیش افتاد تا جای غنود  
بر پی خود بست و خواب آغاز کرد  
بسته برپای کسی پهلوی او  
کز تو حیران مانده ام در کار خویش  
در منم چون این کدو درپای تست  
در شماری می نیایم چیسیم

مگر دیوانه ای می شد برای  
بدیشان گفت چون خرشد اکبر کوب  
چنین گفتند کای پرسنده راز  
چو شد دیوانه زین معنی خبردار  
سر خر دید در پالیز گاهی  
چرا هست استخوانش بر سر چوب  
برای آنکه دارد چشم بد باز  
بدیشان گفت کای مشتی جگر خوار

گر آنستی کہ این خرزندہ بودی      بسی زین کارِ اورا خندہ بودی  
شمارا مغز خر دادست ایام      از انست این سر خر بستہ درد ام  
نکرد این زندہ چوب از پشت خود دور      چگونہ مردہ دارد چشم بد دور

### (و) ہجو اور تنقید (Satire and Criticism)

ادب انسانی زندگی کی تفسیر ہے اور اس کا اصل مقصد ذہنی شائستگی اور تمدنی تعلقات کی پاکیزگی سے متعلق ہے۔ نیاز فنجوری کے الفاظ میں ”ادب حقیقتاً ایک ریکارڈ ہے ان تمام تجربات و احساسات کا جن سے ایک انسان اپنی زندگی میں دوچار ہوتا ہے“۔ ان تجربات و احساسات کی سچی تصویر پیش کرنا ادب کا فرض منصبی ہے اور تنقید زندگی کی صداقتوں کے افہام و تفہیم کا ذریعہ ہے۔ اس کا کام محیط ادب کی گہرائیوں تک پہنچنا ہے اور ان اعلیٰ قدروں کی وضاحت کرنا جو عام نظروں سے مخفی ہیں، تنقید کا بہترین مقصد ہے۔ ادب کے لیے قدریں متعین کرنا اس کا ایک اہم فرض ہے۔

بازار عکاظ میں عرب شعرا کے کلام پر صدر نشین کی بے لاگ رائیں ان کی رہنمائی کا بہترین ذریعہ تھیں۔ توصیف و تنبیہ کے اس عمل کو تقریظ کہتے تھے لیکن مرور ایام نے تقریظ کے مفہوم کو بدل ڈالا اور یہ بے لاگ تبصرہ نہ رہ کر صرف توصیف بن گئی یا صرف تذلیل۔ بعد لفظ تنقید کی اصطلاح کا رواج ہوا جو ان دونوں معنی پر حاوی ہے۔ اس کے لفظی معنی کھرے اور کھوٹے میں امتیاز پیدا کرنا ہے مگر اصطلاح میں کسی کی تعریفات اور ادبی کاوشوں کے اور بعض جگہ شخصیات اور ذاتیات کے بھی معائب و محاسن کو ایک ایک کر کے دکھانا تنقید کہلاتا ہے۔ فن تنقید اسی کو کہتے ہیں جس میں دوسروں کے اعمال و اقوال پر منصفانہ فیصلے صادر کیے جاتے ہیں۔ صحیح و غلط، اچھے اور برے اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے، وقتی معتقدات اور ذاتیات و ملیا میٹ کرنے نیز صحیح مذاق پیدا کرنے کی کوشش کو تنقید کہتے ہیں۔ اس میں نہ صرف تنقید پھاد ہوتا ہے بلکہ توصیفی بھی۔ اس کا کام نہ صرف برائیوں کی مذمت کرنا ہے بلکہ اچھائیوں کی بھی صحیح طور پر ترجمانی کر کے ان میں ترقی دینا ہے۔

تنقید کو اکثر مذموم حرکت اور بغض و عداوت کا ذلہر قرار دیا گیا ہے۔ بعضوں کا

خیال ہے کہ غلطیاں معلوم کرنے کے فن کو تنقید کہتے ہیں۔ کسی کا خیال ہے کہ تنقیدی زاویہ نگاہ ہمیشہ تذلیل پر آمادہ رہتا ہے۔ بعض اسے محاسب کی حیثیت عطا کرتے ہیں جو مجرمین کی تلاش میں گلی کو چوں کی خاک چھانتا پھرتا ہے۔ مشہور سیاستدان اور ماہر علم و ادب لارڈ بیکن کو محی الدین قادری زور (۱) بالذاک کے مقولہ کا معتقد شمار کرتے ہیں۔ بالذاک کا قول ہے کہ نقاد وہی ہوتے ہیں جو ادب اور فنون لطیفہ میں کمال حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور اپنی ناکامی کی تلافی یوں کی جاتی ہے کہ تنقید نگاری شروع کر دیتے ہیں تاکہ جذبہ پتھر و غضب کو تسکین دے سکیں۔

ادبیات عالم میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بعض شاعروں اور ادیبوں نے شہرت و عظمت کے فقدان میں، یا زمانہ کی ناقدری سے متاثر ہو کر قنوطیت کے غلبہ کے باعث یا دوستوں کو بلند رتبہ دیکھ کر جذبہ رشک و حسد کے برا بیخنتہ ہونے پر تنقید نگاری کو اپنا شعار بنا لیا اور مسخرہ پیشہ ہونے کو طلب علم پر فوقیت دی۔ فارسی شاعری میں انوری اور عبیدزاکانی وغیرہ کے حالات زندگی سے اس نکتہ کی تائید وضاحت ہوتی ہے۔ انگریزی ادبیات میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ الگز نڈر پوپ اپنے ہم عصر لورڈ دوست ایڈلسن کے دامن کمال کو تحسین و آفریں کے خزانوں سے مالا مال پا کر تنقیدی اور ہجوی ادب کی طرف مائل ہوا۔ اس سے تنقید نگاری کے معیار و مقاصد کو قائم کرنے میں غلطی ہو سکتی ہے کیونکہ اس قسم کا ادب تنقیدی نہیں بلکہ ہجویہ ہے جس میں چیز، واقعہ، فرد یا جماعت و زمانہ کے صرف برے پہلوؤں پر ہی شاعروں یا ادیبوں کی نگاہ پڑتی ہے اور ان کی وضاحت کر کے اصلاح کی تمنا ظاہر کی جاتی ہے۔ لیکن تنقید کی گرفت خوب وزشت دونوں پہلوؤں پر محیط ہوتی ہے۔ تنقید ہمدردانہ ہوتی ہے اور توازن اس کی بڑی خصوصیت ہے۔

تنقید کا فرض فن کی عظمت کا صحیح اندازہ لگانا اور ساتھ ہی فنکار کی شخصیت کے تاریک پہلوؤں کو روشنی میں لانا ہے۔ یہ فنکار کی رہنمائی اور ادبی مذاق کی ترتیب و تہذیب کرتی ہے۔ اس لیے ناقدوں کا وجود ادب اور مذاق عامہ کی تہذیب و تزیین کے پیش نظر ایک فال نیک ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں عوامی مذاق میں انحطاط و فساد پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے کہ نہ صرف قوم کا اثر ادبیات پر پڑتا ہے بلکہ ادبیات بھی قوم کی زندگی کو متاثر کئے بغیر

(۱) - روح تنقید از ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص ۴۲۔

نہیں چھوڑتے۔ ناقد اپنی صدائے احتجاج کے ذریعہ مردہ مذاق میں بجلی کی رو پیدا کر دیتا ہے۔ ایک جھونگار بھی مذاق عامہ کی اصلاح کے کام کرتا ہے لیکن یہ منفی پہلو اختیار کرتا ہے اور نقائص و عیوب کا دلکش و جاذب بیان دے کر عوام کے ذوق طعن و تمسخر اور جذبہ نفرت و غضب کو برا بھلا سمجھتے کرتا ہے تاکہ عوام ان ذمائم سے نجات پاسکیں۔ یہ مذاق عامہ کا کوئی معیار قائم نہیں کرتا صرف عیوب و فسادات کی نشاندہی کرتا ہوا بڑھ جاتا ہے۔

تنقید ادب کو خود غرضی کی بھینٹ چڑھنے سے بچاتی ہے اس لیے کہ بعض لوگ ادب کو ذریعہ معاش بنا کر پیش کرتے ہیں یا کسی سے ذاتی عناد و مخالفت کا اظہار کرتے ہیں اور پھر ادبی کارنامے کا ادبی جواب ملتا ہے۔ ان معرکہ آرائیوں میں قوم کا ادب ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی تمام بد عنوانیوں کو روکنا تنقید نگاری کا اعلیٰ مقصد ہے لیکن جھونگار ذاتی عناد و مخالفت کی بنا پر شخص یا جماعت و زمانہ کی برائیاں بیان کرتا ہے گرچہ وہ صداقت پر مبنی ہوتے ہیں لیکن مبالغہ آمیزی سے کام لیا جاتا ہے تاکہ عوام کی توجہ حاصل کر سکے۔ اس طرح تنقید ایک قدم آگے بڑھ کر ان خرابیوں کو روکنے کا فرض انجام دیتی ہے اور عوام یا فنکار کی کمزوریوں یا دونوں کی باہم ناچاقیوں کو دور کرنے کی کوششیں کرتی ہے۔ تنقید میں ذاتی منافرت و شکایت کو دخل نہیں، اس کا فرض اولین ہے کہ وہ ہمیشہ غیر جانبدار ہو کر شخصی تعلقات اور ذاتی خیالات کی گرد سے بالکل پاک رہے۔ لیکن جھوکے محرکات میں ذاتی منافرت اور شکایت ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

”تنقید کا کام فیصلہ ہے، تنقید وضاحت ہے، صراحت ہے، تشریح ہے، تحلیل ہے، تجزیہ ہے۔ تنقید قدروں کا تعین نہیں کرتی ہے بلکہ ادب اور زندگی کو ایک پیمانہ بھی دیتی ہے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ، جھوٹ اور سچ، پست و بلند کے معیار قائم کرتی ہے۔ یہ ادب میں ایجاد کرنے اور محفوظ رکھنے دونوں کا کام انجام دیتی ہے۔ بت شکنی بھی کرتی ہے اور بتگری بھی۔“ یہ ہیں آل احمد سرور کے وہ خیالات جو انہوں نے مختلف ناقدین کی بحثوں سے اخذ کیے ہیں۔ جھوکے صداقت بیانی سے کام لیتی ہے اور حقیقی زندگی کے حالات و واقعات اور شخصی و اجتماعی کردار کو پیش کرتی ہے۔ لیکن اس کا انداز حاکم کا نہیں، منصف کا نہیں بلکہ ایک ظریف کا ہوتا ہے۔ وہ صداقت کو ہنتے ہنتے بیان کرتی ہے تاکہ جھوکے کی نثریت کا احساس نہ ہو سکے اور آسانی سے قبول کر لی جائے۔ اسے بھی عوام سے ہمدردی ہوتی ہے مگر یہ انہیں نادائق شمار کرتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جھوکے عوام سے نفرت کرتا ہے اور اس کا مقصد اصلاح و نواج نہیں بلکہ

صرف عوام کی دکھتی رگوں پر نشتر لگانا ہوتا ہے۔ انہیں دکھانا اور برباد کرنا ہوتا ہے۔  
 جو کبھی ذاتی منافرت اور بغض و عداوت کی وجہ سے متحرک ہوتی ہے اور کبھی  
 احساس کمتری اور زمانہ کی ناانصافی جو گو گو کو آمادہ بہ پیکار کرتی ہے۔ جو نگار کبھی ذمائم و عیوب اور  
 اخلاق و عادات کے فسادات کا مضحکہ اڑاتا ہے اور کبھی ان بد عنوانیوں کی اصلاح اس کا مقصد  
 ہوتا ہے جبکہ تنقید ذاتی جذبات و تعلقات سے بے نیاز، فنکار کے احساس کمتری اور دیگر نقائص  
 پر حاوی ہوتی ہے۔ یہ ذمائم و عیوب کا مذاق نہیں اڑاتی بلکہ صحیح راستہ سے آگاہ کرتی ہے۔  
 غلطیوں کی طرف انگشت نمائی کرتی ہے اور اچھائیوں کو بھی زیر بحث لاتی ہے۔ اصلاح و علاج  
 اس کا بھی مقصد اور اصلاح و علاج اس کا بھی مقصد۔ فرق طریقہ کار کا ہے۔ ایک جج، حاکم،  
 منصف اور خضر راہ کی حیثیت رکھتی ہے دوسری عیب گو اور نکتہ چیں کی۔ جو گو بھی معلم اخلاق  
 ہوتا ہے اور ناقد بھی مگر ناقد صرف معلم اخلاق ہی نہیں وہ مبصر بھی ہوتا ہے اور جج بھی۔ تنقید  
 میں جوش اور جذبے کی بہت کم ضرورت ہے، اچھی تنقید میں جذبہ کو ایک نازک، پختہ اور  
 مہذب احساس کا نکھار مل جاتا ہے اس لیے اچھی تنقیدیں محض تخریبی نہیں ہوتیں وہ حسن  
 و قبح کا معیار قائم کرتی ہیں۔ جو ایک قسم کی تنقید ہے ایک قسم کا عمل جراحی ہے، اس میں چیزوں  
 کے برے پہلو نمایاں کر کے دکھائے جاتے ہیں۔ یہاں تنقید کا اعتدال قائم رکھنا دشوار ہوتا  
 ہے اس لیے کہ چیزوں کے اچھے پہلو خود بخود نظر انداز ہو جاتے ہیں یا پھر برے پہلو اس قدر  
 چمکا کر پیش کیے جاتے ہیں کہ اچھے پہلو کا ماند پڑ جانا ایک فطری امر ہوتا ہے اور ایک عام قاری کی  
 نظر ان تک نہیں پہنچ پاتی۔ جو کا یہ رخ ہے جو بے دردی لیے ہوئے ہے، اس میں شدت اور  
 تیزی ضروری ہے۔ اس کے نشتر کسی قدر نو کیلے ہوتے ہیں۔ اس میں جتنی شدت ہوتی ہے  
 اتنی ہی وہ کامیاب اور بھرپور سمجھی جاتی ہے۔ جو کی یہ شدت، نشتریت کی تیزی، بے دردی اور  
 تلخی ایک اچھے اور بڑے مقصد کے لیے ہوتی ہے۔ ادب میں اس کی اہمیت اس کی مقصدیت کی  
 وجہ سے ہے اور یہی مقصدیت ہے جس کی وجہ سے جو کی تلخی اور طنز کی نشتریت گوارا کر لی جاتی  
 ہے۔ اس لحاظ سے طنز، عام ادبی تنقید سے بلند تر ہے۔ شوکت سہروردی کے الفاظ میں ”تنقید  
 استمسان ہے اور طنز (جو کے معنی میں) تحسین“۔

تنقید اپنی غیر مہذب اور ابتدائی حالت میں جو ہی ہوا کرتی ہے۔ انسانی جذبات اور  
 نکتہ سنجی دلباغی کو احساس کے تاریک گوشوں سے نکلنے اور غیر مادیت، آفاقیت و علانہ گی کا مقام

حاصل کرنے میں بے شمار مراحل طے کرنے ہوتے ہیں۔ اگر جذبات کی پیچیدگیوں، اس کے آغاز، اظہار اور انجام کا انعکاس تجزیہ کیا جائے تو اس کا ایک سرا سرخ اور دوسرا بنفشی رنگ کا نظر آئے گا یعنی سرخ سرا دشنام اور ہجو قبیح ہے جو طنز و مز کے لطیف بنفشی رنگ پر اختتام پاتا ہے۔ یہی قبیح قوی بنفشی رنگ تنقید ہے اور سرخی، بلا واسطہ دشنام یا سرزنش، جس میں فن کی وجہ سے کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ گویا خالص تنقید ہجو کی ایک مہذب ترین شکل ہے جو اپنے ارتقائی منازل میں دشنام یا ہجو پر ختم ہوتی ہے۔

ہجو کا مزاح و ظرافت اور تنقید سے تعلق اس طرح ہے کہ مزاح، ہجو کا ایک آلہ کار بھی ہے اور جہاں خالص مزاح ہوتا ہے وہ ہجو کے رتبہ کو نہیں پہنچتا اس لیے کہ اس کا مقصد جہاں صرف تفتن طبع اور مردہ دلوں کے لیے سامان فرار اور عیش و آسائش مہیا کرنا ہے وہاں ہجو اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر فرد و جماعت کے عیوب پر الزام کے نشتر لگا کر ان کی جرحی اور اصلاح و علاج کرتی ہے۔ ان کے ذمائم اور امراض کو مورد طعن و طنز قرار دے کر اس کی درستی کے حوصلے رکھتی ہے۔ تنقید ہجو سے زیادہ مہذب اور سائنتہ فن ہے جو نہ صرف ادنیٰ اور مذموم گوشوں کا انکشاف کرتی ہے بلکہ محاسن کو بھی منور کرتے ہوئے ادب یا زندگی کا معیار قائم کرتی ہے۔ مقصد اس کا بھی اصلاح ہی ہوتا ہے۔

## (ز) ہجو، مزاح و ظرافت اور طنز کے عوامل

(Factors of Satire, Humour and Irony)

(۱) تحریف اور تقلیب خندہ آور

(Parody and Burlesque)

تحریف یا پیروڈی مزاح نگاری کا ایک حربہ ہے لیکن یہ صرف مزاح سے ہی متعلق نہیں بلکہ ہجو نگار بھی اس حربہ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ تحریف نہ صرف یہ کہ ہجو و مزاح کا ایک آلہ کار ہی ہے بلکہ یہ ادب کی ایک مخصوص صنف بھی ہے۔

پیروڈی یا تحریف کسی تصنیف یا کلام کی ایک ایسی لفظی نقالی ہے جس سے اس تصنیف

یا کلام کی تضحیک ہو سکے۔ اپنے عروج پر اس کا مقصد ادبی یا انٹریاتی خامیوں کو منظر عام پر لانا ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ یہ حالات زمانہ کا مضحکہ اڑاتی، کسی بلند پایہ مضمون کو خفیف مضمون میں تبدیل کرتی یا محض لفظی تبدیلیوں سے تفریح طبع کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔

پیروڈی کسی ادبی تحریر یا سائل کی تقلید ہوتی ہے لیکن ہر تقلید پیروڈی نہیں کہی جائے گی۔ اگر کسی طرز نگارش کو قابل تعریف سمجھ کر اس کی پیروڈی کی جائے تو یہ پیروڈی نہ ہوئی اسی طرح اگر کسی ادبی نمونہ کو اچھا سمجھ کر اس کی تقلید کی کوشش کی جائے مگر نقل میں اصل کے محاسن پیدا نہ ہو سکیں اور نتیجہ مضحک ہو جائے تب بھی اس پر پیروڈی کا اطلاق نہ ہوگا۔ پیروڈی کا اطلاق صحیح طور پر اس ادبی تقلید پر ہوگا جس میں کسی طرز نگارش یا طرز فکر کی کمزوریوں کو نمایاں کیا جائے۔ اس لحاظ سے پیروڈی تنقید کی ایک لطیف قسم ہے اور بسا اوقات عام تنقید سے زیادہ موثر اور کارگر۔ بعض ادبی کمزوریاں اپنی باریکی کی بنا پر عام نظروں سے پوشیدہ رہ جاتی ہیں یا بار بار کے مشاہدے سے لوگ اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ جبکہ پیروڈی کے آئینے میں یہ کمزوریاں صاف نظر آنے لگتی ہیں جن سے نگاہ چرانا ناممکن ہوتا ہے۔ پیروڈی کرنے والا ان کو اس پس منظر سے نکال کر جہاں ان کی نظریں عادی ہو چکی ہوتی ہیں ایسی ترتیب میں پیش کرتا ہے جہاں ان کا بے تکاپن محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اس کے ساتھ ساتھ ظرافت کی چاشنی تنقید کے پھلکے یا کڑوے گھونٹوں کو گوارا بنا دیتی ہے۔ اور ان خامیوں پر ہم رونے کے بجائے ہنستے ہیں۔ لارڈ بائرن (Lord Byron) کا قول ہے:

" And if I laugh at any moral thing,

It's that I may not weep."

(اگر میں کسی اخلاقی ناہمواری پر تبسم ریز ہوتا ہوں تو ایسا اس لئے ہے کہ وہ گریہ آور نہیں)۔ انسان نے مصائب کی شدت کو برداشت کرنے کی غرض سے ہنسی پیدا کرنے کے مختلف طریقے ایجاد کیے اور ہنسی کا ایک عام نظریہ یہ ہے کہ ہمیں عدم ہم آہنگی یا ناہمواری و تضاد پر ہنسی آتی ہے۔

تحریف (پیروڈی) اصلاح کا ایک کامیاب حربہ ہے۔ تسلیم شدہ ادبی قدروں سے انحراف کرنے والے بے راہروادیوں کو راہ راست پر لانے کے لیے پیروڈی کا وسیلہ اختیار کیا جاتا ہے یا کیا جاسکتا ہے لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اعلیٰ اصلاحی مقصد ہی پیروڈی کا

محرک ہوتا ہے۔

کبھی کبھی دوسروں کی کمتری اور تذلیل ہمارے جذبہ خود پسندی کو تسکین دیتی ہے اور پیروڈی میں ہمارے لیے دلچسپی کا سامان فراہم کیا جاتا ہے لیکن ہر پیروڈی کا محرک اس کو قرار نہیں دیا جاسکتا ایسا ممکن ہے کہ انہی کی اکثر صورتوں میں یہ جذبہ شعوری یا غیر شعوری طور پر کام کرتا ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شاعر کے سامنے اس کے اشعار کی ہی پیروڈی پیش کی جائے اگر وہ عالی ظرف ہوگا تو ضرور اس سے لطف اندوز ہوگا۔ اس صورت میں کسی دوسرے کی تذلیل یا خود پسندی کے جذبے کی تسکین کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یعنی پیروڈی کبھی اصلاحی و تعمیری ہوتی ہے کبھی تفریحی اور کبھی تخریبی۔

چنانچہ پیروڈی کے مقصد کا تعین کرنے والوں میں خاصا بعد باہم ہے۔ بعض کے نزدیک تحریف کا مقصد نہ صرف معاصر ادیبوں کی بے اعتدالیوں کو روکنا اور ان کی اصلاح کرنا ہے بلکہ زندگی کی ناہمواریوں کو ہدف ہجو و طنز بھی بنانا ہے۔ دوسروں کے نزدیک تحریف صرف تفریح پر مبنی ہے اور اس کا مقصد بجز تفریح اور کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر داؤد رہبر کی رائے بڑی اہم ہے کہ ان دونوں گروہوں کو ایک طرح کا سمجھوتہ کر لینا چاہیے۔ وہ یہ کہ گروہ اول اصلاحی تنقید کی شرط چھوڑ دے اور گروہ ثانی تفریح محض کی۔ بعض اوقات تہجد کی غیر ضروری تیز دھار کو روکنے یا نئی بے راہ روی کو اعتدال پر لانے کے لیے پیروڈی ایک موثر وسیلے کا کام کرتی ہے اور کبھی کسی نمایاں اخلاقی یا اصلاحی مقصد کا حامل ہونے کی بجائے پیروڈی ایک دوسری اہم غرض یعنی زندگی کو توازن بخشنے کا فرض بھی انجام دیتی ہے۔ جب ہم جذباتیت کی رو میں بہتے ہوتے ہیں اپنے رجحانات اور میلانات کے یکطرفہ پن میں کھو جاتے ہیں اور اپنے خیالات و جذبات کی شدت پسندی میں اپنے نقطہ نظر کے علاوہ کسی اور نقطہ نگاہ کا تصور بھی نہیں کرتے، اس صورت حال میں پیروڈی ہمارے جذبات کی تقدیس پر ضرب لگاتی ہے، ہمارے معتقدات کے اصنام کو چکنا چور کر دیتی ہے اور ہماری اہمیتوں کے مقابلہ میں نہایت ہی غیر اہم چیزیں پیش کر کے ہمارے نقطہ نظر کی شدت پسندی کا مذاق اڑاتی ہے۔

پیروڈی ہجو کا ایک اہم مزاجیہ، تشفی بخش اور موثر طریقہ کار ہے۔ موضوع بیان اور طرز ادا کے اعتبار سے پیروڈی دو قسم کی ہوتی ہے۔ جب ہم پیروڈی کا تصور کرتے ہیں تو ہمارا ذہن اصل تخلیق اور اس کی تحریفانہ نقل کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس کی ظاہری حالت بالکل اپنی اصل



سے مشابہت رکھتی ہے۔ وزن، قافیہ اور بحر میں کوئی الٹ پھیر نہیں کیا جاتا۔ لیکن ان الفاظ کے پس پردہ خیالات میں نمایاں فرق ہوتا ہے بلکہ بالکل تضاد ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خفیف سی ظاہری تبدیلی لا کر معانی و مطالب میں ایک عظیم تبدیلی پیدا کر دی جاتی ہے۔ پھر اس کا انداز بھی مزاحیہ ہو جاتا ہے۔ فنی تحریف اور فکری تحریف کو اکثر الگ کر کے پیش کیا جاسکتا ہے۔

ہجو نگاروں نے تمام اہم موضوعات سخن کی تحریف کی ہے۔ صنف کی اہمیت کی مناسبت سے پیروڈی بھی زوردار، موثر اور مقبول بن جاتی ہے۔ سنجیدہ ادبی موضوعات کی ہجو پیروڈی کے ذریعہ کرنے کے دو نمایاں طریقے ہیں۔ ایک نظم رزمیہ کی مضحک پیروڈی اور دوسرے تقلیب خندہ آور (Burlesque)۔ رزمیہ نظم کی پیروڈی کرنے والا فنکار سنجیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ وہ پر شکوہ اور پاکیزہ الفاظ و انداز کا استعمال کرتا ہے۔ طرز ادا رفیع اور اعلیٰ ہوتی ہے جس میں انوکھی تشبیہوں کا التزام کیا جاتا ہے اور فن بلاغت کے دوسرے اصولوں کی پیروی کی جاتی ہے۔ ایسی بحریں استعمال کی جاتی ہیں جو اس صنف خاص کے سنجیدہ موضوع کے لیے ضروری اور مناسب ہیں۔ تحریف نگار بلند حوصلوں کا حامل ہوتا ہے۔ اس کا نصب العین بہت اونچا ہوتا ہے اور سنجیدہ اصعب کے قبول عام پر اسے رشک ہوتا ہے۔

عہد مغلیہ کے ایک ہندوستانی شاعر جعفر زٹلی نے ”رستم نامہ“ کے عنوان سے ایک رزمیہ مثنوی شاہنامہ فردوسی کے طرز پر نظم کی، اس مثنوی کی شان نزول یہ ہے کہ ایک موقع پر کوکلتاش خان نے غنیم کو سخت شکست دی اور بہت کچھ مال غنیمت پایا۔ مال غنیمت کا ایک نصف خزانہ شاہی میں بھیج دیا اور دوسرا حصہ سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ پچارے میر جعفر سپاہی تو تھے نہیں کہ کچھ ان کو بھی ملتا لہذا انہیں سخت رنج ہوا اور نواب کے حضور پہنچ کر عرض کیا کہ مجھ کو بھی حصہ دیجیے، جواب ملا کہ تم سپاہی نہیں، مرد میدان نہیں پھر حصہ کیسا؟ خیر، جعفر اس وقت تو خاموش ہو گئے مگر دوسرے دن اپنا تصنیف کیا ہوا ”رستم نامہ“ لے کر پہنچے اور نواب کی اجازت سے سنانا شروع کیا:

سن آن رستم وقت روئین تم	کہ وہ پاڑ پختہ را بشکنم
کنم روزن اندر چپاتی بہ تیر	بر آرم و ما را ز سر مور پیر
کشم گردن پشہ را در کند	گس چند را مندر آرم بند
پوشم اگر جوشن جنگ را	جزیت دهم پشہ لنگ را

قطار دوصد مور برہم زخم  
 قد ہیبت و خوف من درجہات  
 شگام بچنگال فالودہ را  
 بتاشہ بگرز گران بشکنم  
 کنم غرق انگشت در دال ماش  
 بر آرم بیک مشت از پنبہ گرد  
 کہ سازم نخل رستم وسام را  
 چہل خانہ موش دیران کنم  
 محلوہ و جغرات در وقت کار  
 تیرم سر شیر تصویر را  
 تراشم بدو ضرب یک موی پشم  
 بگورش کنم سینہ از خود سپر  
 چو گور خر آوازہ من بلند  
 کند نزع ز آواز دمساز من  
 کنم زہر پیوستہ در کام شوم  
 بردار بہ بلک درغار بہ  
 چو از باز و شاہین دل طائران  
 چو از ہیبت کیر نہ سالہ بکر  
 چو از گر بہ مرغی کہ کڑکڑ کند  
 گریزد چو از گردگان زاغ و فیل  
 لتیم است عبدالرحیم ستیم  
 کند شوم پنهان زر خود چو حیض  
 بہ سمت جناب سخی راہ کن

بصد حملہ بال گس برکنم  
 اگر بر زخم پیچہ در دال بھات  
 بدوزم برح و سان دودہ را  
 درین دور ثانی کہ رستم منم  
 بہنگام خشم و تردد تلاش  
 من آن شہسوارم کہ روز نبرد  
 چنان بکسلم رشتہ خام را  
 من آنم اگر اسب جولان کنم  
 چقر سازم از خنجر آبدار  
 اگر برکشم تیغ تدبیر را  
 تہمتن منم گرکشم تیغ خشم  
 نہ آنم کہ بگریزم گورخر  
 بنام و نشان جعفر دردمند  
 اگر بشنود شوم آواز من  
 قد لرزہ از من در اندام شوم  
 سر مسمکان بر بہ سردار بہ  
 بترسد دل شوم از شاعران  
 ز من شوم بگریزد از خوف فکر  
 چو بیند مرا شوم تھر تھر کند  
 اگر بنگرد صورت من بخیل  
 باین وصف آلودہ خون و ریم  
 سخن را زر و سیم دریای فیض  
 بیا جعفر این قصہ کوتاہ کن

عجیب اتفاق ہے کہ جب میر جعفر زٹلی یہ فخریہ رجز سنا رہے تھے اور لوگ اس سے

مخلوط ہو رہے تھے ٹھیک اسی وقت خبر آئی کہ مغلیہ فوج مغلوب ہو کر دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئی ہے۔ کوکلتاش خاں کو بڑا صدمہ ہوا اور ایسے بگڑے کہ میر صاحب کو نکلوا دیا اور میر صاحب کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ فارسی میں اس قسم کی پیروڈی کی بہت مثالیں ہیں۔ عبیدزاکائی کی مثنوی ”موش و گر بہ“ بھی ایسی ہی پیروڈی ہے جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

تحریف ہی کی ایک قسم تقلیب خندہ آور بھی ہے۔ تحریف کی طرح یہ بھی لفظی نقالی ہے لیکن جہاں تحریف کے پیش نظر بالعموم اصل کی تضحیک ہوتی ہے وہاں تقلیب خندہ آور کا مقصد سوا اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ کسی ادب پارے کو دوبارہ اس انداز سے پیش کیا جائے کہ مزاح کی تخلیق ہو سکے۔ اسٹیفن لیکاک لکھتا ہے:

"To Burlesque any thing means to make fun out of it, not of it(1)"

اور انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں اس طرح تحریر ہے (۲):

" A comic imitation of a serious literary work, in which heroes behave like clowns and gods, like the lowest men. It is closely related to parody in which the language and style of an author, poem or other work is mimicked, burlesque relies more on an extravagant incongruity between a subject and its treatment, and its effects are in general broader and coarser."

نیو آکسفورڈ ڈکشنری میں مر قوم ہے کہ پیروڈی کو کسی مصنف کی تخلیق تک محدود ہونا چاہیے اس طرح کہ ان کے پیش نظر اصل مزاحیہ انداز میں تنقید ہو لیکن تقلیب خندہ آور ایک وسیع تر چیز ہے جو کسی مصنف کے عام انداز یا کسی جماعت کی خاصی نہج کی نقل اتارتی ہے محض اس لیے کہ جذبہ مزاح و تمسخر کو تحریک ہو (۳)۔ تقلیب خندہ آور کا لکھنے والا عامیانہ الفاظ کا استعمال کرتا ہے اس کے عامیانہ الفاظ اور غیر جاذب تشبیہوں سے ہجو کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ یہاں فصیح و بلیغ زبان کا استعمال روا نہیں۔

حافظ کے بعد فارسی شاعری میں ایک سکون پیدا ہو گیا۔ ان کے بعد کے آنے

(1) - Humour and Humanity by Stephen Leacock, p.65

(2) - Encyclopaedia Britannica - Vol, iv, p.434

(3) - New Oxford Dictionary, p. 22

والے شعرا انہیں کی تقلید کرتے رہے مگر حافظ جیسی بات نہ پیدا ہوئی۔ البتہ دو شاعروں نے ہزل، ہجو اور ظرافت کے میدانوں میں خوب جولانیاں دکھائیں۔ انہوں نے تحریف کو اپنایا اور جو کچھ کہنا تھا اسی رنگ میں کہا۔ یہ ہیں عبیدزاکانی اور ابواسحاق اطعمہ۔

تحریف کی ابتدا فارسی میں عبیدزاکانی سے ہوئی اس نے اپنے زمانے کے اخلاق فاسدہ پر فقرے کسے اور بات سے بات پیدا کی۔ عبیدزاکانی نے تحریف کا سہارا لے کر بعض فارسی شعرا کے کلام کا اس طریقہ سے مضحکہ اڑایا ہے کہ خود ان شعرا کی تضحیک ہو سکے۔ براؤن کے قول کے مطابق ان تحریفات میں سے بیشتر نچلے درجے کی ہیں اور اہل فارس انہیں قدر کی نگاہوں سے نہیں دیکھتے۔ البتہ طنزیات و مضحکات کے ضمن میں عبیدزاکانی کی بعض تالیفات یقیناً قابل قدر ہیں۔ مثلاً ”اخلاق الاشراف“ میں انہوں نے زمانے کے پست اور غیر اخلاقی رجحانات پر زور دار طنز کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے تحریفات میں بعض چھپی ہوئی بے اعتدالیوں کو منظر عام پر لانے اور سماج کے بعض مخصوص میلانات کو ہدف طنز بنانے کی کوشش کی ہے۔ عبیدزاکانی کی دوسری تالیفات ”رئیس نامہ“ اور ”موش و گربہ“ بھی طنز و مزاح کے سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔

عبیدزاکانی کے بعد نویں صدی ہجری کے آغاز میں ابواسحاق اطعمہ شیرازی پیدا ہوا۔ یہ ایک اہم اور معروف تحریف نگار ہے۔ اس نے بہت سے فارسی شعرا کا کلام تحریف کیا ہے اور اپنی تحریفات میں التزاماً کھانوں کے نام گوائے ہیں اور طعام ہی کی رعایت سے اپنا تخلص ”اطعمہ“ اختیار کیا۔ اس نے اپنی تحریف میں نہایت اچھوتے انداز میں شاعروں اور صوفیوں پر چوٹیں کیں۔ اس کا کلام اکثر و بیشتر ”ہمہ اوست“ کے فلسفے کے خلاف ایک طرح کی بغاوت ہے۔ رضا قلی ہدایت لکھتا ہے کہ وہ شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی کا مرید تھا مگر اس کے باوجود اس نے ان کے کلام کی بھی تحریف کی۔ شاہ نعمت اللہ کا مشہور قطعہ ہے:

گوہر بحر بیکران مائیم      گاہ موجیم و گاہ دریائیم  
ما بدین آمدیم در دنیا      کہ خدای را بہ خلق بنمائیم  
اطعمہ نے اس کی یوں تحریف کی:

رہتہ لاک معرفت مائیم      گاہ خمریم و گاہ بغرائیم  
ما ازان آمدیم در مطبخ      کہ بہ مانچہ قلیہ بنمائیم

جب پیر طریقت نے اس سے پوچھا کہ کیا تو رشتہ لاک معرفت ہے تو اس نے جواب دیا ”جب میں اس قابل نہیں کہ اللہ کی باتیں کروں پھر میں نعمت اللہ (رزق) کی باتیں کیوں نہ کروں؟“

ابوالمحق کا لقب حلاج ہے۔ اور یہ پیشہ کا ڈھنیا تھا۔ ایک مرتبہ کئی روز تک شہزادہ اسکندر (تیور کے پوتے اسکندر بن عمر شیخ مرزا) کی مجلس میں حاضر نہ ہوا۔ اسکندر کے یہ پوچھنے پر کہ اتنے دن کہاں رہے؟ جواب دیا کہ ایک روز روئی دھنٹا ہوں اور تین روز ڈارھی میں سے روئی چنٹا ہوں (۱)۔ اور یہ شعر پڑھا:

منع مگس ام پشمک قندی کردن  
از ریش حلاج پنہ برداشتن است

طعام کے سلسلہ میں اس کی یہ رباعی بہت ہی دلچسپ ہے:

زرگس کہ شبیہ است بچشم خوش دلبر گویند کہ دراد طبقی سیم پر از زر  
در دیدہ اسحاق نہ زردارد و نی سیم شش نان تک دارد و یک صحن مزعفر

فردوسی رزمیہ نگاری کا بادشاہ ہے۔ اطمعہ نے فردوسی کے اسلوب کی تحریف کرتے ہوئے ایک ”جنگ نامہ مزعفر و بغرا“ لکھا۔ یہ نظم مضحک رزمیہ (Mock heroic) کی صنف سے تعلق رکھتی ہے جو انگلستان میں اواسط عہد و کٹوریہ میں بہت رائج تھی اور جس کے ذریعہ اس عہد کے تحریف نگار سابق رومانی تصانیف کا مضحکہ اڑایا کرتے تھے۔ اطمعہ کی یہ تحریف فردوسی کے کلام کی نہیں بلکہ اسلوب کی تحریف ہے:

بنام روان بخش روزی رسان کہ رزق آفرین ست پیش از روان  
مرتب کن قوت قبل از وجود پیابی وہ نغمہ از خوان جود  
خورانندہ مرغ وماہی ونان رسانندہ دستہا در دھان  
چنانش بہ روزی دہی اہتمام بود از سر لطف وانعام عام  
کہ چون طفل آمد ز مادر پدر غسل در دھان دید و روغن بہ سر

اس کے بعد مزعفر کے میدان جنگ میں جانے کا واقعہ ہے:

(۱) - مرآة الخیال، ص ۶۲۔

بہ شہدی پوشیرہ برنگی پوشیر  
 زنان کردہ بریان بہ پیش سپر  
 سر سفرہ فضل را باز کرد  
 کہ باد از زخم زخم کاچی بعید  
 بہ ماتم رسیدہ در آرم سرور  
 زمن چاشت آید حضوری بجمع  
 کہ در سفرہ ام حلقہ چہی روزن است  
 روان بر کند چشم بغرا ز سر  
 دگر از خراسان بخواید مدد  
 کہ گریند بروی ہمہ دوستان

در آمد مزعفر بہ میدان دلیر  
 زخوف گزند و زبیم ضرر  
 دران جمع مدح خود آغاز کرد  
 بگفتا منم سفرہ آرا بعید  
 بجمع عروسی دہم شرح نور  
 زمن می رسد شام نوری بہ شمع  
 ازان سفرہ نان زمن روشن است  
 اگر مرغم از بیضہ آید بدر  
 اگر از ہری لشکر آرد نخود  
 چنانش فرستیم برسیستان

ابوالحق کی ایک مثنوی شیخ سعدی کی مثنوی کے جواب میں ہے۔ شیخ نے منائزہ و سوال

و جواب کے پیرایہ میں جنگی واردات کا نقشہ کھینچا تھا اطعمہ کی مثنوی کا آغاز ان ابیات سے ہے:

چون نشست افتاد اورا مشکلی  
 مرغ و ماقوت و مزعفر در میان  
 مان و بریان دست با ہم در کمر  
 رختہ و لوزینہ ہم زانوی ہم  
 کز بیانش عقل کل سرگشتہ بود  
 پایش از سر سر زپا پیدا نبود  
 چون فقیری در میان منعمان  
 روغنش چو خون اندر رکان  
 محرم ہر صاحب اسرار آمدہ....

برکنار سفرہ صاحب دلی  
 لوت خاران دید پیرامون خوان  
 قلبہ پیش ماستہا بنہادہ سر  
 فرنی و پالودہ رو در روی ہم  
 در میان قوتی بہم برگشتہ بود  
 چرب و شیرین بود و از حلوہ نبود  
 اجنبی افتادہ بر خوانی چنان  
 سر بر اجزای او بی استخوان  
 چرب و نرم و گرم و خوشخوار آمدہ  
 سعدی کے مشہور بہاریہ قصیدہ کا مطلع:

خوش بود دامن محرا و تماشاہی بہار

بامدادان کہ تفاوت نکند لیل و نہار  
 اطعمہ کی تحریف:

پیش من جز قدح بورک پر سیاہ مبار

بامدادان کہ بود از شب مستقیم شمار

سعدی:

آنکہ باشد کہ نبندد کمر طاعت او  
جای آنست کہ کافر بکشاید ز نار  
اطعمہ:

کافراز جوشش ز نارج بہ بیند در جوش  
جای آن است کہ در دم بکشاید ز نار

سعدی:

ارغوان ریختہ بردر گہ خضرای چمن  
ہچنانست کہ بر تختہ دیا دینار  
اطعمہ:

اندر ان لحظہ کہ نان کردہ بسر سفرہ نہند  
بہ از انست بر تختہ دیا دینار

سعدی:

تواضع ز گردون فرازان نکوست  
گدا گر تواضع کند خوی اوست  
اطعمہ:

شکم پر ز حلوہ و بریان نکوست  
عدس گر شکم بر کند خوی اوست

اسی طرح خواجہ حافظ کے اشعار کی پیروڈی لطف سے خالی نہیں۔

حافظ:

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا  
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را  
اطعمہ:

بہ پیشم گر فراسانی گر آری صحن بخرارا  
بیوی قلیہ اش بخشم سمرقند و بخارا را

حافظ:

یار اگر نشست بانہیت جای اعتراض  
پادشاهی کامران بود از گدایان عارداشت  
اطعمہ:

گر مزعفر باعدس نشست جرم سفرہ نیست  
پادشاهی کامران بود از گدایان عارداشت

حافظ:

گوشہ گیری و سلامت ہو سم بود ولی  
فتنہ ری میکند آن زرگس فتان کہ پیرس  
اطعمہ:

روزہ داری و قناعت ہو سم ہست ولی  
چشمکی میزند آن برہہ بریان کہ پیرس

حافظ:

کس بامید و فاترک دل و دین مکناد  
کہ چنانم من ازین کردہ پشیمان کہ پیرس  
اطعمہ:

کس بہالای مزعفر مکناد آتش تراش  
کہ چنانم من ازین کردہ پشیمان کہ پیرس

حافظ:

جہان و کار جہان جملہ ہیج درہچست  
ہزار بار من این نکتہ کردہ ام تحقیق  
اطعمہ:

بغیر قلبہ برنج این طعامہا ہچست  
ہزار بار من این نکتہ کردہ ام تحقیق

خاقانی:

پس از سی سال این معنی محقق شد بہ خاقانی  
کہ سلطان نیست درویشی و درویشی است سلطانی  
اطعمہ:

پس از سی سال بوالحق شد تحقیق این معنی  
کہ بورا نیست باد نجان و باد نجان بورانی

اطعمہ کے ذیل کے دو اشعار بھی دلچسپی سے خالی نہیں:

من آن نیم کہ ز حلوا عنان بگردانم  
کہ ترک صحبت شیرین نہ کار فرہاد است

خور در رواق ازرق چون رونہد بہ زردی  
یاد آیدم مزعفر در سخن الا جور دی

یورپی معیار پر رکھتے ہوئے ایک لحاظ سے اطعمہ کو صحیح معنوں میں تحریف نگار سمجھا جاسکتا ہے اس لیے کہ اس کے یہاں فکری تحریف و تنقید کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ عنصر



پوری طرح ظہور نہیں پاسکا۔ اس نے متقدم عارفانہ شعرا کے کلام یا فکر پر صاف لفظوں میں تنقید نہیں کی لیکن اس کی تحریفات میں تنقید مضمربے اور جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا گیا اطمعہ کی تحریف نگاری دراصل صوفیانہ اور ہمہ اوستی کے خلاف ایک بغاوت تھی۔

ابوالحق کے متعلق ایک قصہ مجمع الفصحی میں بیان ہوا ہے کہ یہ شاہ نعمت اللہ کرمانی کا مرید تھا اس کے باوجود اس نے ان کے کلام کی تحریف کی۔ اس تحریف پر شاہ کے سوال اور اطمعہ کے جواب میں یہ اعتراض مضمربے کہ ابوالحق روحانی بلند فکری کی ہمت نہیں رکھتا بلکہ یہ طنز بھی پوشیدہ ہے کہ عارفین صرف دکھاوے کے عارف ہیں اور خدا تک پہنچنا ان کے بس کی بات نہیں۔ اس کا کلام دیکھنے پر ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ نعمت اللہ اور دیگر عارف شعرا کی تحریفات کا محرک صرف نقطہ نظر کا اختلاف تھا۔ جب ان بزرگوں نے ترک دنیا، ریاضت، عشق مجازی و حقیقی، وجدان اور تصوف کے مسائل پر خامہ فرسائی کیں تو ابوالحق نے اپنا گریزی رد عمل پیش کیا اور اس نے اکل و شرب و دنیا پرستی کو مقصد زندگی قرار دے کر اس نظریہ کی وضاحت کی کہ ”زیستن از بہر خوردن است“ اور یہ کہ ”خوردن برای زیستن، و ذکر کردن است“ گویا جسمانی خواہشات کی تکمیل مقدم ہے اور روحانی فکر کا جھمیلا غیر ضروری۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جہاں ابوالحق نے شاہ نعمت اللہ، سعدی و حافظ وغیرہ کی غزلوں کی زمین بھی اپنی تحریفوں میں قائم رکھی اس کے باوجود نقطہ نظر بالکل مخالف پیش کیا وہیں اس کی ظرافت تحریف شدہ نظموں کے تعلق سے آزاد ہے۔ یعنی اگر کوئی بے ذوق شخص ان بھدی تحریفوں سے لذت اندوز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کے لطف میں تحریف شدہ تصنیف کی واقفیت بجز ایک طفلانہ مسرت کے کچھ اضافہ نہیں کر سکتی، کیونکہ اصل اور تحریف کے درمیان سوائے اس کے کچھ علاقہ اور نسبت نہیں کہ دونوں کی زمین ایک ہے اور تحریف میں کوئی ایسی چیز نہیں جو تحریف شدہ کلام کی طرف ہماری توجہ منعطف کرائے۔ حالانکہ تحریف کا بنیادی عنصر یہی ہے کہ وہ اصل کی طرف شدت سے ہمیں متوجہ کر دے اور مزید برآں اس کی خصوصیات کی طرف بھی۔

اطمعہ نے چھبیس سے زیادہ مشہور فارسی شاعروں کا کلام تحریف کیا ان تحریفات میں قصائد، غزلیات اور قطعات وغیرہ تمام اصناف کے نمونے شامل ہیں۔ اس کی تحریفات تمام تر طفلانہ ہیں۔ اطمعہ کی تحریفات کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ پیروڈی کا کوئی بلند نمونہ

پیش نہیں کرتیں۔ اطعمہ کی بیشتر تحریفات اس کی کتاب ”کنز الاشہا“ میں موجود ہیں جسے مرزا حبیب اصفہانی نے ۱۸۸۵ء میں شائع کر لیا ہے۔ اطعمہ نے خاص طور پر خواجو، عماد فقیہ، حافظ، سلمان، حسن دہلوی، رومی، کمال بخندی، انوری، عطار، نعمت اللہ کرمانی، عبید زاکانی اور نظامی وغیرہ کے اشعار کی ہزیلہ تحریفات نظم کی ہیں۔ بے جا نہ ہوگا اگر خیام کی رباعی ذیل کی تحریف بھی نقل کی جائے:

خیام:

ای در رہ بندگیت یکسان کہ ومہ  
کبکب توستانی وسعدت تو وہی  
در ہر دو جہان خدمت در گاہ تو بہ  
یارب تو بہ فضل خویش بستان و بدہ

اطعمہ:

ای بر سر سفرہ ات صلائی کہ ومہ  
کاپچی توستانی و مزعفر بدھی  
درخان تو گشتہ مرغ و ماہی فر بہ  
یارب تو بہ فضل خویش بستان و بدہ

اطعمہ نے تو پھر بھی ایک نیا راستہ نکالا، لیکن فارسی زبان کے تیسرے تحریف نگار یعنی البسہ نے محض اطعمہ کی نقل پر ہی اکتفا کیا۔ فرق صرف یہ تھا کہ جہاں اطعمہ تحریف کرتے ہوئے مختلف کھانوں کا نام لیتا ہے وہاں البسہ نے مختلف لباسوں کے نام لینے شروع کیے اور اسی نسبت سے اپنا تخلص ”البسہ“ رکھا۔ البسہ کا نام نظام الدین محمود قاری یزدی ہے۔ البسہ کی تحریفات میں اطعمہ جیسی جدت طرازی اور شوخی بالکل نہیں، اس کے اکثر اشعار پھس پھسے، بے جان اور بے مزہ ہیں۔ ذیل میں اس کے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

سعدی:

آنکہ باشد کہ نبندد کمر طاعت او  
جای آنست کہ کافر بکشاید ز تار  
اطعمہ:

کافراز جوشش زنانج بپند در جوش  
جای آنست کہ در دم بکشاید ز تار  
البسہ:

کافر اردامک شلوار زر افشان بندد  
جای آنست کہ در دم بکشاید ز تار

حافظ:

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا  
بہ خال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

اطعمہ:

بہ پیشم گر خراسانی گر آری صحن بخرارا  
بہوی قلبہ اشن بخشم سمرقند و بخارا را

البسہ:

ز تبریز ارگلیسی نازک آری در برم مارا  
بنقش آوہ اش بخشم سمرقند و بخارا را

اطعمہ کی تقلید میں البسہ نے بھی ”جنگ نامہ صوف و کچا“ لکھا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

بنام خطا پوش امروزگار	کہ صد تار عیبت بر جرم کار
فلندہ قبا کحلی آسمان	ز فضلش ببر خلعت زرفشان
یکی راکند صوف و اطلس لباس	یکی را دھد پوستک با پلاس
گر آنست تشریف احسان اوست	در انیست بدرخت و عریان اوست... الخ

البسہ کا دیوان پابندی سے اطعمہ کے دیوان کی تعقیب کرتا ہے۔ اطعمہ اور البسہ میں وہی فرق ہے جو ایک نقال اور ایک سرہلانے والی بڑھیا میں ہے۔ ابوالحق چابک دست نہیں تاہم زندہ ہے اور الہام و ایجاد کے مادے سے بہرہ مند ہے۔ نظام الدین البسہ کا ٹھہکا پتلا ہے جو اپنا سر تو ہلاتا ہے لیکن نقل میں ظریفانہ تنوع اور پر لطف مبالغہ پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ نظام الدین البسہ، ابوالحق اطعمہ کا نقطہ نظر بالکل نہیں سمجھ سکا۔ البسہ نے اپنے دیوان کے آخر میں ایک مناظرہ ”طعام و لباس“ قائم کیا ہے جس میں لباس کی فتح ہوتی ہے۔

اکبرالہ آبادی سے قبل ہندوستان میں قلم پروازوں کے ذہن میں تحریف نگاری کا موہوم سا تصور بھی موجود نہ تھا۔ اگر خود فارسی میں تحریف نگاری زیادہ مقبول و معروف ہوئی تو یقیناً ہندوستان کے فارسی شعر اور اردو شعر ادوسرے اصناف سخن کی طرح اس صنف کا چربہ بھی فارسی سے اتار لیتے۔ اکبرالہ آبادی نے تضمین و تحریف دونوں میں طبع آزمائی کی۔ ان کی تحریفات کی لطافت کا سب سے بڑا ازان کے قافیوں کی غرابت آمیز شگفتگی ہے۔ ذیل کے قطعہ میں حافظ کے شعر کی تضمین و تحریف یکجا ہیں۔ مقابلہ کی غرض سے اکبر کی تحریف

کے ساتھ ساتھ اطعمہ اور البسہ کی تحریفات بھی بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:  
حافظ:

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند  
چنان نماند و چنین نیز ہم نخواہد ماند  
من ارچہ در نظریار خاکسار شدم  
رقیب نیز چنین محترم نخواہد ماند  
اکبرالہ آبادی:

بگو بہ سیٹھ کہ اورا بھرم نخواہد ماند  
بگو بہ برہمن اورا دھرم نخواہد ماند  
من ارچہ در نظریار خاکسار شدم  
رقیب نیز چنین محترم نخواہد ماند  
اطعمہ:

بخوان اطعمہ از بیش و کم نخواہد ماند  
چونان نماند عدس نیز ہم نخواہد ماند  
اگرچہ دینہ بدیگ مقلیبا شد خوار  
مبار نیز چنین محترم نخواہد ماند

البسہ:

نشان پوشی و نقش علم نخواہد ماند  
نماند بندقی و ریشہ ہم نخواہد ماند  
اگرچہ در بر کرمان شد است زیلو خوار  
حقیر نیز چنین محترم نخواہد ماند

عبیدزاکانی، اطعمہ اور البسہ کے علاوہ فارسی زبان میں اور کوئی قابل ذکر تحریف نگار نہیں، جدید ترین فارسی ادب میں صحیح پیروڈی کی طرف رجحان ہونے لگا ہے۔ اس ضمن میں مرزا ابوالحسن خندق یغما، مرزا جلال الدین اور ذبیح اللہ بہروز کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

## (۲) رعایت لفظی (Pun)

ہزل اور ہجو کا ایک کارآمد حربہ زبان و بیان کی بازیگری ہے۔ لفظی بازیگری سے مزاح پیدا کرنے کے کئی طریقے ہیں جن میں تکرار (Repetition) ایک پرانا طریقہ ہے۔ مگر اس ضمن میں جس طریقہ اظہار کو ازمنہ قدیم سے اہمیت و قبولیت حاصل رہی ہے وہ رعایت لفظی کے نام سے مشہور ہے۔ ایک لفظ کے دو یا اس سے زیادہ معنوں میں نکتہ سنانہ استعمال کی

بازیگری رعایت لفظی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو الفاظ صوتی اعتبار سے متجانس ہوتے ہیں اور ان سے رعایت لفظی کی خدمت لی جاتی ہے۔

رعایت لفظی کا مقصد یہ ہے کہ کسی لفظ کو اس انداز سے استعمال کیا جائے کہ ناظر کو اس لفظ کے دو مختلف مطالب کا احساس ہو جائے۔ چنانچہ اس کی مدد سے بالعموم ایسی بات کہی جاتی ہے جو اگر عام انداز سے ادا ہو تو ایک شدید تردد عمل کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلے۔ لیکن رعایت لفظی کے لیے جدت شرط ہے ورنہ تکرار سے بالعموم اس کی مزاحیہ کیفیت انحطاط پذیر ہو جاتی ہے۔

لفظی بازیگری کے بہت سے نمونے ہمیں مضحکہ خیز املا سے مزاح کی تخلیق میں ملتے ہیں لیکن اس کا افق اس وجہ سے محدود ہے کہ یہاں مضحک پہلو تک صرف ہماری آنکھ ہی رسائی حاصل کر پاتی ہے۔ ان کے علاوہ لطائف سے پیدا ہونے والا مزاح بھی بڑی حد تک الفاظ ہی کا رہن منت ہوتا ہے کہ یہاں الفاظ کی بچت سے مضحک نکات کو بڑی تیزی اور شدت سے پیدا کیا جاتا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی لفظی بازیگری کے یہ تمام نوکیلے لیکن مضحک نکات بذلہ سنجی کے زمرہ میں شامل ہیں۔ بذلہ سنجی اور مزاح کے فرق کو ڈاکٹر وزیر آغانے یوں بیان کیا ہے ”بذلہ سنجی کو مزاح وہ جو سے باسانی متمیز کیا جاسکتا ہے وہ اس طرح کہ مزاح ایک کیفیت ہونے کے باعث سارے کے سارے ادب پارے میں ایک برقی رو کی طرح سرایت کر جاتا ہے۔ اور ہم جس مقام سے اسے چھولیں برقی رو ہمیں صاف طور پر محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ مزاح کو علیحدہ کر کے دکھانا مشکل ہے۔ دوسری طرف اگرچہ بذلہ سنجی کا نمایاں ترین عنصر مزاح ہے اور اسی لیے مزاح نگار سے حربے کے طور پر استعمال بھی کرتا ہے تاہم بذلہ سنجی کا رشتہ الفاظ کے ساتھ اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ مزاح کے برعکس یہ علیحدہ کر کے بھی دکھائی جاسکتی ہے۔“

فارسی شعر اپنی بذلہ سنجی کی وجہ سے رعایت لفظی کا بڑا ستہ استعمال کرتے ہیں، انہیں خوب معلوم ہے کہ اس رعایت لفظی اور ذومعنین الفاظ یا ہم صوت الفاظ کی مدد سے تمسخر و لطیفہ اور چٹکے کی تخلیق کس طرح ہوتی ہے اور یہ کتنے دیرپا اثرات کا حامل ہوتا ہے؟

تجنیس، صنعت لفظی کی مشہور قسم ہے اس میں الفاظ کی بازیگری کے بہت سے طریقے ہوتے ہیں مثلاً تجنیس تام، پھر اس کی بھی چار قسمیں بیان ہوئی ہیں، (۱) مماثل، مستونی تجنیس مرکب، تشابہ و مرکب مفروق (۲) تجنیس مضارع و لاحق (۳) تجنیس ناقص و زائد (۴) تجنیس القلب، تجنیس خطی، تجنیس مکرر یا مزدوج۔ ذیل میں چند مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔

## نعمت خان عالی

ہجو زمانہ

درین ملک خراب امروز کس رائیست سامانی  
 بسر حدی رسیدہ خلق را افلاس و ناداری  
 سپاہی ہم بمیدان قناعت میکند جولان  
 طبیب از علم طب دریادی دارد ہی معنی  
 منجم رانہ شد غیر از فلاکت از فلک حاصل  
 ز فکر مفلسی رمال از بس ریش خود کندہ  
 نباشد آنقدر سرمایہ ہم جراح مسکین را  
 چو طفل نی سوار از بہر روزی میدود کاتب  
 شدہ صباغ از رنگی برنگی ہر دم از خجلت  
 نماندہ پیش شماعی بہای رشتہ شمع  
 ندارد باغبان مشت دزی چون غنچہ دلنگ  
 رسد باجان سپاری کار تنبولی زبی برگی  
 تنور آسا بخاکستر نشیند نان باز این غم  
 نہ نقدی ہست و نی جنسی دلی دلال بازاری  
 دروگر آڑہ را از خانہ خود راند از خست  
 زخامی می پزد سودانمی یابد چو باورچی

چون گنج افتادہ اند اہل ہنر در کین ویرانی  
 کہ معنی ہم ندارد این زمان حرف نژدانی  
 ز شمشیر و سپردارد دی آبی لب نانی  
 نباشد خوبتر از شربت دینار درمانی  
 ز ضعف جوع بیند قرص مہ را گردہ نانی  
 نمودہ باد دستی لحمیہ (۱) اش را شکل لہجانی  
 کہ بر زخم دل خود سرنگون سازد نمکدانی  
 نہ کلک خود کمیتی دارد واز صفحہ میدانی  
 کہ نعمتہای الوان رفت و محتاجم بیک نانی  
 مگر از عشق بازان دام گرد رشتہ جانی  
 برنگ گل ازین غم چاک زد ہر دم گریبانی  
 برای سر خروکی چون نہ دارد بیرہ پانی  
 کہ از افتادن نان بر سرش افتادہ تاوانی  
 برای خود فروشی داند ہر روز دکانی  
 مگر بر ریزہ خوانش نمودہ تیز دندانہ  
 برنج و روغن و سیر و پیاز و مرغ حلوانی

### مہر نوشیر وان کوکا

بازی شطرنج (۲)

بیا یار شطرنج بازی کنیم  
 برین عرصہ گردن درازی کنیم

(۱) - لحمیہ بمعنی داڑھی اور لہیان جس شخص کی داڑھی لمبی ہو۔ لہیان سے مراد رمل میں نیہ نشان بھی ہے جو زحل سیارہ کا نشان ہونے کی وجہ سے میمون و مسعود تصور کیا جاتا ہے۔

(۲) - Wit, Humour and fancy of Persia, P. 177-

گروہ سپاہان جنگی برآن  
 درین معرکہ بہو جنگ آمدہ  
 وزین لغز تر بشنو این داستان  
 ہمانا بمیدان ہمہ لشکر است  
 چوشد آشتی جملہ بی جان بوند  
 براسپ (۳) و جوشان میان سپاہ  
 ولی چیرہ دستی بدستان (۴) بود  
 ولی شاہ (۵) رخ گشتہ معجز نمای  
 پیادہ (۶) شوند اندرین کارزار  
 سپہ راہمہ کروفرزین شود  
 بمیدان ہنر ہای خویش آزمای  
 ویا برسر شاہ ماتم کنی  
 نشاید پریشانی دل ز مات  
 دواسپ ارچہ داری دواسپہ متاز  
 نہ پیچید باید جو ماری ترا  
 کہ نیست آخر آن مہرہ گردنت  
 نشاید کہ رنجہ دل تو بسی  
 کہ لازم بود انس را کیشٹ خورد  
 همان چون تو در باختی رخ متاب  
 الا تانہ بگذاری از دست برد  
 کز اصرار گردد در بستہ باز

زہی عرصہ فرشی دورنگی بران  
 دو لشکر ز روم و زرنگ آمدہ  
 ندارم ز تیر و نہ تیغ و سنان  
 کہ ہر یک سپہ گرچہ خانہ (۱) دراست  
 ہمہ کس گہ رزم جنبان بوند  
 بہین ہیلتن (۲) را درین رزمگاہ  
 درین جا ہجوم دلیران بود  
 درین رزم تیمور را نیست جای  
 نشاید کہ فرزین و شاہ و سوار  
 پیادہ تواند کہ فرزین (۷) شود  
 کی زین دو لشکر بگیر و بیای  
 بیفتد کہ تو شاہ ماتم کنی  
 بازی بہ بنی بسی واقعات  
 تفکر کن اول بسی و باز  
 اگر مہرہ ای گم کنی در دعا  
 چو گم گشت مہرہ چہ غم کردنت  
 شہت را اگر شہہ بگوید کسی  
 چہ جای غم است ار شہت کشت و خورد  
 تو بازی اگر باختی رخ متاب  
 چو بہرہ نباشد ترا دست برد  
 چو از دست شد بازیت باز باز

- (۱) خانہ = شطرنج کا خانہ، (۲) ہیلتن = ہاتھی جیسا جسم والا، رستم کا لقب اور شطرنج کا ایک مہرہ "پیل"۔  
 (۳) اسپ = شطرنج کا ایک مہرہ۔ (۴) بدستان = رستم کے باپ زال کا لقب اور بمعنی عیاری و فریب۔  
 (۵) شاہ رخ = تیمور کا چوتھا لڑکا اور شطرنج میں ایسی چال جس سے شاہ اور وزیر دونوں پر ضرب آئے۔  
 (۶) پیادہ = شطرنج کا ایک مہرہ پیدل چلنا۔ (۷) فرزین = شطرنج کا ایک زبردست مہرہ اسے وزیر بھی کہتے ہیں۔

## وادی حیرت

ذیل کے اشعار میں فارسی اور انگریزی کے ہم صوت الفاظ کی بازیگری دکھائی گئی ہے جس سے ایک صنعت خاص کا التزام ہو گیا ہے جسے ”ماحق“ کہتے ہیں۔ انہیں فارسی سمجھ کر پڑھنے سے کچھ عجیب باتیں پیدا ہو جاتی ہیں لیکن اگر انہیں انگریزی الفاظ مان لیا جاتا ہے تو اصل معنی سامنے آتے ہیں:

شخصی از ایران بہ لندن شد روان	ہم در انجا ماند چندین آن جوان
چون زبان اہل آنجا یاد کرد	پیش یاری زان زبان فریاد کرد
گفت کہ این جامور (۱) را گفتار ہست	اسپ چابک بر سر ہر کار (۲) ہست
گاؤ بر ہر طرف می باشد چران	ملک (۳) می بخشد بہ جملہ مردمان
گلبن این جاہد (۴) نمادر گلشن است	زن چو خامش گشت آنکہ دم (۵) زنت
شادمان وقت سمر (۶) ہر کس بود	عاشقان را ذوق ہستی بس (۷) بود
پاس (۸) داران را بود ہر جای بار	باربر (۹) رامو تراشی گشت کار
عاقلان را گوش بر سر من (۱۰) بود	وزن دہ کس کم ترازیک تن (۱۱) بود
فارس (۱۲) اینجا میتوان دیدن عیان	روم (۱۳) ہم پیدا است اندر ہر مکان
میکساران را بود بابار (۱۴) کار	مرد پیل (۱۵) اقلن بود نارنج خوار
می فروش ارم (۱۶) کند ماند بجا	تیر زن بر ربط (۱۷) زند باشد روا
لنگ (۱۸) باید دم عدم باشد روان	در تکلم تنگ (۱۹) میگردد جہان
کف (۲۰) زند خیاط ما بر آستین	شرط (۲۱) کردن عادنش دان بچنین
مردوزن را جامہ باشد پرز سیم (۲۲)	ہم دلاور را بود در خانہ تیم (۲۳)

(۱) مور = (چنیوٹی) ant (۲) کار = Car (۳) ملک = milk (۴) بد = bud (۵) دم زن = dumb (۶) سمر = summer (۷) بس = buss (۸) پاس = pass (۹) باربر = barber (۱۰) سر من = sermon (۱۱) تن = ton (۱۲) فارس = farce (۱۳) روم = room (۱۴) بار = bar (۱۵) پیل = peel (۱۶) روم = rum (۱۷) ربط = butt (۱۸) لنگ = Lun (۱۹) تنگ = beam (۲۰) کف = cuff (۲۱) شرط = shirt (۲۲) سیم = seam (۲۳) تیم = beam



پیشہ ور را طول (۱) میآید بکار  
 لاف (۳) کان نیز دزن فن (۴) خرم دلی ست  
 چونکہ از بزم طرب خیزد سرود  
 از دھان توپ زاید بوم (۸) و پیل (۹)  
 گر طبیعی مرد را بخشد شفا  
 گر کسی بانو بگوید سینہ پیچ  
 ہم مدار از کار داند دست پاک  
 چون بگور اندر سپہد پست شد  
 وقت باران پوآل یابی جا بجا  
 گز بنواہم یار را دعوت کنم  
 نیم پختہ گوشت اندردن بود  
 گرسنہ را میل گشتہ آشنا  
 بادہ شد انگور چون وی گشت مست  
 سطور زیریں میں چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن میں رعایت لفظی کا احترام کرتے ہوئے ہجو گوئی اور طنز و طعن کا پہلو بھی نکالا گیا ہے:

امیر خسرو:

زر بخش حدیث . بدرہا کن  
 نظم تو چکان است نیک تر گوہر بار  
 سعدی دکنی:

سعدی درین دیار تو مرد مسافری  
 سعدی تو جوہری و سخنان تو گوہرند  
 ”باکس سخن مگوی کہ گجراتیان زنند“  
 ارزاں ازان فردش کہ گجراتیاں خرنند

See o = بست (۵) fun = فن (۴) laugh = لاف (۳) rung = رنگ (۲) tool = طول (۱)  
 peal = پیل (۹) boom = بوم (۸) rude = رود (۷) mur mur = مرمر (۶) root = روت (۱۰) وغیرہ۔

نامعلوم:

مادرت را هزار بوسه زدیم      بدرت کس نبود الا من  
قاضی بیایغ رفت وہم اوروزہ دار بود      شہوت خورد و روزہ قاضی بجا بماند

میر عبدالحق استر آبادی:  
ہمی گشت در شہر شخصی ز جرجان      کہ قاضی شود صدر راضی نمیشد  
برشوت خری داد تاگشت قاضی      اگر خرنمی بود قاضی نمیشد

سلمان ساوجی:

مطربارہ طرب خوش بز ن امروز کہ نیست      جز تو در عہد شہنشاہ جہان راہ زنی

کمال جندی:

بما ان صوفی بہریدہ بنی      بغیر از عجر و مسکینی ندارد  
نشايد جرم خود بنی بروست      کہ آن بی چارہ خود بنی ندارد  
ذیل کی دو مثالوں میں قواعد کی ساخت ایسی ہے کہ ہر شعر ذو معنیں ہو گیا ہے جو  
ایک دوسرے کا مخالف ہے:

ای خواجه ضیا شود ز روی تو ظلم      با طلعت تو سور نماید ماتم

دیگر:

موجود باقبال تو معدوم شود      وز سایہ مہر تو ہما بوم شود  
آباد ز کردار تو گردد ویران      سرور ز دیدار تو مغموم شود

اشعار ذیل کے دو باہم مختلف معانی قراءت کرنے کے انداز پر منحصر ہے:  
شخصی بسمجد آمد و گفتا خدا ددیت      لعنت بر آن کسی کہ بگوید خدا یکیت  
از در شاہ نجف روی نگردان صائب      ہر کہ دور است ازین در بخدا نزد یکیت

ذیل کی مثالوں میں فارسی لغات کو ہندی لغات بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ رعایت  
لفظی کی یہ بہت اچھی مثالیں ہیں:

امیر خسرو:

رفتہ بتاشای کنار جوی  
گفتم صنما بہای زلفت چہ بود  
گفتم کہ درین خانہ مامون تو باشم  
شوخی ہندوبہ بین اودین برد از خاص وعام

دیدم بلب آن زن ہندوئی  
فریاد بر آورد کہ ”دُر دُر موئی“  
گفتا کہ درین خانہ بلائیت ممانی  
رام من ہر گز نشد ہر چند گفتم رام رام

حجام پسر بخوبی و رعنائی  
گفتم صنما کہ من بیایم بر تو

چون آئینہ رخ نمود در زیبائی  
فریاد بر آورد کہ ”نائی نائی“

دی تنبولی تنبولی پسر عیاری میکرد  
اوپان بخلق میسپرد وہمہ خلق

یک یک بدکان برگ شماری میکرد  
در پیش دکانش ”جان سپاری میکرد“

پنبہ دھنان چہ خوبروئی  
از ہر طرنی ترا بچستم

وی چہ ذقا کدام ”کوئی“  
سوزن پکا کدام ”سوئی“

کسی قطعہ میں رعایت لفظی کا ایک سلسلہ وار استعمال اشتراک کہلاتا ہے:

کشتی و عمر ہر دو درگذراند  
شجرہ و دزد ہر دو بردارند  
شاعر و حاکم اہل دیواند  
سرو و آزاد ہر دو بی بارند  
آتش و زلف یار در تابند  
جوی و شمشیر ہر دو با آہند

شاہد و زرگرین دو سیم براند  
کف و سالار ہر دو سردارند  
بندہ و خواجہ زیر فرماند  
رشتہ و تیر ہر دو با تارند  
جوی و شمشیر ہر دو با آہند

شہاب ترشیزی نے لفظ کلانتر سے رعایت لفظی کا فائدہ اٹھایا ہے:

آن کلانتر ز عزیزی پرسید  
زین خران جملہ کدای بخرم

کہ مرا آرزوی خر باشد  
گفت آن خر کہ کلانتر باشد

## (۳) مبالغہ (Hyperbole)

ہجو اور ہزل کی اثر آفرینی میں مبالغہ اور اس کی مختلف قسموں نے بڑی نمایاں خدمت انجام دی ہے اور شعرا نے اس کے استعمال سے اپنی بذلہ سنجی اور طباعی کا ثبوت دیا ہے۔ کسی بات کے بیان کرنے میں حد سے زیادہ بڑھ جانے کو مبالغہ کہتے ہیں۔ اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ تبلیغ، اغراق اور غلو۔

تبلیغ میں کسی شخص یا چیز کی ایسی صفت بیان کی جاتی ہے جو عقل و عادت کے مطابق ہو۔ اغراق میں ایسی صفت بیان کی جاتی ہے جو عقلاً ممکن ہو لیکن عادتاً ناممکن، یعنی عادتاً پیدا و قوی ہو۔ قاآنی اپنے ایک شتائیہ قصیدہ میں موسم سرما کے ذمائم یوں بیان کرتا ہے: (۱)

سردی دی را نظارا کن کہ بجز	ہچو تیخ افسردہ گشتہ آتش سوزان
شعلہ آتش جدا نکشتہ ز آتش	طعنہ زند از تری بقطرۃ باران
خون بعروق آنچنان فسرده کہ گوئی	شاخ بقم رستہ است از رگ شریان
توشہ صدسالہ یافت خاک مطبق	بسکہ برو آرد ریخت ابرز انبان
مغز بستخوان چنان فسرده کہ گوئی	تعبیہ کردند سنگ خارا بستخوان۔ الخ

کمال اسمعیل نے برف باری کی مذمت کرتے ہوئے اغراق سے کام لیا ہے:

ہرگز کسی ندید بدیشان نشان برف  
گوئی کہ لقمہ نیست زمین اردھمان برف۔ الخ  
غلو:

ایسی صفت جو عقل و عادت دونوں کے خلاف ہو اس کی دو قسمیں ہیں: غلو سے مقبول اور غلو سے مردود۔ غلو سے مقبول وہ ہے جس میں شاعر یا نویندہ تشبیہ گمان یا وہم کی لفظی دلالت پیش کرے مثلاً: (۲) اپنے ممدوح کے دشمنوں اور حاسدوں کی ہجو اس طرح کرتا ہے:

گردشمنت در آب چو اہی کند وطن	در حاسدت بسنگ چو آہن کند حصار
آن گردد از نہیب تو در آب سوختہ	میگردد از خلاف تو در سنگ خاکسار

(۱) علم بدیع در زبان فارسی از سید محمد رضا دانی جواد، ص ۷۷۔

(۲) ایضاً ص ۷۰۔

غلوئے مردود وہ ہے جس میں امر محال کو بغیر کسی الفاظ کی تردید یا تقریب کے لاتے ہیں جو تقدس کے کیش و آئین کے خلاف پڑتا ہے اور مورد احترام ہو جاتا ہے۔ شروان شاہ کی مدح کرتا ہوا خاقانی کہتا ہے:

تاخبر باس او در ملکوت اوفتاد      سیمہ روح الامین نیست بجز الامان  
ایک جگہ اپنے باپ علی نجار کو نوح علیہ السلام سے دانا تر شمار کرتا ہے جبکہ پیغمبر  
موصوف کے علم کا منبع وحی الہی تھا، یہ خاقانی کی لغزش ہے:  
نوح نہ بس علم داشت گر پدر من بدی      قنطرہ بستی ز چوب بر سر طوفان او!  
ایک شاعر ممدوح کی تعریف میں کہتا ہے:  
بزرگواری کاندرا کمال قدرت خویش      نہ ایزد است چو ایزد بزرگ و بی ہمتا  
مسعود سعد سلمان کا ایک مدحیہ شعر ہے:  
سانت چنان در دل دشمن افتد      کہ چونان نیفتد قضای خدائی  
دیگر:

تو بنیاد فضلی واصل سخائی      بفضل و سخا حیدر و مرتضائی  
بنیکی خلیلی بپاکی کلیسی      بروی و خرد یوسف و مصطفائی  
ایک دوسری جگہ کہتا ہے:  
خلیلی تو کہ ہر آتش ترا ہسان بود باگل      کلیسی تو کہ ہر دریا ترا آسان دہد معبر  
معاذ اللہ نہ اینی ونہ آنی بلکہ خود ہستی      ز نعمت فہمہا بیرون ز حد و ہمہا برتر

مبالغہ سے مدح اور ہجو دونوں میں یکساں طور پر کام لیا گیا ہے۔ اگر مدح میں شاعروں کا دامن مراد نعمتوں سے بھر دیا گیا تو ہجو گوئیوں نے بھی اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی اور ہجو کی نشتریت مبالغہ کی وجہ سے اوج کمال پر پہنچ گئی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مدح سراہوں نے بھی ایسے زمین و آسمان کے قلابے صرف اس لئے ملائے کہ انہیں بخشش و عطایا حاصل ہو، یہ ممدوح کی تعریف نہیں بلکہ ان کی نعمتوں کی تعریف کرتے اور گویا ممدوح کو بیوقوف بناتے تھے۔ اس کو ایک طور پر طنز بھی کہہ سکتے ہیں اس لیے کہ بیان صداقت پر مبنی نہ ہوتا تھا۔ ذیل میں مبالغہ کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے ہجو و ہزل کی اثر انگیزی اپنے منتہائے عروج پر پہنچتی ہے:

ظہیر فاریابی:

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پای \_\_\_\_\_ تابوسہ بر رکاب قمرل ارسلان زند

امیر خسرو:

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ ای \_\_\_\_\_ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

شمس الدین قتی:

در خدمت ای صدر فلک مرتبہ دزدیست \_\_\_\_\_ کو مہرہ بسحر از دھن مار بدزد  
پیراہن دزدی چو پتن چست پوشد \_\_\_\_\_ از مرد برہنہ دوسہ شلوار بدزد  
عیار ز دنیا ریکی جبہ رباید \_\_\_\_\_ او خود زیکی جبہ دو دنیا بدزد  
ورسوی مزاری رود از بہر زیارت \_\_\_\_\_ از مردہ کفن وز کفن آسار بدزد

مولانا لطف اللہ نیشاپوری:

طلعی دارم آنکہ از پی آب \_\_\_\_\_ گر روم سوی بحر برگرود  
ور بدوزخ روم پی آتش \_\_\_\_\_ آتش از سخ فسرده تر گردد  
ور ز سہ التماس سنگ کنم \_\_\_\_\_ سنگ نایاب چون کھر گردد  
ور بنزد کسی روم بہ سوال \_\_\_\_\_ ہر دو گوشش بستم کر گردد  
اسپ تازی اگر سوار شوم \_\_\_\_\_ زیر رانم روان جو خر گردد  
باہمہ نیز شکر باید کرد \_\_\_\_\_ کہ مبادا کزین بتر گردد

اسدی:

چنان تیرہ گیتی کہ از لب خردش \_\_\_\_\_ ز بس تیرگی رہ نیردی گوش

خواجہ سعد گل:

تم از صف چنان شد کہ اجل جست و نیافت \_\_\_\_\_ نالہ ہر چند نشان داد کہ در بہرین است

امیر خسرو:

ہزار بار بکوی تو بگذرم روزی \_\_\_\_\_ اگر ز اشک خودم آب در میان نبود

رامش شیرازی:

شگفتی چشمہ را بنگر کہ دریا چون فروریزد

مر از دیدہ درد امن ہی جیون فروریزد

### (۴) لطیفہ (Epigram)

چھوٹے چھوٹے قطععات میں بھی لطیفہ کے طور پر تمسخر و استہزا پیدا کیا گیا ہے۔ ان میں بڑی سادگی اور اختصار کے ساتھ ہجو کا عمل انجام پاتا ہے۔ لطیفوں کی چاشنی میں ہجو کے تیز نوک پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی شکر میں لپیٹی ہوئی ہجو کی گولیاں بڑی شدت کے ساتھ اثر کرتی ہیں اور نشانہ ہجو کے دلوں کو چھید ڈالتی ہیں۔ شعر اپنے کلام میں ایجاز و اختصار کے ذریعہ مضحک نکات کی اثر اندازی اور شدت میں اضافہ کرتے ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں دی جاتی ہیں:

سلسلہ سلابھہ کے آخری فرمانروا سلطان طغرل سوم کو تکش خان نے شکست دے کر قید کر لیا اور پھر اسے قتل کر کے اس کا سر خلیفہ بغداد کی خدمت میں بھیجا دیا۔ ایک شاعر اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

امروز شہا زمانہ دلتنگی تست      فیروزہ ہر زمان برر نکیت  
دی از سر تو تا بفلک یک گز بود      امروز ز سر تا بدنت فرسنگیت

ایک ظالم کی موت پر تاج الدین سرخسی رقمطراز ہے:

در ماتمت آن قوم کہ خون می بارند      مرگ تو حیات خویش می پندارند  
غنماک از انند کہ تا دوزخیان      جاوید چگونہ باتو صحبت دارند

اثیر الدین اوقانی قاضی مجد الدین ہمدانی کے متعلق کہتا ہے:

نہ ازین داشت قضا مرگ وی اندر تاخیر      کہ برید اجلس می نہ نماید تعجیل  
لیک در تہ ضلالت نہ چنان گم گشتت      کہ بصد سال برد رہ بہ سرش عزرائیل

رشیدی سمرقندی:

تو وزیری و منت مدحت گوی دست من بی عطا روا بینی  
تو وزارت بمن سپارد مرا مدحتی گو تا عطا بینی

ملا مراد:

ای مولوی از کبر دماغت گندہ گاہی کہ کند بر تو سلام این بندہ  
چندان حرکت نما کہ از روی قیاس معلوم شود کہ مردہ ای یازندہ

خواجہ نصیر:

نظام بی نظام ار کافر م خواند چراغ کذب را نبود فروغی  
مسلمان خوانمش زیرا کہ نبود سزاوار دروغی جز دروغی

جامی:

شاعری خواند پر خلل غزلی کاین بحذف الف بود موصوف  
گفتمش نیست صنعتی بہ ازان کہ کنی حذف ازان تمام حروف

ایک اور موقع پر جامی نے اپنے ایک ہم عصر شاعر ساغری پر ذیل کا شعر پخت کیا۔ اس نے اپنے معاصر شاعروں پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ سب اس کے خیالات و مضامین چراتے ہیں:

ساغری میگفت دزدان معانی بردہ اند ہر کجادر شعر من یک معنی خوش دیدہ اند  
دیدم اکثر شعر ہائش را یکی معنی نہ داشت راست میگفت آنکہ معنی ہاست را دزدیدہ اند

جب ساغری نے بگڑ کر اس قطعہ کی وجہ سے جامی کو برا بھلا کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے میں نے ”شاعری میگفت“ لکھا تھا، کسی فتنہ پرداز نے تم کو دق کرنے کے لیے حروف کے نقطے ادھر سے ادھر کر دیئے ہیں۔

جامی نے ایک بہت بڑی ناک والے شخص کو عبادت میں مشغول دیکھ کر کہا:  
ہر لحظہ سجدہ تونہ از بہر طاعت است بارگران زینہی خود بر زمین نہی



بدیہی بخارانی کی ناک پر مولانا طوطی کی ہجو:

ہر پردہ بینی بدیہی غاریست  
طوطی منم و ترا عجب منقاریست

شہاب ترشیزی:

زہر تاختن در وادی ہجو  
سمند طبع را چون زام کردم  
ترا خر خواندم و گشتم پشیمان  
کہ آن بیچارہ را بدنام کردم

شہاد طہماسپ صفوی:

اصفہان جنتیست پر نعمت  
ہر چہ دروی گمان بری شاید  
ہمہ چیزش نکوست الا آنک  
اصفہانی دران نمی باید

اسکاف مروزی:

گرچہ اوراست کسوت زیبا  
ورچہ ماراست خرقتہ رسوا  
ماچو مغزیم درمیائہ جوز  
اوجو ہستہ است دردل خرما

شاہ شجاع نے تخت کے لیے اپنے برادر حریف کی موت پر یہ قطعہ کہا:

محمود برادرم شہ شیر کمین  
میکرد خصومت از پی تاج و نگین  
کردیم دو بخش تا بیاساید ملک  
اوزیر زمین گرفت و من روی زمین

کاتبی نیشاپوری:

خسرو از خورد و پوش من مداری آگہی  
چون نباشد ہر دم از تو نالہ و افغان مرا  
نیستم کعبہ کہ در سالی دہی یک جامہ ام  
یا نیم گردون کہ روزی بس بودیک نان را

سلطان عادل شاہ والی بیجاپور کے دو درباری شعرا ظہوری اور قتی نے مخزن الاسرار

نظامی کی تقلید میں الگ الگ نظمیں قلمبند کیں اور حسین انعامات حاصل کیے۔ ذہنی کاشی ان دونوں کے متعلق اچھی رائے نہ رکھتا تھا لہذا کہتا ہے:

در مدح و شاییت ای شہنشاہ دکن  
معدوم دار گر نلغتم مخزن

مپسند کہ بہر یک شترزرگیرم خون دوہزار بیت بد در گردن  
ایک شاعر مردم ایران کی ہجو میں کہتا ہے:

مدارای مردان ایران زمین — دو فغان قہوست و یک آفرین  
جعفر زٹلی:

از بہشت جاودان مارا بہند انداختی — ہجو ہندارداشتی دوزخ چراہم ساختی

شبلی:

دی سگی را رقیب میزد چوب سگ ہی خورد چوب و مینالید  
گفتم ای سگ چرا زدت گفتا بہتر از خود نمی تواند دید

مولانا شہاب الدین ایک طبیب کی ہجو میں کہتے ہیں:

ملک الموت از اصیل طبیب می بنالد بارگاہ خدای  
کہ جهان را ز خلق خالی کرد اندرین دور گمشدہ سروپای  
یا ازین شغل دور کن اورا یا مرا خدمت دگر فرما

کاتبی کی ہجو بدر شاعر کے متعلق:

دی بدرک بدوگ را گفتم کہ نہ ای شاعر آن کز شعرا باشد انگینش باید  
گفتا کہ بہر شہری آویختہ ام شعری شعر آنکہ چنان گوید آویختنش باید

وحشی بافقی:

بردر خانہ قدح نوشی رستم و کردمش التماس شراب  
شیشہ ای لطف کرد اما بود چون حروف شراب نہیں آب

ایم۔ جے خان نے ایران میں جرمنوں کی آمد کے استقبال میں طنز آمیز نظم ذیل موزون کیا ہے:

## استقبال آلمان (۱)

مہمان تازہ وارد ایران خوش آمدی  
 ایران بخوان بماند و بیگانگان بہ ضیف  
 تیغ وصال شکر خدا را نمود رخ  
 از بہر صید مرغ دل عاشقان زار  
 باد عوی حمایت اسلام و مسلمین  
 لیکن چو برده اند حریفان ہر آنچه بود  
 اسلام بود بیکس ولی دادرس کنون  
 من نیک می شناسمت ای رند پر فسون  
 پیوستہ شاملست باسلام لطف تو  
 رندانہ با بہانہ دار الفنون و بانک

بالای چشم جای تو آلمان خوش آمدی  
 ناخواندہ مہمان سر این خوان خوش آمدی  
 آمد بہ سر لیالی ہجران خوش آمدی  
 در دست دام و دانہ بد امان خوش آمدی  
 گشتی دخیل حوزہ دزدان خوش آمدی  
 ترسم شود نصیب تو حرمان خوش آمدی  
 صد شکر یافت چون تو نگہبان خوش آمدی  
 احسنت خوان مگر تو شیطان خوش آمدی  
 ما عاجز از لوازم شکران خوش آمدی  
 نایل شدی بہ مقصد پنهان خوش آمدی

بدرالدین جاجرمی:

گفتم سخت شکستہ وش چون آید  
 گفتا سخن از دہان تنگی کہ مر است  
 شہی باصر احوی ہمیکفت شمع  
 ترا با چنین قد بہ پیش قدح  
 صراحی بدو گفت نہ شنیدہ

با آنکہ ہمہ چو در مکنون آید  
 گر نشکندش چگونه بیرون آید  
 کہ ای ہر شہی مجلس آرای دوست  
 سجود دمام بگواز چہ روست  
 تواضع ز گردن فرازان نکوست

جامی:

بدر ویش گنت آن توانگر چرا  
 بانہا "چرانامدی" پیش ما  
 بہ پیشم پس از دیر ہا آمدی  
 بسی خوشتر است از "چرا آمدی"

(1)- Wit, Humour and fancy of Persia- M.N. Kuka, p.97

کلیم:

طاعت باہم بسوی آسمانہا میرود — روز محشر چون بصیان ہم ترازو میشود

سلمان ساوجی:

از بکہ شکستم و ببستم توبہ — فریاد ہمیکند زدستم توبہ  
دیروز بتوبہ ای شکستم ساغر — امروز بساغری شکستم توبہ

فنائی چغتائی:

ای کہ گفتی بریزید و آل اولعت مکن — زانکہ شاید حق تعالی کرده باشد رحمتش  
انچہ با آل نبی او کرده گر بخشد خدای — ہم بخشاید تراگر کرده باشی لعنتش

شہاب ترشیزی:

بنده گر کتر بخدمت می رسد — نیست در اخلاص نوعی از قصور  
من چون نخلم شعر من چون انگبین — انگبین نزدیک بہتر نخل دور

کاشفی:

قلم بتلخی و شیرینی ای پسر رقت — اگر تو ترش نشینی قضاچہ غم دارد

منصور شیرازی:

در سینہ دلم گشده تہمت بکہ بندم — غیر از تو کسی راہ درین خانہ ندارد

سعدی شیرازی:

چو خویشتن نتواند کہ می خورد قاضی — ضرورتست کہ بردیگران بگیرد سخت  
کہ گفت پیرہ زن از میوہ میکند پرہیز — دروغ گفت کہ دستش نمی رسد بدخت

رباعیات ذیل میں شعرا نے مذہبی روایات سے دلیرانہ بغاوت کی ہے اور خدا سے

شکوہ کیا ہے:

فخرالدین رازی:

گوئی کشت اگر دران گام نہی  
گیری وکشی وعاصیم نام نہی

در رہگذرم ہزار جا دام نہی  
یک ذرہ زمین زدام تو خالی نیست

ابن نصوح:

بی مونس و بی یار قرینم کردی  
آیا بچہ خدمت این چنینم کردی

با فاقہ و فقر ہم نشینم کردی  
این مرتبہ مقربان در تست

خیام:

گویند مخور بادہ کہ دین را اعداست  
واللہ بخورم خون عدورا کہ رواست

من میخورم و مخالفان از چپ و راست  
چون دانستم کہ می عدوی دینست

دیگر:

و آنجای ناب و انگبین خواهد بود  
آخر نہ بہ عاقبت ہی خواهد بود

گویند بہشت و حور عین خواهد بود  
گرامی و معشوق گزیدیم چه پاک

دیگر:

باللہ کہ نہ از بہر نماز آمدہ ام  
آن گمشدہ زانست کہ باز آمدہ ام

در مسجد اگر بہر نماز آمدہ ام  
روزی زین جا سجادہ دزدیدم

دیگر:

بیگانہ ترا چو آشنا نہ شنا سد  
آن را بہ کسی گو کہ ترانہ شناسد

زاهد بکرم ترا چو مانہ شناسد  
گفتی کہ گنہ کنی بدوزخ برمت

دیگر:

تاریک دلم نور صفای تو کجاست

من بندہ عاصیم رضای تو کجاست

مارا تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی — آن مزد بود لطف و عطای تو کجاست

دیگر:

آباد خرابات ز می خوردن ماست — خون دوہزار توبہ بر گردن ماست  
گر من نلگم گناہ رحمت کہ کند — رحمت ہمہ موقوف گنہ کردن ماست

دیگر:

من می خورم و ہر کہ چو من اہل بود — می خوردن من بنزد او اہل بود  
می خوردن من حق بہ ازل میدانست — گرمی نخورم علم خدا جہل بود

خیام نے بذلہ سخی کی وجہ سے اپنی رباعیوں میں شوخی و ظرافت کا بھرپور اظہار  
واقرار کیا ہے۔ ایک بار اس کے ہاتھ سے جام شراب گر کر چور ہو گیا۔ کہتا ہے:

ابریق می مرا شکستی ربی — بر من در عیش را بہ بستی ربی  
من می خورم و تومی کنی بد مستی — خاکم بدھن مگر تو مستی ربی

کہا جاتا ہے کہ اس گستاخی پر خدا نے اسے سزا دی اور اس کی گردن کج ہو گئی، اس نے  
برجستہ کہا:

ناکردہ گناہ در جہان کیست؟ بگو — آنکس کہ گناہ نکرد چون زیست؟ بگو  
من بدکنم و تو بد مکافات دہی — پس فرق میان من و تو چیست؟ بگو

رندی و سرمستی اور شوخی و طباعی کی کچھ مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

خیام:

تاکی ز چراغ مسجد و دود کشت؟ — تاکی ز زیان دوزخ و سود بہشت؟  
رو بر سر لوح بین کہ استاد قضا — اندر ازل آنچه بودنی بود، نوشت

دیگر:

گویند بہشت دحور و کوثر باشد — جوی می د شیر و شہد و شکر باشد

پر کن قدح بادہ وبر دستم نہ — نقدی زہرار نیہ بہتر باشد

دیگر:

آنم کہ پدید گشتم از قدرت تو صد سال بامتحان گنہ خواہم کرد

دیگر:

گویند کہ ماہ روزہ نزدیک رسید در آخر شعبان بخورم چندان می

تائی نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے:

می خوردن این ماہ روانیست ولیکن یا خورد بدان گونہ باید کہ زمستی

خیام: کعبم بہ نماز و روزہ چون مائل شد افسوس کہ این وضو بادی بشکست

دیگر:

دقتی کہ طلوع صبح ارزق باشد گویند کہ حق تلخ بود در ہمہ حال

ذیل کے اشعار میں مصراع اول مدح معلوم ہوتے ہیں لیکن مصراع ثانی اس مدح پر

پانی پھیر دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

مختاری غزنوی:

ہمیشہ نصم تو در سایہ ہما باشد ز بسکہ بر سرش از بہر استخوان آید

رشید الدین و طواط:

بلند و پست جہان جملہ دشمنان تراست کہ گاہ در بن چاہند و گاہ بر سردار

ایک حبشی کینر کے وصال پر شیرازی کا قطعہ:  
دوش چون گشت جهان از سپہ زنگ سیاه  
بارخی غیرت مه لیک بہنگام خسوف  
ہچوز گس کہ بہ نیسی شگفد در دل شب  
لب چوانگشت ولی نیمہ انگشت آتش

از درم آن بت زنگی بدر آمد ناگاہ  
خندہ بر لب چو در خشی کہ جہد زابریاہ  
چشم افگندہ بصد شرم ہمیکرد نگاہ  
موچو سلطان ولی چون شب سلطان کوتاہ

”شادی کی برکتیں“

اوحدی مراغہ ای:-

کہ مرا یار شو بہم سر و جفت  
پند گیر از خلاق از من نہ  
ورتو نگزاریش چہا نکند  
چند دیدیم و نیز دیدی چند  
ریش بابا بہین کہ نیمہ نماند

پسری با پدر بزاری گفت  
گفت بابا دگر کن زن نہ  
زن گیری ترا رہا نکند  
از من و مادرت نگیری پند؟  
آن رہا کن و آب وہیمہ نماند

زر کی کار فرمائی:

چون نور بچشم ہمہ کس جا دارد  
اشراف کسی کہ اشرفیہا دارد  
بی زر برا دراست ازو ہم حذر کنند  
جای فراخ بی زر را تنگ تر کنند

ہر کس کہ بکیسہ زر مہیا دارد  
زر گر پسری دوش چہ نیکو میگفت  
امروز خلق خویشی باسیم و زر کنند  
زردار را بجلس بس تنگ جادہند

زردار را تواضع از پای سر کنند  
بی زر اگرچہ دانا نسبت بخز کنند

بی زر سلام گوید از جا کسی نہ جبند  
زردار اگرچہ نادان گویند عاقلست

دستار در و خامہ قاست باید  
نہ عقل و خرد فہم و فراست باید

در نوکری ہند لباست باید  
چون گاد شکم ریش درازت باید

رشید الدین و طواط:

بہرہ بجز نوائب و حرمان نمی رسد

فریاد ازین جہان کہ خرد مند را درو



بی صد هزار غصه یکی نان نمی رسد  
جوید خجیله راه دبدربان نمی رسد

جهال در تنعم و ارباب فضل را  
جاهل بمجلس اندرو عالم برون در

خیام:

یانسبت عالی پدر می باید  
که اینها همه بچسبست زری باید

گویند که مرد را هنری باید  
امروز چنان شدست در نسبت ما

ابن میمن: - شعاریتی

آری زمانه دشمن اهل هنر بود  
زحمت نصیب مردم والا گهر بود  
رنج کسوف بر دل شمس و قمر بود  
ز اهل هنر بمرتبہ ہا بیشتر بود  
بالای عقد گوهر و سلک دُر بود

ای دوستان بکام دلم نیست روزگار  
ہل است اگر جفا کشم از دور بیوفا  
بر آسمان ستاره بود بی شمار لیک  
رسمیت در زمانہ کہ ہر کم بضاعتی  
دریافت کہ منصب خاشاک اندرو  
معین الملک اصم:

بر چنین مہتری شرف دارد  
خنک آزا کہ چنگ و دُف دارد

سگ درین روزگار بی فرجام  
در قلم داشتن فلاح نماند

وقار شیرازی: "نقدیر شاعر"

ہر کار را کہ خواستم آسان شود نشد  
باز از عنایت شہ ایران شود نشد  
رحمی بمن صاحب دیوان شود نشد  
چنداشتم عمارت ویران شود نشد  
گفتم کہ این بہای دامن نان شود نشد  
این وجہ صرف قہوہ و غلیان شود نشد  
چندانکہ بندہ عازم تہران شود نشد

دردا کہ از ستیزہ چرخ ستیزہ کار  
مایوس از آسمان چو شدم گفتم این گره  
گفتم شہ ار بحال گدایان نظر نکرد  
از این وظیفہ کہ زد دیوان معین است  
بگذشتم از اساس و گذر کردم از لباس  
گفتم کہ نان بمن رسد از کار گاہ غیب  
گفتم روم بری ولی این وجہ مردہ ریگ

مولانا روم: ”انسانوں کے لیے شیطانی سبز باغ“

گفت ابلیس لعین دادار را  
 زر و سیم و گلہ اسپش نمود  
 گفت شاباش و فرداویخت لنج  
 پس زر و گوہر زمعدنہای خوش  
 گیر این دام دگر را ای لعین  
 چرب و شیرین و شرابات شمیم  
 گفت یارب بیش ازین خواہم مدد  
 تاکہ مستانت کہ ز تو پودلند  
 دام دیگر خواہم ای سلطان وقت  
 خمر و چنگ آورد پیش او نہاد  
 چونکہ خوبی زنان با او نمود  
 پس زد انگلتک برقص اندر فناد

دام زفتی خواہم این آشکار را  
 کہ بدین ثانی خلأق را ربود  
 شد ترنجیدہ وترش بچون تن  
 کرد آن پس ماندہ راحق پیشش  
 گفت زین افزون دہ ای نعم المعین  
 دادش و بس جامہ ابریشمین  
 تاہندم شان بہ حیل من مسد  
 مردوار آن بندھا را نسلند  
 دام مرد انداز حیلت جوکی سخت  
 نیم خندہ زد بدوشد نیم شاد  
 کہ ز عقل و صبر مردان می ربود  
 کہ بدہ زوتر رسیدم در مراد

عبیدزاکانی:

درخانہ من ز نیک و بد چیزی نیست  
 از ہرچہ پزند نیست غیر از سودا

جز بنگی و پارہ نمد چیزی نیست  
 وز ہرچہ خوردند جز لکد چیزی نیست

کاتبی:

فریاد زد دست خامہ قیراندود  
 گفتم کہ زبانش بہرم گنگ شود

کوراز دلم بدشمن و دوست نمود  
 بہریدم ازان فسیح ترگشت کہ بود

(۵) بلاغت لفظی و معنوی (Rhetoric & Eloquence)

ہجو کے لیے مذکورہ صنعتوں یعنی تخریف، تقلیب خندہ آور، رعایت لفظی اور مبالغہ کے علاوہ مندرجہ ذیل لفظی و معنوی بلاغتیں بھی بڑی کار آمد ہیں:

(۱) ابہام: اسے زود جہین، متحمل الضدین اور توجیہ بھی کہتے ہیں۔ کلام میں دو متضاد معنوں کا یکساں احتمال ہونا کہ کسی معنی کو ترجیح نہ دے سکیں ابہام کہلاتا ہے۔  
رشید و طواط:

ای خواجہ نیا شود ز روی تو ظلم باطلعت تو سور نماید ماتم

(۲) استنباع: شاعر کسی کی مدح و ذم اس طرح بیان کرتا ہے کہ ایک صفت سے نہ، تا دوسری صفت بھی بیان ہو جائے یعنی ایک مدح دوسری مدح کے تابع اور ایک ذم دوسری ذم کے تابع لایا جاتا ہے۔ حالت اول کو ”مدح موجبہ“ اور دوم کو ”ذم موجبہ“ بھی کہتے ہیں۔ مثال ذم موجبہ:

زمین پناک تافت روی گریز کہ گوئی زوی خواست سائل پشیز

(۳) استثنا: سخن کو مطبوع و دلنشین بنانے کے لیے حکم ما قبل پر کلمہ یا موضوع کو خارج کرتے ہیں:  
سعدی:

نہ جوشید سرچشمہ ہای قدیم نماوند آب جز آب چشم تبیم  
نبودی بجز آہ بیوہ زنان اگر برشدی دودی از روزنی

(۴) تاکید ذم بالفاظ مشابہہ بمدح: جہو میں ایسے الفاظ لانا جو بظاہر مدح معلوم ہوں مگر حقیقتاً جہو نیش دار ہوں۔  
سعدی:

الحق این مطرب ماگرچہ زند سازی بد لیک این خاصیتش ہست کہ ناخوش خواند

عمید و یلمی:

خواجہ بفرود و لیکن بہ ورم گشت مشغول و لیکن بشکم  
میزبان بود و لیکن بہ رباط نانم آورد و لیکن بدرم  
سربر آورد و لیکن بہ فضول دل تہی کرد و لیکن زکرم

بس جواد است و لیکن بہ حرم  
عمر ہا باد و لیکن بقم  
نعمتش باد و لیکن شدہ کم

بس خریصت و لیکن بہ حرام  
سالہا باد و لیکن بقر  
دولتش باد و لیکن شدہ گم  
علی تاج حلوانی:

کہ کتابی بدہ مدد سازم  
بہ نود روز یا بہ صد سازم  
ہرچہ سازم بدست خود سازم  
ہمہ اوراق آن نمد سازم  
دیر سازم ولیک بدسازم

در مجلد گری مرا ہنریت  
کاریکروز را ز چستی دست  
جز مقوا و جلد و شیرازہ  
تا شود کاریک کتاب تمام  
با ہمہ زیر کی و استادی

دیگر:

گرچہ دارد دشمنت روئی ز غم ہمرنگ بہ  
پر ز خون باشد ز حسرت خاطرش ہچولتا

(۵) تشبیہ: دو چیزوں کا کسی صفت میں ایک دوسرے کا شریک ہونا۔ سپاہی کی  
ہجو میں حکیم مختاری کا شعر:

سرش ز رشک چو بریشم ریختہ خشخاش  
بغل ز کند چو در گور سوختہ مردار  
(۶) کنایہ: کسی لفظ سے اس کا لازم معنی مراد لینا اور اس کے ساتھ معنی ملزوم  
مراد لینا جائز ہو:

ناصر خسرو کی نظم ذیل دوسروں پر عدم اعتماد اور تکبر و غرور کے ذماتم کے بیان میں  
کنایہ کی بہت ہی کامیاب مثال ہے:

نشیدہ کہ زیر چناری کدو بُنی  
برُست و بردوید براو بر بردو پست  
پرسید از چنار کہ تو چند روزہ ای  
گفتا کہ ہست سال من افزون ترازدویت  
خندید پس بدو کہ من از تو بہ پست روز  
برتر شدم بگو کہ این کابلت چست؟  
اورا چنار گفت کہ امروز ای کدو  
باتو مرا ہنوز نہ ہنگام داوریت  
فردا کہ بر من دتو وزد باد مہرگان  
آنکہ شود پدید کہ نامردود مرد کیت

کنایہ کی تین قسمیں ہیں: (الف) تعریض (ب) رمز (ج) ایما و اشارہ  
 (الف) تعریض: یہ ہجو کی وہ قسم ہے جس میں مزاح کو دخل نہیں، یہ سنجیدہ طنز ہے اور چونکہ خوش مزاجی کے لباس سے عاری ہے اس لیے اس میں کسی قدر پیچ و خم رکھا جاتا ہے۔ یہ براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ اور کج ہوتا ہے۔ اس میں حکم عام صادر ہوتا ہے لیکن عام سے مقصود کسی خاص شخص کا حال بیان کرنا یا اس کے حال پر تشبیہ کرنا ہوتا ہے۔ اشارہ ایک طرف ارادہ دوسری جانب۔ میریڈ تھ کا قول ہے کہ کامیاب ظرافت وہ ہے جو ہنسائے لیکن ساتھ ہی فکر کو بھی بیدار کرے۔ تعریض میں یہ صفت موجود ہے۔ دوسرے پر وار کرنا آسان ہے لیکن اپنی ذات کو اپنے طنز کا نشانہ بنانا مشکل۔ تعریض میں طنز کا رخ طنز نگار کی طرف ہوتا ہے لیکن اس کی چھین مخاطب اپنے پہلو میں محسوس کرتا ہے۔ یہ مہذب اور شایستہ ہونے کے ساتھ ساتھ موثر اور بھرپور طنز ہے۔ کبھی اس کا وار خالی نہیں جاتا۔ حافظ کے یہ اشعار تعریض کی بہترین مثال ہیں:

دی دو بیت چہ خوش آمد کہ سحر کہ میگفت      بروز میکدہ بادف و نی ترسائی  
 گر مسلمانی نیست کہ حافظ دارد      وای اگر در بس امروز بود فردائی  
 اس شعر کا پیرایہ بیان کس قدر بلیغ ہے۔ اول تو جو کہنا ہے اس کو ایک عیسائی کی زبان سے کہا ہے جس سے علاوہ احتیاط کے مقصود یہ ہے کہ غیروں کو بھی ان بد اعمالیوں پر افسوس اور رحم آتا ہے۔ گانے اور بجانے کے شامل کرنے سے یہ غرض ہے کہ اس ذریعہ سے لوگ زیادہ جی لگا کر سنتے تھے اور زیادہ تشہیر ہوتی تھی۔ شعر ذیل میں علاوہ احتیاط کے یہ مقصد ہے کہ دوسروں کا عیب کہتے تو ان کو توجہ نہ ہوتی:

حافظا مئی خور و رندی کن و خوش باش ولی      دام تزویر مکن چون دیگران قرآن را  
 (ب) رمز: اگر کنایہ کثیر الوساٹ نہیں ہے اور اس کے لزوم میں ایک طرح کا خفا ہے تو اس کو رمز کہتے ہیں۔ یہ تحریف کا بڑا ہی کار آمد حربہ ہے۔ اس میں مبالغہ کے برعکس کم بیانی (Under statement) کا سہارا لیکر مقصد میں کامیابی حاصل کی جاتی ہے۔

ادبیات میں خصوصاً ہجو اور ہزل میں رمز کثیر الاستعمال حربہ ہے۔ اس کا اثر برقی رو کی مانند ہوتا ہے۔ بجلی کی چمک جس طرح ہمیں چوندھیادیتی ہے کنایہ اور رمز ہمیں اسی طرح چکا چوند کر دیتے ہیں۔ ہجو کے پورے محیط و دائرہ میں اس کی کار فرمائی مسلم ہے۔

(ج) اگر کنایہ میں واسطوں کی کثرت نہ ہو اور کچھ پوشیدگی بھی نہ ہو تو اس کو ایما و اشارہ کہتے ہیں۔

(۷) سوال و جواب: مرزا ابوالقاسم شیرازی بخالت کی ہجو بیان کرتے ہیں:

بافلان گفتم ای پسر پدرت  
گفت ترسد کہ زد شمنی کہ مباد  
انوری: "گدا ای بی حیا"

آن شنیدستی روزی زیر کی با ابلی  
گفت چون باشد گدا آن کز کلاہش تکمہ ای  
گفت ای مسکین غلط اینک از آنجا کردہ ای  
در و مر و ارید طوقش اشک اطفال منست  
آن کہ تا آب سبو پیوستہ از ما خواستہ است  
چون گدائی چیز دیگر نیست جز خواہندگی

گفت کاین والی شہر ما گدا ای بی حیاست  
صد چو مار و روز باہل سالہا برگ و نواست  
این ہمہ برگ و نوادانی کہ انہا از کجاست  
لعل و یا قوت ستامش خون ایام شہاست  
گر بجوئی تا بہ مغز استخوانش زان ماست  
ہر کہ خواہد سلیمان است و گر قارون گداست

انوری نے اس نظم میں گدائے بے حیا کی تشریح و تفصیل میں شاہ وقت کی ہجو کی ہے اور اس ہجو کا تمام شاہان و امرا پر حکم لگایا ہے۔

سوال:-

ای راہبر خلق مرا راہ نما  
گویند خدا بود و دگر ہیچ نبود  
جواب:

از مذہب و ملت خبری نیست ترا  
کیفیت حق ز من چہ می پرسی تو  
وز حرف جوابت در مشکل بکشا  
گر ہیچ نبودست خدا بود کجا

(۸) قسم و سوگند:- کسی امر کو بیان کرنے میں دوسرے امر کی قسم کھانے میں

نبھی شعرانے مزاح و ظرافت اور ہجو سرائی کی ہے۔

خاقانی نے شروان شاہ کے وزیر رضی الدین ابونصر نظام الملک کے حضور اعذار یہ قصیدہ پیش کیا۔ اس میں انہوں نے مسلمانوں کے نزدیک جو بھی محترم و مقدس قسمیں ہو سکتی ہیں کھائیں اور چالیس

ابیات میں زمین و آسمان اور اس سے متعلق اشیا کو معاون و مددگار بنایا اور اپنے پیر و استاد سے جو طریقے اور باتیں سنیں تھیں سب کا استعمال کیا۔ اسی قصیدہ میں اپنے دشمنوں اور حاسدوں کی نازیبا سازشوں اور مذموم حرکتوں کی بھی قسمیں کھائی ہیں اور سوگند کی رسم دورہ پاستان کو پست و آلودہ و چرکین بنادیا تاکہ اس کے حسود کی پلیدی و پستی سازگار ہو جائے۔ مقصود اصلاح حسودان بھی ہے۔ کہتا ہے:

بارہ پدرو مشقب و کمانہ و مقل  
بیر کوبہ رازی بدست حیدر رند  
بہ شطابی بی شمس و بہ شرب بابا شمس  
بہاد نمرود از سہم کر کس پران  
بہ موش ریزہ بروگر بہ خیانت گر  
بسام ابرص و حربا و خفسا و جعل  
کزین نشین احسان و عدل نگریزم  
سعدی نے ایک یہودی اور ایک مسلمان کا ایک دلکش مناظرہ نظم کیا ہے جس میں ہر ایک اپنے قول کے اثبات میں اپنے دینی صحیفہ کی قسم کھاتا ہے اور اس یقین کے ساتھ کہ اگر اس کا دعویٰ غلط ثابت ہو تو اس کا مذہب و ایمان حریف جیسا ہو جائے۔

یکی جہود و مسلمان نزاع میگردند  
بطیرہ گفت مسلمان گر این قبلہ من  
جہود گفت بتوریت میخورم سوگند  
گراز بسیط زمین عقل منعدم گردد  
چنانکہ خندہ گرفت از حدیث ایشانم  
درست نیست خدایا جہود می رانم  
وگر خلاف کنم ہچو تو مسلمانم  
بخود گمان نبرد ہچکس کہ نادانم

(۹) زشت و زیبا: اسے صنعت تحویل بھی کہتے ہیں۔ کلام کا آغاز مدح معلوم ہو لیکن اختتام پر قدح ظاہر ہو۔ پھر اس کے برعکس آغاز ہجا ہو اور آخر میں مدح جلو گر ہو تو زشت و زیبا کہلاتا ہے۔ خاقانی اور انوری کے بہت سے قصیدے اس ضمن میں آتے ہیں۔ مختاری غزنوی:

ہمیشہ خصم تو در سایہ ہمای بود  
ز بسکہ بر سرش از بہر استخوان آید

کلیم کاشانی:

طاعت ماہم بسوی آسمانہای رود روز محشر چون بعضیان ہم ترازوی شود

### قطعه: وصف معشوق

زلف است اینکہ بر رخ چون گل فگندہ  
پوشیدہ تو آن تن سیمین بہ پیرہن  
یادستہ پوشنی است کہ بریں فگندہ  
دائم حمال ای بت شیرین شایم  
افگندہ و لیک چراشل فگندہ  
فردوسی بخل دامساک سلطان محمود غزنوی کو بیان کرتے ہوئے:

کف دست محمود والا تبار نہ اندر نہ آمد نہ اندر چہار

(۱۰) ہزل بمعنی جد: کلام ظاہر اتمسخر اور ہزل معلوم ہو لیکن مراد اس سے

ہزل نہ ہو بلکہ اور امر مقصود ہو۔ استہزا اور اس میں یہ فرق ہے کہ استہزا میں بظاہر جد ہوتا ہے

اور حقیقتاً ہزل۔ یہ ٹھیک اُس کے برعکس ہے:

با قہ دنیا نکند آمیزش  
ظہیر فاریابی بخل شاہ کی تنقید یوں کرتا ہے:

بخواب دوش چنان دیدی کہ صدر جہان  
شدم بنزد مبر بلفتم این معنی  
مرا بخواندی و تشریف داد و زر بخشید  
کمال اسمعیل:

گر خواجہ ز بہر مابدی گفت  
جز وصف نکویش نگویم  
ماچہرہ ز غم نمی خراشیم  
تاہر دو دروغ گفتہ باشیم

(۱۱) ہجونا معلوم: جس میں شعر یلیح کی صنعت کا التزام کیا گیا ہے:

ترا ای خواجہ کز امساک بر خوان  
چومہ بر نطع گردون سفرہ ات را  
ز نعمتہای الوان ہیج اثر نیست  
ولی ہر کس شکست آن گردہ نان  
شب از یک گردہ نان بیشتر نیست  
کند گر دعوی اعجاز شاید  
"اگرچہ دائم این حد بشر نیست"  
کہ این معجز کلم از شق القمر نیست



## (۶) بدیہہ گوئی اور ہجو (Improvisation)

ہجو اور ہزل جمہوری نظام حکومت اور عام آزادی کی فضا میں زیادہ ترقی کرتے ہیں۔ ان کی نشوونما کے امکانات مطلق العنان حکومتوں میں وافر نہیں جبکہ مطلق العنان طرز کی سلطنت بذلہ سخی کے لیے بڑی خوشگوار فضا قائم کر دیتا ہے۔ درباروں میں اس کے مواقع بے شمار ہیں۔

ایران میں شاعری کی ترویج و ترقی میں حکومتوں کا بڑا اہم رول رہا ہے۔ عوام الناس اور سلاطین و امرا شعر کو بقائے نام کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے تھے اسی لیے نظامی عروضی سمرقندی کہتے ہیں:

بسا کاخ محمودش بنا کرد کہ از رفعت ہی بامہ ندا کرد  
 نہ بنی زان ہمہ یک خشت برجا مدح عنصری ماندہ است برجا  
 اس خیال کی بنیاد صداقت پر قائم نہیں اس لیے کہ ہمیں معلوم ہے کہ سعدی و خاقانی اور ظہیر و انوری اپنے فکر و فن کی بنا پر مشہور و مقبول زمانہ ہیں لیکن ان کے ممدوحین تعمرگنای میں پڑے ہیں۔ لیکن عوام الناس اور سلاطین و امرا کے متذکرہ بالا تصور سے شعرا کی قدردانی اور ترقی کے امکانات میں وسعت پیدا ہوئی۔ سلاطین نے اپنے دربار میں ملک الشعرائی کا عہدہ قائم کیا اور کثیر رقمیں اس محکمہ پر صرف کیں اور شعرا و ندما کی پرورش و نگہداشت پر زور و جواہرات کا دریا بہا دیا۔ ممدوحین نہ صرف اپنے مداح شعرا کی قدردانی کیا کرتے بلکہ شعرا کی بدیہہ گوئیاں بھی بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سامعہ نواز ہوا کرتیں اور اسی لیے شعرا بدیہہ گوئی کی مشق کیا کرتے تھے اور اپنی بدیہہ گوئی کے فنکارانہ اظہار پر بڑے بڑے انعامات حاصل کرتے تھے۔ یہ بدیہہ گوئی اور شاعری ہی کا نتیجہ ہے کہ عنصری جو دربار محمود غزنوی کا ملک الشعرا تھا اس رتبہ و حیثیت کا مالک ہو گیا تھا کہ چار سوزرین کمر غلام اس کے رکاب میں چلتے تھے اور وہ جب سفر کرتا تھا تو اس کا ساز و سامان چار سواونٹوں پر بار کیا جاتا تھا۔ ممدو تغلق نے مولانا جمال الدین کے قصیدہ کے مطلع کو سن کر اس کے پاؤں سے سر تک چاروں طرف اشرفیوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اس قسم کے بیشمار واقعات تذکروں میں ملتے ہیں کہ کہیں شاعر کا منہ جواہرات سے بھر دیا گیا، کہیں اسے سونے سے تلوادیا گیا اور کہیں ایک ہاتھی کے

برابر چاندی کے روپے تول کر دیئے گئے۔

بدیہہ گوئی کبھی مزاح و ظرافت کی غرض سے اور کبھی مفاخرت کے پیش نظر ہوا کرتی تھی۔ فارسی شعرا نے بدیہہ گوئی میں مزاح و ظرافت کا ایک گراں قدر سرمایہ یکجا کر دیا ہے۔ نہ صرف شعر بلکہ سخن فہم و سخن سنج سلاطین و امرانے بھی بدیہہ گوئی کا استعمال کیا ہے۔ شعرا کی بدیہہ گوئیاں نہ صرف تفتن طبع اور مزاح و ظرافت کی غرض سے ہوا کرتی بلکہ کبھی کبھی اس کا ہجو یہ انداز بھی ہوتا جو اصلاحی مقاصد کی حامل ہوتی۔ اس قسم کی چند مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں جن سے ہجو اور ہزل کا کام لیا گیا:

جامی:

مرا فراق تو روزی ہزار بار کشد  
خنجر عشق خون من ریخت بخاک پای تو

فراق چون تو گلی این چنین ہزار کشد  
رای تو بود کشتنم کشتہ شدم برای تو

خواہم از دل بر کشم پیکان تو

لیک از دل بر نمی آید مرا

سلمان ساوجی:

صبا چون شست زلفت بر کشاید

ز تیر چرخ بانگ زہ بر آید

کمال بخندی:

دشوار کشد نقش دوا بروی تو نقاش

آسان نتوانند کشیدن دو کمان را

بما آن صوفی بریدہ بنی

بغیر از عجز و مسکینی ندارد

نشاید جرم خود بینی براو بست

کہ آن بیچارہ خود بینی ندارد

نظام استر آبادی:

تیرت زشت ہجران بر جان و دل نشست

گویم بر آرم از جان اما گویم از دل

سیفی:

ہر گہ کہ چون عرابہ شوم در پیش روان

غلاطان شوم براہ و نہ چون گویم و نہ چہ

ذیل کی دو مثالوں میں قواعد زبان کی کچھ ایسی ساخت ہے کہ ہر شعر دو مختلف معنوں کا حامل ہے:

ای خواجه ضیا شود ز روی تو ظلم — با طلعت تو سور نماید ماتم

موجود باقبال تو معدوم شود  
آباد ز کردار تو گردد ویران  
شاہزادوں اور شعرا کی بدیہہ گوئی:

تبریز کے شیخ الاسلام نے ایک بار شاعر ملا محمد کو ایک کہنہ جام عطا کیا۔ شاعر نے قطعہ ذیل لکھ بھیجا:

جامہ بخشید شیخ الاسلام اعظم بندہ را  
رشتہ حوا از برای آدمش در بدو حال  
وانگہ از مقتول پشم ناقہ پیغمبرش  
من چہ حد دارم کہ پوشم جامہ را کاندرو

وہ مبارک جامہ سال فراوان یافتہ  
مریمش در کارگہ از بہر عیسی یافتہ  
فاطمہ گشتہ رفوگر ہر کجا بشکافتہ  
آفتاب طلعت چندین پیمبر یافتہ

سلطان سنجر کے درباری شعرا رشیدی اور عمیق بخارائی میں برابر چشمک رہا کرتی تھی۔ ایک بار سلطان سنجر نے عمیق سے رشیدی کی شاعرانہ عظمت کے متعلق دریافت کیا۔ جواب ملا کہ وہ اچھا شاعر ہے لیکن اس کے اشعار بے نمک ہوتے ہیں۔ سلطان نے رشیدی سے اس تنقید کے متعلق رائے طلب کی۔ رشیدی نے فوراً جواب دیا:

شعر ہای مرا بہ بی نمکی  
شعر من ہجو شکر و شہد است  
شایم و باقلاست گفتہ تو  
شعر ہای مرا بہ بی نمکی  
شعر من ہجو شکر و شہد است  
شایم و باقلاست گفتہ تو

ایک بار شاہ سنجر کے دربار میں رشید الدین و طواط کو کم رتبہ لوگوں سے بھی نچلی جگہ ملی۔ و طواط نے کہا:

دانی شہا کہ دور فلک در ہزار سال  
گر زیر دست ہر خس و ناکس نشانیم  
بحر است مجلس تو و در بحر بی خلاف  
چون من یگانہ نہ نماید بصد ہزار  
آنجا لطیفہ ایست بدانم من این قدر  
لو لوبہ زیر باشد و خاشاک بر زیر

داوری کاشانی نے ایک خراسانی کی مدح کی۔ ممدوح نے اظہار خیال کیا کہ مدح میں کوئی جان نہیں۔ داوری نے قطعہ ذیل لکھ بھیجا:

در خراسان مدحتی گفتم نہ از روی طمع  
گفتمش بسیار نیکو گفتمی این انصاف بود

او غلط فہمیدہ گفتا مدح ما معنی نداشت  
بندہ ہم دانستہ ام مدح شما معنی نداشت

ایک کاتب مسمی انیا نے آذری طوسی کا دیوان نقل کرنے میں بڑی آزادی کے ساتھ بہت سے الحاقی اشعار کا اضافہ کر دیا جو اس کے اپنے تھے، آذری نے برا فروختہ ہو کر کہا:

دیوان بندہ را کہ انیا سواد کرد  
از نظم و نثر ہم چہ بطبعش خوش آمدہ

تہا درونہ شعر مجرّد نوشتہ است  
دیوان بندہ پر ز خوشامد نوشتہ است

دست تصرفش ہمہ را بد نوشتہ است  
زیرا کہ بیشتر سخن خود نوشتہ است

خواجو کرمانی اور عصمت بخارائی ایک ہی دربار کے حریف شعرا تھے۔ بادشاہ ان کی چشمک سے اکثر محظوظ ہوا کرتا تھا۔ ایک بار ایک محفل نشاط میں عصمت بادشاہ کا جلسہ تھا۔ بادشاہ نے خواجو کو آتے ہوئے دیکھ کر عصمت سے مخاطب ہو کر کہا تمہارا دوست آرہا ہے۔ کیا تم اس کا استقبال نہیں کرو گے؟ عصمت نے جل کر کہا:

خواجو نگر خواجو نگر خواجو ز کرمان آمدہ  
کرمان زنگہ بیرون شوند این کہ ز کرمان آمدہ

ایک دن جبکہ برف باری ہو رہی تھی رشید و طواط ادیب صابر سے ملنے گیا۔ آخر الذکر اپنے سکون میں خلل نہیں پیدا کرنا چاہتا تھا لہذا اپنے نوکر سے کہلوادیا کہ صاحب قیامگاہ پر نہیں ہیں۔ رشید و طواط نے جھلا کر کہا:

آنکس کہ بیرون رود درین روز  
کودن تر ازو دگر کسی نیست

صابر نے یہ شعر سنا تو کھڑکی سے سر باہر نکال کر یوں جواب دیا:

من خود بہ حرم سرای خویشم  
پیدا است کہ از بیرون در کیست

ایک بار سلامی اور کلامی دو برادران نے وزیر محمد شریف اصفہانی کی شان میں ایک

عام مدحیہ قصیدہ نظم کیا اور انعام حاصل کرنے کی غرض سے دربار میں حاضر ہو کر اسے پڑھا۔  
وزیر بہت افسردہ خاطر ہوا اور انہیں تھوڑی رقم دے کر شعر ذیل کہہ کر واپس کیا۔  
دو چیز است بدتر ز تیغ حرامی کلام سلامی، سلام کلامی

شاہپور نیشاپوری نے سلطان جلال الدین محمد خوارزم شاہ کے وزیر خواجہ نور الدین کی خدمت میں باریاب ہونا چاہا۔ پانچ دنوں تک حاضری دیتا رہا لیکن ہر بار اسے یہ کہہ کر واپس کیا گیا کہ خواجہ بادہ پرستی میں مصروف ہیں۔ جب وہ چھٹی بار حاضر ہوا اور خواجہ کو اس کی خبر ملی تو کہلا بھیجا کہ اگر وہ معاملات کے حسب حال شعر موزوں کرے تو باریابی نصیب ہو سکتی ہے۔  
شاہپور نے لکھ بھیجا:

فضل تو و این بادہ پرستی باہم      مانند بلندی است و پستی باہم  
حال تو بچشم ماہرویان ماند      کا نجاست مدام نور و مستی باہم

## عربی ہجاگوئی اور اس کے اثرات

عرب شاعری کا بیشتر حصہ برجستہ اور آمد ہے اور وہ شعر اجو آورد اور تکلف ہے شعر کہتے تھے انہیں ”غلامان شعر“ کا خطاب ملا تھا۔ زمانہ جاہلیت کی شاعری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اصلیت اور راستی پر مبنی ہے، جذبات کی کامل اور سچی عکاسی فطرت کی صحیح ترجمانی، آورد اور تکلفات سے عاری ہے اور اس لیے اس میں اختصار کی کثرت ہے اور مجازی باتیں کم ملتی ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں منطقی طریقوں اور طبعی تقاضوں کے مطابق ترتیب و تسلسل افکار پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ چنانچہ انکی شاعری میں محسوسات ذہنی اور واردات قلبی کی ایسی حقیقی ترجمانی اور کامیاب مصوری ہوتی ہے جس کی مثال ادبیات عالم میں نہیں ملتی۔

ازمنہ قدیم کا عرب شاعر مافوق الفطرت صفات کا حامل زر غیر مادی علوم سے مزین ساحر شمار کیا جاتا تھا جو اپنے ساحرانہ اظہار کمال میں جن یا شیطان کی رفاقت اور استعانت پر انحصار کرتا تھا۔ وہ اپنے قبیلے کا ہاتف غیبی، امن میں ان کار ہنما اور میدان کارزار میں ان کار فیتق و سربراہ ہوتا تھا۔ عرب شاعری کی اساس مدح اور ہجو کے دو مہتمم بالشان عناصر پر قائم تھی اور یہ دونوں اصناف سخن دور جاہلیت میں ساحری کے مترادف تھے (۱)۔

غنیم قبائل کی ہجو لکھنا شاعر کا فرض اولین تھا اس لیے کہ ہجو ایک ہلاکت آفرین بلا تھی جس کی اہمیت و افادیت مادی جنگی اسلحوں سے کم تصور نہیں کی جاتی تھی جس طرح عرب قبائل اپنے نیزوں، تیروں اور تلواروں سے دشمنوں کو مجروح کرتے اور انہیں جسمانی ایذا پہنچاتے تھے بالکل اسی شدت، جوش، وحشیانہ اور درندانہ انداز میں شاعر اپنی ہجویات کی ضربوں سے مدد مقابل کے دل و جگر پاش پاش کر دیتا تھا۔ ہجاگو شاعر ایک وحشی اور ہیبت ناک چنگماڑتے ہوئے درندے کی مانند اپنے غنیم کو بددعائیں کرتا ہوا میدان میں اترتا تھا۔ ایک شاعر کی قادر الکلامی اور اس کی شاعرانہ عظمت کا انحصار اس کی ہجویات پر تھا یعنی قبائلی جنگی مہمات کا نتیجہ فتح و ظفر اور شکست و ہزیمت ہجاگو شاعر کی پیغمبروں کی مثل القاشدہ (الہامی) بدعاؤں کی تاثیر،

(1)- A Literary History of the Arabs-by Nicholson, Reynold A p. 72

کو سننے کی قوت اور انوکھے انداز تلفظ پر منحصر تھا (۱)۔ ہجو کی اثر انگیزی و جراحت آفرینی کی طرف ذیل کے عربی شعر میں اشارہ ہے، شعر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہے:

وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

(نیزے کا زخم بھر جاتا ہے لیکن زبان کا زخم کبھی نہیں بھرتا)

ایڈوارڈ فارس (Edward Fares) عربی دور جاہلیت کی ہجو گوئی کا مقصد اور

اس کے آلہ کاروں کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے: (۲)

" The *Hija* proper which was extemporised verse, employed humour, ridicule, and sometimes obscenity, and was designed to attack the enemy's honour."

اپنی عزت کو اتہام کے بدنامدانوں سے پاک رکھنا، جاہلی عرب کی زندگی کا نہایت لازمی فریضہ تھا اور کسی کی شخصی تضحیک یا عزت پر حملہ اس کی زندگی پر حملہ تھا لہذا شاعروں کا استہزائی کلام غیر معمولی تاثر کا حامل تھا اور لوگ نشانیہ ہجو بننے پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔

قدیم عرب قبائل اپنی ذاتی شرافت، نسبی نجابت و سیادت اور خاندانی عظمت و بلندی اور شان و شکوہ رفتہ کے فخریہ اظہار کے لیے مباحثوں اور مکالموں کی مجلسیں منعقد کرتے تھے جس میں ڈینگیں مارنا اور دشنام آمیز طریقہ بیان سے ایک دوسرے کی تضحیک کرنا ان کا واحد مقصد ہوتا تھا اس موقع پر اور شاید دیگر مذہبی تقریبات کے موقعوں پر بھی شاعروں کی ہجویات سے ساحرانہ کارگذاری کی امیدیں وابستہ ہوا کرتی تھیں اور ان مقابلوں کا انجام کسی کے قتل یا قبائلی جنگ کی صورت اختیار کر جاتا تھا۔

ہجو عربوں کے درمیان نہ صرف ایک عوامی اسلحہ جنگ تھا بلکہ ذاتی اغراض کی تکمیل کا ذریعہ بھی تھا۔ ساتویں صدی عیسوی کا ایک عرب شاعر جردول ابن عوس تمام قبیلوں کی مدح سرائی کرتا پھرتا اور ساتھ ہی ہجو کے عالمگیر خوفناک اثرات کا اعلان کرتے ہوئے انعامات بھی حاصل کرتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ عمرؓ نے عوام کی زندگی، عزت اور دولت کے تحفظ و امن کے پیش نظر شاعر مذکور کو مقید کرنا لازمی قرار دیا۔

عرب میں ہجو گوئی کا ایسا عام رواج ہوا کہ عرب خواتین نے بھی طبع آزمائی شروع

(1)- The power of Satire by Robert C. Elliot. p. 15&16

(۲) - ایضاً

کی بلکہ خواتین نے فنی بلوغ کا ایسا ثبوت دیا کہ عوام میں انہیں بہت اہم مقام حاصل ہو گیا۔ خواتین ہجو کا استعمال پروپگنڈا اور دشنام کے طور پر کرتی تھیں۔ لوگ ان سے خائف رہنے لگے، یہاں تک کہ عظیم ترین رہبر عالم اور حاکم زمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار ہجو گو خواتین کے قتل کا حکم دیا جبکہ آنحضرت حتی الامکان جنگ و خونریزی اور قتل و غارتگری سے احتراز کیا کرتے تھے (۱)۔ گوئٹین (Goitein) کے مطابق آج بھی یمنی عورتیں ہجو یہ اشعار کے ذریعہ عام واقعات و حالات پر تنقیدیں کرتی ہیں۔

صدیوں تک ہجا کی قاتلانہ تضحیک (Mockery) اور دشنام آمیز تقریر (Invective) نے ہجو قبیح (Lampoon) کے لیے زمین ہموار رکھی جس کے ذریعہ شعرا اپنے ذاتی یا عوامی و قبائلی دشمنوں پر حملہ کیا کرتے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت عرب جاہلیت کی ظلمت، ذہنیت کی گندگی اور فرقہ وارانہ تعصبات کی تباہ کاریوں کے اسیر تھے اور ان کی شاعری ان صفات خارجی و داخلی کے اظہار کا ایک آلہ کار تھی۔ ہادی آدم، رہبر عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح اخلاق اور انفاذ اتحاد کے پیش نظر شاعری کو مذموم قرار دیا اور عام مسلمانوں نے شعر و شاعری ترک کر دی لیکن جب قبیلہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تبعین کو اپنی جگر پاش ہجوؤں سے اذیتیں پہنچانا شروع کیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عام مسلمانوں کو اس کی اجازت دیدی۔ ان کی حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

”جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی اپنے ہتھیاروں سے مدد کی ان کو کیا چیز روکے ہوئے ہے کہ وہ اپنی زبانوں سے ان کی مدد نہیں کرتے۔“

چنانچہ حسان بن ثابتؓ وغیرہ نے اپنی ہجوؤں کے تیروں سے قریشیوں کے بدن چھید ڈالے۔ ایڈوارڈ فارس کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی جنگ کے بعد فرمایا کہ تیروں کی بارش سے اسلام کو اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا کہ تین شاعروں کی ہجوؤں سے (۲)۔ عرب میں اسلامی عہد کی ہجو نگاری عام تقلیدی مسلک اور مروجہ انداز پر قائم رہی جس میں حسب و نسب پر اظہار افتخار کیا جاتا تھا۔ البتہ شاعروں کے طبقہ، ماحول اور طبیعت کے

(1)-Power of Satire by Elliot, R.C. p. 17

(۲)- تین ہجا گو شعرائے عرب:- (الف) عبداللہ بن الزبیری، (ب) عمرو بن العاص (ج) ابوسفیان: تاریخ ادب عربی از احمد حسن زیات ترجمہ اردو از عبدالرحمن سورتی ص ۱۸۴۔



اختلاف سے ان کی ہجویات میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے۔ اسلامی عہد میں عربی ہجا گوئی کے ابتدائی دور کا معروف ترین شاعر جریر ہے۔ یہ آٹھویں صدی عیسوی میں مدح سرائی اور ہجا گوئی میں معروف تھا۔ احمد حسن زیات (۱) کے مطابق جریر ”پہلا شخص کہا جاسکتا ہے جس نے ہجو یہ شاعری کو عامیانه اور مبتذل اسالیب قبول کرنے پر مجبور کیا۔“ جریر ہجو گوئی میں نئے نئے حیرت انگیز طریقے ایجاد کیا کرتا تھا۔ اس نے شخصی اور خاندانی و قبائلی ہجو کو تکلیف دہ اور مقبول بنانے میں بڑی کامیاب کوشش کی۔ اھطل اور فرزدق سے ہجو گوئی میں جریر کی معاصرانہ چشمک رہا کرتی تھی اور وہ انہیں شرمناک گالیاں دیا کرتا تھا۔

جریر کا ہم عصر ہجا گو شاعر فرزدق ہے جو بے قید و بے جھجک ہنسی مذاق کرتا اور نہایت بے شرمی و عریانی، آوارگی و بدکاری کی باتیں کیا کرتا تھا۔ اپنی تند مزاجی کی وجہ سے قطعاً نرمی یا رعایت روانہ رکھتا تھا۔ ہجو میں بھی وہ شرمناک باتیں بیان کرتا، کھلے اور ننگے الفاظ میں نام لے لے کر ذلیل اور عریاں مضامین اس طرح لفظ کر تا کہ ایک شرمیلی لڑکی کا تو ذکر ہی کیا نوجوان مرد بھی اسے سنانے میں شرماتا جائیں۔ لیکن فرزدق کے ریک حملے اس وقت ہوتے، جب کسی کی انتہائی تذلیل و تحقیر اور بدنامی مقصود ہوتی۔ یہ اونچے ہتھیار اس زمانہ سے پہلے کی عرب شاعری میں استعمال نہیں ہوتے تھے۔ انسانیت ایسی پستی کو گوارا نہیں کر سکتی۔

جریر کا دوسرا ہم عصر ہجا گو شاعر اھطل ہے جو اپنی قوم کا سردار، شریف النفس انسان اور پاک طینت شخص تھا۔ ہجو میں بھی اس کی زبان خواص کی زبان تھی جن میں نہ تو معیار سے گرے ہوئے الفاظ ہوتے تھے اور نہ شرمناک عریاں مضامین سے مدد حاصل کی جاتی تھی۔ بلکہ وہ اپنے حریف کی مردانہ صفات پر حملہ کرتا تھا اور یہ بتاتا تھا کہ وہ سخاوت، بہادری، شرافت اور راست بازی سے بے بہرہ ہے۔ کبھی کبھی وہ ان اعمال کو بھی اپنی ہجو میں شامل کر لیتا تھا جنہیں اسلام نے برابرایا ہے حالانکہ اپنی ذات سے وہ ان اعمال کو اچھا سمجھتا تھا۔

اگر ان معاصرین ثلاثہ کی ہجویات سے نئے مضامین، سخت لب و لہجہ اور عمدہ عکاسی کو نکال دیں تو ان کی یہ ہجو خنبل فریبی، حسان بن ثابت اور حطیہ جیسے اساتذہ کی ہجویات کے دائرہ سے خارج نہیں معلوم ہوگی جن کی ابتدا قدیم کھنڈرات کے وصف اور تشبیہ سے ہوتی

(۱)۔ تین ہجا گو شعرائے عرب :- (الف) عبد اللہ بن الزبیری، (ب) عمرو بن العاص (ج) ابوسفیان:

تاریخ ادب عربی از احمد حسن زیات ترجمہ اردو از عبدالرحمن سورتی ص ۲۰۱۔

اور مدار مفاخرت و منافرت پر ہوتا تھا (۱)

پہلی اور دوسری صدی ہجری میں فارسی شاعری کی تاریخ کے صفحات سادے ہیں۔ اس طویل عہد میں ایران میں عربی زبان و ادب کا ہی تسلط رہا۔ یہ حکام اور سفارت خانوں کی زبان تھی، مذہب اور خالص ادبی تصانیف کی زبان تھی۔ لہذا فارسی کے شعرا و ادبا ترجمی طور پر عربی کو اپنی قومی و وطنی زبان فارسی کے متبادل استعمال کرتے تھے۔ عہد عباسیہ میں عربی زبان و ادب کے ایرانی نژاد علماء و فضلا تاریخی اور فلسفیانہ مضامین کی تحقیق و تفتیش میں خاص دلچسپی لیتے لیکن انہیں اپنے وطنی شعری سرمایوں کے جمع آوری کی قطعاً فکر نہ تھی یہاں تک کہ دانش وروں نے ایران قدیم کی تاریخ اور تہذیب و تمدن سے متعلق نگارشات عربی میں ہی تالیف کیں۔ فارسی زبان و ادب سے پہلو تہی کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ فارسی زبان اس عہد تک وہ بلوغ و کمال اور وسعت و پختگی نہ حاصل کر سکی تھی کہ عظیم ادبی تصانیف اور دقیق خیالات اور فکری مضامین کے اظہار کا ذریعہ بن سکے اس لیے کہ مختصر عرصہ میں ہی اسلام نے اپنے خاص علوم و فنون اور ادب و انشا کا سرمایہ اس قدر وسیع کر لیا اور تمام شعبوں میں وہ اختراعات اور جدتیں پیدا کی کہ اس کے سامنے تمام قوموں کو اپنا قدیم لٹریچر ہیچ اور بے وقعت نظر آنے لگا۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جہاں جہاں اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں یعنی ایران، مصر، شام، اندلس، ان تمام ممالک میں اسلامی علوم و فنون نے مفتوحہ قوموں کے علوم و فنون کو بالکل ماند کر دیا۔ اس لیے عربی شاعری کے آگے دوسری قوموں کو اپنی زبان میں شاعری کرتے شرم آتی تھی۔ اور پھر یہ کہ ایرانیوں کے لیے عربی زبان میں تصنیف و تالیف کرنا اس عہد کے فیشن میں داخل تھا۔ ایرانی فضلا کی اس تنگ نظری اور فارسی زبان سے بے توجہی نے بہت سے فارسی شعرا کے کلام کو قعر گمنامی میں ڈال دیا اور یہ شعری سرمائے منت کش اعتنائے عوام نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دو صدیوں اور اس کے فوراً بعد کے عہد ساسانی کے شعرا کو کوئی سرمایہ کلام دستیاب نہیں ہوتا۔ انہیں عربوں کی خونریزی و غارتگری اور حملہ تسلط و غلبہ نے فنا کر دیا ہو یا خود ایرانیوں کی بے توجہی کے نذر ہو گئے ہوں وجہ جو بھی ہو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عربوں کے حملہ تسلط سے پہلے اور بعد کے عہد میں فارسی شاعری کا وجود تھا۔ دولت شاہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ”عبداللہ بن طاہر نے حکم دیا تھا کہ

(۱) - تاریخ ادبیات عربی از استاد احمد حسن زیات، ترجمہ اردو از عبدالرحمن سورتی، ص ۲۱۴۔

ایران کی تمام کتابیں برباد کر دی جائیں۔ اس بنا پر آل سامان کے زمانہ تک فارسی شاعری نے ظہور نہیں کیا (۱)۔

اس عہد کی فارسی شاعری کے دستیاب اجزائے پریشاں سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ فارسی شعر اخاص خاص موقعوں پر اقتضائے حال کے مطابق شعر موزوں کرتے تھے اور یہ شعر چونکہ عربی زبان و ادب کے ماہر تھے لہذا اپنے احساسات ذہنی اور واردات قلبی کو فارسی زبان میں بھی بڑی آسانی سے نظم کا جامہ عطا کر دیتے تھے۔ لیکن چونکہ عربی ان کی زندگی اور ان کے ادب کا ایک جزو لاینفک بن چکی تھی لہذا ان کی فارسی شاعری صرف خارجی طور پر یعنی لسانی اعتبار سے فارسی تھی ورنہ اس کی روح و رواں عربی تھی اور یہ شاعری فکر و فن دونوں اعتبار سے عربی کا ہی چرہ ہوتی یعنی ان کا انداز تفکر عربی ہی ہوتا تھا۔ ان کی تخلیق کے پس پشت عربی تخلیقی تحریک کار فرما رہا کرتی تھی اور ان کے اشعار عربی اصناف سخن اور طرز بیان کے نمونوں پر قائم ہوتے تھے۔ داؤد پوٹا کی کتاب میں ڈارمسٹیٹر کا قول اس ضمن میں یوں نقل ہوا ہے (۲):

"The school of Rudaki and his successors," says Darmesteter, "is Persian only in language, the inspiration and models are Arabian."

فارسی شاعری کی تاریخ میں ایک دور ایسا گذرا ہے کہ ایرانی شعر عربی شاعری کو اپنے سامنے رکھ کر شعر کہتے تھے اور قرون اولیٰ کی فارسی شاعری میں بہت سے قصائد، قطعات اور مفردات ایسے ملتے ہیں جو عربی اشعار کے ترجمے ہیں۔ اہل مجسم کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ شاعری میں ان کے استاد عرب ہیں، چنانچہ انوری نے بجا کہا ہے:

شاعری دانی کد امین قوم کردند آنکہ بود  
اول شان امرء القیس آخر شان بو فراس

منوچہری دامغانی نے عرب شعرا کے دواوین کو زبانی یاد کر رکھا تھا اور اسے اس پر فخر تھا کہ اسے عربی اشعار اس کثرت سے یاد ہیں اور یہ اس کے لیے معاصرین پر وجہ ترجیح ہے۔ ایک دوسری جگہ منوچہری نے عنصری کا مدحیہ قصیدہ لکھتے ہوئے عنصری کا مقابلہ قدیم عرب شعرا سے کیا ہے جو عنصری کی برابری نہیں کر سکتے اور جریر، فرزدق، ولید اور لبید وغیرہ کو اس

(۱)۔ شعرا لعمم از مولانا شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۵۔

(2) - The Influence of Arabic Poetry on the Development of Persian Poetry by U.M. Daudpota - p. 75, 104 to 111

سے کمتر ظاہر کیا ہے گویا عربی شاعری فارسی شعرا کے لیے نشان راہ تھی۔ کیا فکر اور کیا فن دونوں اعتبار سے یہ عربوں کے مقلد تھے۔ یہاں چند مثالیں بطور ثبوت پیش کی جاتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح فارسی شعرا نے عربی اشعار کا چربہ اتارا ہے (۱):

انقلاب زمانہ کے متعلق ابن الرومی (متوفی ۲۸۳ھ / ۸۹۶ء) کہتے ہیں:

دَهْرٌ عَلاَقَدْرُ الوَضِيعِ بِهِ وَتَرَى الشَّرِيفَ يَحْطَلُهُ شَرْفَهُ  
كَالْبَحْرِ يَرَسِبُ فِيهِ لَوْلُوهُ سَفَلًا وَ تَعْلُو فَوْقَهُ جِيفَهُ

(ترجمہ: یہ انقلاب زمانہ ہے کہ ادنیٰ لوگ بلند رتبہ ہیں اور شریف و نجیب لوگ بے قیمت ہو رہے ہیں موتی سمندر کی تہ میں ہوتا ہے لیکن مردہ سطح آب پر تیرتا رہتا ہے)۔

رشید الدین و طواط (متوفی ۵۷۸ھ / ۱۱۸۲ء) نے اسے یوں ترجمہ کیا:

گر زیر دست ہر کس و ناکس نشانیم بحراست مجلس تو دور بحر بی خلاف  
آنجا دقیقه ایست دانم من اینقدر لولوی زیر باشد و خاشاک برزبر

ابن یمن (متوفی ۷۲۵ھ) نے اسی خیال کو اس طرح دہرایا ہے:

بہ بزم آصف جمشید رتبت گہی کا بن الیمین از پا نشیند  
ندارد خویشتن را در مضیقی ز نااہلی اگر ادنیٰ نشیند  
فرو تر پایہ دارد مرد نادان اگرچہ برتر از دانا نشیند  
ندارد قدر گوہر ہیج خاشاک بدریا گرچہ او بالا نشیند

جفائے روزگار سے متعلق الممتقی (متوفی ۳۵۴ھ / ۹۶۵ء) نے یوں خیال آفرینی کی:

رَمَانِي الدَّهْرُ بِالارْزَاءِ حَتَّى فَوَادِي فِي عَشَاءٍ مِنْ نِبَالِ  
فَصْرَتْ إِذَا أَصَابْتَنِي مِيهَامٌ تَكْسَرُ النَّصَالُ عَلَى النَّصَالِ

(ترجمہ: روزگار نے مجھ پر جو روستم کے بے شمار تیر چلائے اتنا کہ میرا دل ان تیروں سے ڈھک گیا۔ اب جو تیر چلتے ہیں وہ ما قبل تیروں سے ٹکرا جاتے ہیں)۔

(1)- The influence of Arabic Poetry on the Development of Persian Poetry by U.M. Daudpota - p. 75, 104 to 111

جمال الدین اصفہانی (متوفی ۵۸۸ھ / ۱۱۹۲ء) نے متنبتی کے خیال کی تقلید کی ہے، فرق یہ ہے کہ جہاں متنبتی کا دل تیروں کے انبار میں چھپ گیا ہے جمال الدین پر تیر چلاتے چلاتے فلک کا زکش خالی ہو چکا اور تمام تیر ان کی پشت پر ایسے گڑے کہ جمال الدین مثل ساہی (خار پشت) ہو گئے:

نماند تیری در ترکش قضا کہ فلک      سوی دلم بر انگشت امتحان نکشود  
چون خار پشتی گشتم از تیر آزارش      کہ سوی بر تن صبرم ز تیر او بشخود

”صبر کرو صبر کا پھل بیٹھا ہوتا ہے“ اس مقولہ کو کئی عرب شاعروں نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے، مثلاً ابو تمام (متوفی ۲۳۱ھ / ۸۴۶ء) کا شعر ہے:

وَمَا نَفَعَ مَنْ قَدَمَاتٍ بِالْأَمْسِ صَادِيَا      إِذَا مَا السَّمَاءُ الْيَوْمَ طَالَ انْهَارَهَا  
(ترجمہ: جو شخص کل شام شدت پیاس سے مر گیا اگر آج پورے دن بارش ہوتی رہے تو کیا فائدہ؟)

ابو فراس (متوفی ۹۶۸ء) نے یوں خیال آفرینی کی:

يعللتني بِالْوَصْلِ وَالْمَوْتِ دُونَهُ      إِذَا مَتَّ ظَمَانًا فَلَانزِلِ الْمَطَرِ  
(یعنی وہ مجھے وصال کے عہد و پیمانے میں منتظر رکھتے ہیں ایسا کہ ع:

تمام رات قیامت کا انتظار کیا۔  
اگر میں پیاسا مر جاؤں اور پھر پانی برسا تو کس کام کا؟  
احمد بن بندار کہتے ہیں:

وقالوا يعود الماء في النهر بعد ما      عِفت منه آثارٌ و جفت مِشارعه  
فقلتُ إلى أن ير جمع الماء عايداً      وتعثب شطاه تموت ضفادعه  
(یعنی وہ کہتے ہیں کہ چشمہ میں پانی جاری ہو گا جب اس کے نشانات مٹ جائیں گے اور ماخذ خشک ہو جائیں گے، میں نے کہا کہ قبل اس کے کہ پانی دوبارہ جاری ہو اور لب جو سر سبز ہو مینڈک مر جائے گا۔)

ان خیالات کو بیان کرتے وقت فارسی شعرا صرف اتنا فرق پیدا کر دیتے ہیں کہ مینڈک کی جگہ مچھلی کا استعمال کرتے ہیں۔

(۱) پندار رازی (متوفی ۴۰۱ھ / ۱۰۱۱ء) نے اسی خیال کو اس طرح موزوں کیا:

باط میگفت مای در تب و تاب      غم نیست بجوی رفتہ باز آید آب  
بط گفت چو من قدید گشتم تو کباب      دنیا پس مرگ ماچہ دریاچہ سراب

پندار رازی کا قطعہ بالا اور انوری کے اشعار ذیل احمد بن بندار کے اشعار کا ترجمہ ہیں۔ انوری کہتا ہے (۱):

ہمدی گفت صبر کن زیرا      صبر کار تو خوب و زود کند  
آب رفتہ بجوی باز آید      کار بہتر از انچہ بود کند  
گفتم آب از بجوی باز آید      مای مردہ را چہ سود کند

ابن بیمن (متوفی ۴۵۷ھ / ۱۳۴۳ء) نے خیال بالا کو اس طرح نظم کیا:

چہ سود آنگہ کہ مای مردہ باشد      کہ باز آید بجوی رفتہ آبی

اس حقیقت سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ فارسی ادبیات میں ہزاروں عربی جملے، امثال، محاورات، تلمیحات اور عربی صنائع و بدائع لفظی و معنوی کا فارسی شاعری میں التزام کیا گیا ہے اور فارسی شاعری پر عربی اثرات کی وافر مثالیں موجود ہیں جن کے بیان کے لیے دفاتر درکار ہیں۔

ایران پر عربوں کے تسلط نے نہ صرف ملک کی مادی حالت کو متاثر کیا بلکہ وہاں کی ذہنی فضا پر بھی اپنے نقوش چھوڑے۔ عربی کے اثر سے فارسی زبان نے نئی شکل اختیار کی اور شاعری نے باعتبار ہیئت بڑی حد تک عربی سے استفادہ کیا جس کا اعتراف خود ایرانی تذکرہ نگار اور شاعر و ادیب کرتے ہیں۔ شمس قیس رازی اپنی تالیف المعجم فی معایر اشعار العجم میں لکھتا ہے:

”ہجا اور ہزل“ شعر و شاعری کے ابتدا سے ہی منظوم ادبیات کا ایک جز تھا۔ ایرانی

شعر نے ابتدا ہی سے شاعری کے اصول، اس کے اغراض و مقاصد اور موضوعات میں عرب

(۱) - داؤد یونا اپنی کتاب The Influence of Arabic Poetry on the

Development of Persian Poetry کے صفحہ ۱۰۹ پر اور IM.N.Kuka اپنی کتاب

Wit, Humour and Fancy of Persia کے صفحہ ۹۸ پر اس قطعہ کو انوری سے

منسوب کرتے ہیں لیکن دیوان سنائی مطبوعہ تہران کے صفحہ ۶۹۶ پر یہ قطعہ بغیر کسی تبدیلی کے

تحریر ہے اور سنائی ہی سے منسوب ہے۔

شعرا کی پیروی کی اور جب ایران میں باضابطہ فارسی شاعری کا آغاز ہوا تو عرب کی دور جاہلیت اور اسلامی شاعری کے فکری اور فنی اصولوں کی پیروی ہونے لگی۔ ہجو سرائی عربوں کا ایک قدیم ترین موضوع سخن تھا اور امویوں کے عہد حکومت میں بھی شدت کے ساتھ رائج تھا۔ عرب کے معروف شعرا اخطل، جریر اور فرزدق کی ہجویات ذمائم اور ہتاک کی حد تک پہنچ چکی تھیں۔ جب عربی موضوعات شعر و سخن فارسی ادبیات منظوم میں راہ پانے لگے تو ہجو سرائی بھی دیگر موضوعات کی مانند شعرائے ایران کی طبع آزمائی کا موضوع قرار پایا۔ ایرانیوں کے یہاں بھی ہجو کا مزاج وہی رہا جو عربوں کا تھا جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

## فارسی شاعری میں ہجو گوئی کی ابتدا

ابن مفرغ، رودکی، فردوسی

فارسی زبان و ادب کی تاریخوں اور تذکروں میں قدیم ترین شعر فارسی کے متعلق قیاس آرائیاں اور بحث و تمحیص ہوتی رہی ہیں، اس سلسلہ میں نورالدین محمد عوفی کا قول اکثر تسلیم کیا جاتا رہا ہے کہ فارسی کا قدیم ترین شعر ابو العباس یا عباس مروزی کا وہ شعر ہے جو اس نے خلیفہ مامون الرشید کی شان میں ۱۹۳ھ میں نظم کیا تھا، جس کا مطلع یہ ہے:

ای رسائیدہ بدولت فرق خود تا فرق دین گسترانیدہ بچود و فضل در عالم یدین

لیکن مرزا محمد خان بن عبدالوہاب قزوینی کو عوفی کی رائے سے اختلاف ہے اور انہوں نے قصیدہ کے وزن اور عوفی کے متقدمین و معاصرین تذکرہ نگاروں مثلاً رشید الدین و طواط صاحب حدائق السحر، نظامی عروضی سمرقندی صاحب چہار مقالہ اور شمس قیس رازی صاحب المعجم فی معایر اشعار العجم کے اس قصیدہ کی قدامت کا کوئی ذکر نہ کرنے کی بنیاد پر عوفی کے قول بالا سے اختلاف کیا ہے (۱) اور قصیدہ مذکورہ کو عہد مابعد کا ایک جعلی اور مصنوعی قصیدہ قرار دیا ہے۔

(۱)۔ بیست مقالہ قزوینی ج، ۱، ص ۳۳-۳۷،

شمس الدین محمد بن قیس رازی اپنی تالیف المعجم فی معانی اشعار العجم میں فارسی کا قدیم ترین شعر ابو حفص حکیم بن احوص سعیدی سمرقندی سے منسوب کرتے ہیں اور شعر ذیل نقل کرتے ہیں (۱):

آہوی کوہی در دشت چگونہ دودا یار ندارد بی یار چگونہ دودا

قزوینی شمس قیس رازی کے قول کو بھی نامعقول اور واہیات تصور کرتے ہیں۔ ان کے مطابق قدیم عرب کے مصنفین مثلاً جاحظ (متوفی ۲۵۵ھ) ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۰ھ) طبری (متوفی ۳۱۰ھ) صاحب تاریخ کبیر اور ابوالفرج اصفہانی (متوفی ۳۵۶ھ) صاحب اغانی نے شعر فارسی کے دو فقروں کو نقل کیا ہے جس میں ایک تقریباً ۶۰ ہجری یعنی عہد خلافت یزید بن معاویہ (۶۰-۶۳ھ) کے دوران اور دوسرا ۱۰۸ھ ہشام بن الملک کے دور خلافت میں نظم ہوا (اور ان دونوں فقروں کو قدیم ترین شعر فارسی بعد از اسلام تسلیم کیا جاسکتا ہے) جس میں سے ایک کا شاعر عرب ہے اور دوسرا اصطلاحی طور پر ادبی شعر نہیں بلکہ عامیانه ہے۔ قزوینی ایک مقالہ میں لکھتے ہیں: (۲)

”... و علی العجالة شاید بتوان این دو فقرہ را قدیم ترین نمونہ شعر فارسی بعد از

اسلام محسوب داشت، ہر چند در اول آنها چنانکہ خواہیم گفت اگرچہ خود شعر

فارسی است ولی شاعر عرب است و ذومی آنها شعر ادبی معنی مصطلح نیست بلکہ

شعر عامیانه و با اصطلاح حالیہ ’تصنیف‘ است۔“

ابن قتیبہ طبقات الشعرا صفحہ ۲۱۰ میں اور طبری تاریخ کبیر (سلسلہ ۲ ص ۳-۱۹۲)

میں اور ان دونوں سے مفصل تر ابوالفرج اصفہانی کتاب الاغانی (جلد ۷ ص ۵۶ تا بعد) میں لکھتے ہیں کہ عہد خلافت یزید بن معاویہ میں عبید اللہ بن زیاد کے بھائی عباد بن زیاد کو سیستان کی گورنری عطا ہوئی۔ عباد بن زیاد کے ایک معاصر شاعر یزید بن مفرغ نے بھی عباد کے ساتھ سیستان جانے کی درخواست کی اور بہر صورت میر عبید اللہ بن زیاد کو آمادہ کر لیا کہ اسے عباد کے ساتھ جانے کی اجازت مل جائے۔ وہاں پہنچ کر عباد معاملات جنگ و حرب اور امور

(۱) - المعجم فی معانی اشعار العجم، ص ۱۷۱

(۲) - ہیست مقالہ، ج ۱، ص ۳۸، ۳۹۔



تخصیصات خراج میں مصروف ہو گیا اور ابن مفرغ کو اس کی امیدوں کے خلاف اتنی توجہ اور اتنا وقت نہ دے سکا۔ نتیجہ کے طور پر ابن مفرغ ملول ہوا اور پوشیدہ طور پر عباد کی ہجو گوئی اور بد گوئی کرنے لگا۔ عباد کو اس کی خبر ہوئی لیکن اس نے اس کا کوئی اثر نہ لیا۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آ ہی گیا جب ابن مفرغ ہر جگہ عباد، اس کے ماں باپ اور خانوادے کی ہجو گوئی کرنے لگا۔ عباد پر اس کا بہت ہی گہرا اثر پڑا۔ ابن مفرغ کو قید خانہ بھجوا دیا اور اس کے محبوب غلاموں اور کنیزوں، گھوڑے، اسلحہ جات اور تمام اثاثا البیت کو فروخت کروا دیا۔ جیل سے رہائی پا کر ابن مفرغ بصرہ بھاگ گیا اور وہاں سے شام اور دوسرے شہروں مارا مارا پھر تارہا اور جہاں جہاں گیا آل زیاد کی تلخ ہجویں کہتا، ان کے نسب نامہ پر کچھڑا چھالتا اور ان کی ماں سمینہ کی بدکاری وغیرہ پر دریدہ دہنی سے چوٹیں کستارہا۔ عبید اللہ بن زیاد نے اسے پکڑوا کر بصرہ کے قید خانہ میں بند کروا دیا اور یزید سے اس کو قتل کر دینے کی اجازت مانگی۔ یزید نے عبید اللہ کو اس کے قتل سے منع کیا اس لیے کہ ابن مفرغ کے خاندان والے اور اس کے قبیلے کے لوگ اس کی لشکر میں تھے۔ اگر اس کا قتل ہوتا تو ابن مفرغ کی قوم کے افراد عبید اللہ کو کبھی نہیں بخشتے۔ یزید نے اتنی اجازت ضرور دیدی کہ اسے جتنی تکلیفیں اور صعوبتیں دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔ عبید اللہ نے ابن مفرغ کو نبیذ شیریں میں شرم ملا کر پلویا اور بلی، سور اور کتے کو اس کے ساتھ ایک رسی میں باندھ کر بصرہ کی گلیوں میں گھموا دیا۔ بصرہ کے بچے، بچیاں ابن مفرغ کو اس حال میں دیکھ کر اس سے پوچھتے تھے کہ ”این چیست“؟ وہ بھی فارسی شعر میں جواب ذیل دیتا تھا:

آبست نبیذ است

عصارات زہیست

سمیۃ روسبیدست

اگرچہ شاعر عرب ہے لیکن وہ بصرہ اور خراسان میں ایک طویل مدت تک قیام کر چکا تھا اور ایران کے شہروں میں پروان چڑھا تھا اس لیے فارسی زبان کا ماہر ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ یہ واقعہ ۶۰ھ - ۶۳ھ کے درمیان پیش آیا لہذا اسے فارسی کا قدیم ترین شعر تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اس سے پہلے کسی شعر کی خبر بھی نہیں ملتی۔

سطور بالا کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے کہ فارسی شاعری کا آغاز ہجو گوئی سے ہوا تو

بے جا نہ ہو گا اور یہ حقیقت پر مبنی ہے۔

اوائل تیسری صدی ہجری میں دولت عباسیہ کا زوال شروع ہوا اور بڑے بڑے صوبے خود مختار ہونے لگے۔ ایران میں اس قسم کی سب سے پہلی حکومت مامون الرشید کے مشہور سپہ سالار طاہر ذوالیمینین نے ۲۰۶ھ میں قائم کی۔ یہ خاندان عربی النسل تھا اور فارسی زبان سے بہت کم آشنا تھا۔ گرچہ اس عہد میں فارسی شاعری کا عروج نہیں ہو سکتا تھا تاہم درباری لوازمات کے طور پر فارسی شاعری کا رواج ہوا۔ یعقوب صفار نے خاندان طاہریہ کے آخری فرمانروا محمد بن طاہر کو ۲۵۹ھ میں گرفتار کر کے سلطنت خاندان صفاریہ کی بنا ڈالی۔ صفاریہ خاندان بہت کم دنوں حکمران رہا لیکن اس دور میں فارسی کے متعدد شعرا منظر عام پر آئے۔ طاہریہ اور صفاریہ عہد کے فارسی شعرا کے منتشر کلام ملتے ہیں۔ کسی کی ایک رباعی، کسی کا ایک قطعہ، لیکن ان اجزای پر اگندہ میں ہجویات کا سراغ نہیں ملتا۔

فارسی شاعری کی باضابطہ ترقی کا دور سلسلہ سامانیہ کی مستقل حکومت کے قیام یعنی ۲۷۹ھ سے ہوتا ہے۔ اس خاندان کے حکمران علم و فن کے قدردان ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی دانشور اور سخن سنج تھے۔ اہل عجم ادبیات ملی اور خصوصیات قومی و وطنی سے بے اعتنائی برتتے تھے اور ان کی تخلیقی صلاحیتیں عربی زبان و ادب کی نشوونما پر صرف ہوتی تھیں۔ ان حالات نے حکمرانان سامانیہ کے قومی و ملی جذبات کو براہیختہ کیا اور انہوں نے فارسی زبان و ادب کی خدمت پر شاہانہ عنایتیں شروع کیں۔

### رودکی

دربار سامانیہ نے سینکڑوں شعرا کی تربیت کی لیکن رودکی اس عہد کا معروف ترین شاعر شمار کیا جاتا ہے۔ تمام تذکرہ نگار متفق ہیں کہ رودکی پہلا صاحب دیوان شاعر ہے اور اسے آدم الشعرا کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ رودکی نے عربوں میں مروجہ تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ مضامین کے اعتبار سے بھی اس کی شاعری کا دائرہ نہایت وسیع ہے اس نے عربوں کی شاعری میں مستعمل واقعہ نگاری، خیال بندی، پند و موعظت، عشق و محبت، مدح و ثنا، صنائع و بدائع اور تمام موضوعات سخن کا احاطہ کیا۔ یہ بعید از قیاس ہے کہ جہاں رودکی نے دیگر عربی مضامین ہجویہ کا استعمال کیا عربوں سے ہجاگوئی میں متاثر نہ ہوا ہوگا اور عربی ہجویہ انداز اختیار نہ کیا ہوگا۔ لباب الالباب میں عوفی کے بیان سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے (۱) "ہجو و ہزل از موضوعاتی

(۱) - لباب الالباب، ج ۱، ص ۱۹۸۔

است کہ در شعر عربی از سابق الایام وجود داشته و در شعر پارسی از ادبیات عربی نقل شدہ است۔“ لہذا فارسی شاعری میں ہجو نگاری کا موجد بھی رود کی ہی ہے گرچہ اس نے باضابطہ ہجو نگاری کو اپنا شعار نہیں بنایا۔ لیکن فارسی شاعری میں ہجو گوئی کے امکانات کا انکشاف کیا، جیسا کہ مندرجہ ذیل سطور میں ہم دیکھیں گے۔

شاعر بڑا ہی نازک دل ہوتا ہے۔ رقیق القلبی اور زودرنجی اس کی طبیعت کا خاصہ ہوتی ہے۔ دوسروں کی دل آزاری نہیں کرتا، یہ اس کا شیوہ نہیں۔ اگر کوئی اس کی تکلیف کا باعث بنتا ہے تو اس کا آگینہ دل چور چور ہو جاتا ہے۔ لیکن شاعر انتقام کے طور پر اس سے جھگڑتا نہیں بلکہ آزار گر کے خلاف چند شکوائی اشعار موزوں کر کے درد دل میں کمی محسوس کرتا ہے اور اپنے رنجیدہ دل کی اس آواز کو دوسروں سے پنہاں رکھتا ہے۔ رود کی نے بھی ایسے لوگوں کی ہجوس لکھی جن سے اسے ایذا پہنچی تھی۔ لیکن رود کی کی ہجوس اوروں کی ہجوس سے مختلف ہوتی ہیں جیسا کہ آئندہ ابواب میں دیگر شعرا کی ہجویات کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا۔ وہ ہجو گوئی میں بیہودہ الفاظ کا استعمال ناجائز سمجھتا ہے اور رکاکت پر نہیں اترتا۔ کسی کی عزت و ناموس پر کچھ نہیں اچھالتا۔ بہت غضب ناک ہوتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے:

آن خریدرت بدشت خاشاک زدی مامات دف و دو رویہ چالاک زدی  
آن بر سر گورہا تبارک خواندی وین بر در خانہا توراک زدی

ظاہر ہے اس ہجو میں کوئی مبالغہ نہیں۔ یہ ایک ایسے نامعلوم شخص کی ہجو ہے جس کا باپ قبرستان میں قرآن خوانی کرتا تھا اور ماں محفل عیش و سرور میں دف بجاتی پھرتی تھی۔ ایسا شخص اگر بلند جاہ اور عالی مرتبہ ہونے کے بعد رود کی جیسے عظیم شاعر کی دل آزاری کرتا ہے تو یہ رباعی، جس میں کوئی تہمت نہیں اور تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ بھی نہیں، بڑا ہی حسین انتقام ہے۔ اس رباعی میں شاعر نے رقت معانی اور دل انگیزی الفاظ کا دامن ہاتھوں سے چھوٹنے نہیں دیا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رود کی کے غصہ کی آگ برا بیخود نہیں ہوتی۔ اس حالت میں اس کی ہجو اتنی خفیف اور بے آزار ہوتی ہے کہ اگر مورد ہجو اسے سن لے تو مطلق رنجیدہ خاطر نہ ہو مثلاً (۱):

(۱)۔ دیوان رود کی ص ۴۹۲، ۴۴۱۔

کس فرستاد بہ اندر عیار مرا کہ مکن یار بہ شعر اندر بسیار مرا

دین فرہہ پیر ز بہر تو مرا خوار گرفت برہاناد از و ایزد جبار مرا

بالکل اسی انداز کی ہجو ابوالقاسم کے لڑکے یا اس کے کسی بازماندگان سے متعلق ہے۔ لیکن یہ کون ابوالقاسم ہیں معلوم نہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ابوالقاسم محتشم نامی کوئی شخص تھا۔ یہ یا تو زیروں میں سے ہے یا کارکشایان درجہ اول سے۔ اس لیے کہ اسے خواجہ کہا گیا ہے۔ یہ ابوالقاسم نیکو کار شخص تھا اس لیے اس کی اولاد سے کہتا ہے کہ تیری ایذا رسانی و بد کرداری کے شرم سے خواجہ ابوالقاسم قیامت تک قبر سے سر نہ اٹھا سکے گا۔ ہجو یہ ہے (۱):

چرخ فلک ہرگز پیدا نکرد چون تو یکی سفلہ دون دژکور  
خواجہ ابوالقاسم از ننگ تو بر نہ کند سر بہ قیامت زگور

ایک محترم اور نیک نام شخص کی ہجو میں رود کی سے منسوب دو شعر اور ہیں۔ اس میں بھی ہجو کا وہی سادہ انداز ہے۔ تلخی کا فقدان ہے۔ شعر اول میں ہجو اور ثانی میں منطقی دلیل پیش کی ہے (۲)

بنام نیک تو، خواجہ، فریفتہ نشوم کہ نام نیک تو دامت و زرق مرنان را  
کسی کہ دام کند نام نیک از پی نان یقین بدان تو کہ دامت نانش مرجان مرا

خواجہ اپنی نیک نامی کے ذریعہ مکرو فریب کا جال پھیلا کر روزی حاصل کرتا ہے۔ لہذا اس کی نیک نامی باعث ننگ ہے۔ ایسا شخص جو روٹی کی خاطر نیک نامی کا سودا کرے اس کی روح بھی آلودہ ہو جاتی ہے۔ رود کی اپنے گھوڑے کی مذمت اس طرح کرتا ہے۔ (۳)

بود اعور و کوچ و لنگ و پس من نشستہ برو چون کلاغی برا عور

ریاکاری، ظاہر داری، خوش ظاہری اور بد باطنی خرد مندی کے مذہب میں حرام ہے۔ کیا فائدہ اگر کوئی نماز میں کھڑا ہو اور اس کا دل کسی اور جگہ پھنسا ہو، اس خیال کو رود کی نے یوں ادا کیا ہے: (۴)

(۱)۔ دیوان رود کی، ص ۵۰۲ و ۴۴۱۔ (۲)۔ ایضاً، ص ۴۹۲، ۴۴۱۔ (۳)۔ ایضاً، ص ۵۰۰۔ (۴)۔ ایضاً ص ۵۰۳۔

روی بہ محراب نہادون چہ سود؟ دل بہ بخارا وبتان تراز  
ایزد ماسوسہ عاشقی از تو پذیرد نہ پذیرد نماز

خواجہ حافظ شیرازی کا سارا دیوان اسی متن کی تشریح ہے۔ انہوں نے اسی مضمون کو ہزاروں طرح سے اپنے اشعار میں ادا کیا ہے۔ روکی نے ایک شعر اور اسی ضمن میں موزوں کیا ہے (۱):

بادل پاک مرا جامہ ناپاک رواست بد مر آن را کہ دل و دیدہ پلیدست و پشت

رود کی کی ہجویات میں متانت اور واقعیت پائی جاتی ہے: (۲)

زہی سوار و جوان و تو نگر از رہ دور بہ خدمت آید نیکو سگال نیک اندیش  
پسند آید مر خواجہ را پس از وہ سال کہ باز گردد پیر و پیادہ و دل ریش

رود کی ایک بخیل ممدوح سے کہتا ہے کہ کیا یہ مناسب ہے کہ جو لوگ آپ کے دربار میں جوان، دولت مند اور سوار یوں پر آئیں، وہ اس قدر آپ کے یہاں امیدواری میں پڑے رہیں کہ جب واپس جانے لگیں تو دولت مند غریب، سوار پیادہ اور جوان بوڑھے ہو جائیں۔ زندگی درد و غم کا دوسرا نام ہے اور انسان ایک خواب پرست مخلوق ہے۔ اس کی آرزوئیں اور تمنائیں لامحدود ہیں۔ زندگی کی تلخ حقیقت اور اس کے محزنہ، المیہ اور تاریک پہلو سے نجات حاصل کرنے کے لیے انسان خیالی مخلوق کی تعمیر کرتا رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زندگی بڑی دشوار ہو جاتی۔ ان امنگوں اور خواہشوں کا لامتناہی سلسلہ ہمیں برسر عمل رکھتا ہے۔ لیکن تمنائوں کے ساتھ ساتھ تکلیفوں کی داستان جاری رہتی ہے اور ہماری تکالیف یا امنگوں سے یہ دنیا اور کائنات لاپرواہ ہوتی ہے۔ خواہشات کی عدم تکمیل پر کبھی ہم اپنی قسمت کو کبھی دنیا والوں کو اور کبھی آسمان کو مورد الزام قرار دیتے ہیں۔ شاعروں نے اپنی تیرہ بختی، کائنات کی بے پروائی اور چرخ کی ستم ظریفی کا خوب خوب گلہ کیا ہے اور اپنی حرماں نصیبی کا انہیں ذمہ دار قرار دیا ہے۔ رود کی سے چرخ کی شکایت سنئے: (۳)

چرخ کجہ باز، تانہاں ساخت کجہ بانیک و بد دائرہ درباخت کجہ

(۱)۔ دیوان رود کی، ص ۵۲۱۔ (۲)۔ شعر العجم، ج ۱، ص ۳۶۔ (۳)۔ دیوان رود کی، ص ۵۱۷

ہنگامہ شب گذشت و شد قصہ تمام طالع بہ کفم یکی نینداخت کج

اپنی شومی بخت کو بڑے دلکش تلمیحاتی پیرایہ میں ادا کیا ہے۔ کس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے پیراہن کی طرح اس کا چہرہ پر خون اور دل چاک ہو گیا ہے اور اس کا نصیب بھی چاک دامانی کا شکار ہے، اشعار ملاحظہ ہوں (۱):

نگارینا شنید ستم کہ: گاہ محنت و راحت	سہ پیراہن سلب بودست یوسف را بمر اندر
یکی از کید پر خون شد دوم شد چاک از تہمت	سوم یعقوب را از بوش روشن گشت چشم تر
رخم ماند بدان اول، دلم ماند بدان ثانی	نصیب من شود در وصل آن پیراہن دیگر؟

حضرت یوسفؑ کا ایک پیراہن خون سے آلودہ ہوا اور دوسرا تہمت کی وجہ سے پھٹا اور تیسرے کی بوپا کران کے والد حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں نے دوبارہ نور حاصل کیا۔ رود کی کا چہرہ پیراہن اول کی مانند اور دل پیراہن ثانی کی طرح چاک چاک اور اس کی قسمت بھی پریشان اور مجروح ہے، حالانکہ اسے منور ہونا چاہیے تھا۔

اشعار ذیل میں دنیا کی مذمت کی گئی ہے (۲):

این جهان پاک خواب کردار است	آن شناسد کہ دلش بیدار است
نیکی او بجا نگاہ بد است	شادی او بجای تیمار است
چہ نشینی بدین جهان ہموار؟	کہ ہمہ کار او نہ ہموار است
دانش او نہ خوب و چہرہش خوب	زشت کردار و خوب دیدار است

رود کی نے اپنے کلام کو مزاح سے بھی نوازا ہے۔ بالوں میں خضاب لگانے کی بڑی اچھی تاویل پیش کی ہے کہ لوگ سیاہ کپڑے پہن کر غم کا اظہار کرتے ہیں اور مجھے بڑھاپے کا غم ہے لہذا میں اسی غم میں اپنے بال کالے کرتا ہوں اس لیے نہیں کہ نوجوان بن جاؤں اور گناہ کروں (۳):

من موی خویش را نہ ازان میکنم سیاہ	تا باز نوجوان شوم و نوکنم گناہ
چون جاہا بوقت مصیبت یہ کنند	من موی از مصیبت پیری کنم سیاہ

(۱) - دیوان رود کی، ص ۵۰۱ - (۲) - ایضاً، ۳۹۳ - (۳) - ایضاً، ص ۵۱۰۔

عربوں کی شاعری اور ہجانگاری کی مانند رود کی ہجویات بھی صداقت اور واقعیت پر مبنی ہیں۔ انہوں نے اشخاص اور پیشہ کو اپنی ہجو کا نشانہ بنایا ہے لیکن کمال یہ ہے کہ متانت اور سادگی برقرار ہے۔ بیہودہ الفاظ پاس نہیں پھٹکنے پاتے۔ اس کی ہجویات کے طرز بیان اور خیالات کے اظہار تعقید سے پاک ہیں۔ جیسا کہ اس عہد کی عام فارسی شاعری کی خصوصیت ہے۔ فارسی ہجو نگاری کا یہ اولین دور ہے اور رود کی اس موضوع کا موجد و خالق۔ لہذا جس قدر ہجویات اس سے منسوب ہیں ان کے مضامین تازہ اور خیالات منفرد ہیں۔ تشبیہات بالکل طبعی ہوتی ہیں اور عموماً خارجی چیزوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ عربی الفاظ کا استعمال بہت کم ہوا ہے۔ اور قابل غور بات یہ ہے کہ ان ہجویات میں یاس و نومیدی کے شدید آثار موجود ہیں، تکرار الفاظ اور تکرار فعل بھی ہماری توجہ کے طالب ہیں۔

شہید بلخی اس عہد کا ایک معروف شاعر ہے۔ زمانہ کی ناقدر دانی کی شکایت کرتا ہوا کہتا ہے کہ دانش و روں کی تمنائیں اور خواہشیں بر نہیں آتیں اور نااہلوں کی زندگی عیش و عشرت میں گذرتی ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

دانش و خواستہ است ز رگس و گلہ کہ بیک جای نشکفتند بہم  
ہر کرا دانش است خواستہ نیست ہر کرا خواستہ است دانش کم

اسی خیال کو پھریوں بھی ادا کیا ہے:

اگر غم را چو آتش دوو بودی جہان تاریک بودی جاودانہ  
درین گیتی سراسر گر بگردی خرد مندی نیابی شادمانہ

فلک کی ہجو کرتا ہوا یوں خامہ فرسا ہوتا ہے کہ اسے صرف شاہوں اور سپاہیوں کی احتیاج بر آری کرنا ہے۔ غریبوں اور عوام الناس کی اسے کوئی فکر نہیں:

بر فلک ہر دو شخص پیشہ ورنہ این یکی درزی، آن دیگر جولاہ  
این نہ دوزد مگر کلاہ ملوک وان نہ باند مگر پلاس سپاہ

عہد سامانیہ کا ایک نامور شاعر دقیقتی ہے جس کے کلام کا وہی حصہ محفوظ ہے جو شاہنامہ کا حصہ بن چکا ہے، باقی کلام کہیں کہیں تذکروں میں پایا جاتا ہے وہ بھی چند اشعار سے

زیادہ نہیں۔ اس عہد کے دوسرے شعرا مثلاً خبازؒ، نیشاپوریؒ، عمارہ مروزیؒ اور شاعرہ رابعہؒ وغیرہ کے کلام کا بھی یہی حال ہے، ان منتشر گہر پاروں میں ہجویات کا فقدان ہے۔ ابو شکور بلخی نے ایک مثنوی نظم کی تھی جس کے چند ابیات شکوائی ہیں:

بدشمن برت مہربانی مہاد کہ دشمن درختیت تلخ از نہاد  
درختی کہ تلخش بود گوہرا اگر چرب و شیرین دھی مرورا  
ہمان میوہ تلخ آرد پدید از چرب و شیرین نخواہی مزید

محمود غزنوی کی وہ ہجو جو فردوسی سے منسوب ہے اسی انداز و خیال کی حامل ہے جس کا ذکر آئندہ سطور میں آئے گا۔

### فردوسی

محمود غزنوی فاتح و کشورستان تھا اسی طرح علم و فضل میں بھی کمال رکھتا تھا۔ اس نے فارسی شاعری پر حوصلہ شاہانہ سے توجہ کی، شاعروں کی سرپرستی کے لیے ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور عنصری کو ملک الشعرا کا خطاب عطا کر کے محکمہ کا افسر مقرر کیا۔ تمام تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ محمود کے خوان کرم سے چار سو شعرا بہرہ یاب تھے لیکن جن ناموروں کو محمود نے ندما میں داخل کر لیا تھا وہ آسمان سخن کے سبع سیارے تھے یعنی عنصری، فردوسی، اسدی، عسجدی، عضائری، فرخی اور منوچہری۔

محمود غزنوی عربی علم و فن اور تاریخ و تمدن کا بڑا شائق تھا۔ اس کی یہ دیرینہ آرزو تھی کہ ایران باستان کی ایک مکمل، مربوط اور مبسوط رزمیہ داستان مرتب کی جائے۔ چنانچہ عنصری اور دیگر سات شعرا کو اس مہم پر مامور کیا، بعد ازاں یہ خدمت فردوسی کے سپرد ہوئی اور ایک ایک شعر پر ایک ایک اشرفی صلہ مقرر ہوا۔ حکم ہوا کہ جب ہزار شعر تک نوبت پہنچ جائے تو ہزار اشرفیاں دیدی جایا کریں۔ لیکن فردوسی نے قسط وار رقم قبول کرنے سے انکار کیا اور درخواست کی کہ جب کتاب پوری ہو جائے گی تو ایک ساتھ لوں گا۔ لیکن فردوسی کو اس کی اعجاز بیانی کی داد نہیں ملی جس کا وہ مستحق تھا اور اس سلسلہ میں جو واقعہ مشہور ہے وہ اگرچہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا ہے لیکن اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فردوسی کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس ہمت شکنی کی وجہیں اور تاویلات پیش کی گئی ہیں جو باہم متناقض ہیں۔ بہر حال واقعہ یہ



ہے کہ محمود غزنوی نے فردوسی کی قدردانی کا حق ادا نہ کیا۔  
 دکتر رضا زادہ شفق چہار مقالہ کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فردوسی کی  
 مایوسی اور دلی شکستگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فردوسی دربار غزنوی سے نکلا تو اس نے سلطان کی ایک ہجو  
 لکھ ماری۔ اس میں سلطان کو دون ہمت اور کم ظرف قرار دیا اور شکایت کی کہ اس کی قیمت  
 کوتاہ بینیوں کی نذر ہو گئی۔ سلطان محمود تو اپنی ساری شان و شوکت کے باوجود گذر گیا لیکن اس  
 کی یہ ہجو باقی رہ گئی۔ غزنویوں سے بھاگ کر طبرستان پہنچا اور وہاں کے بادشاہ کے حضور میں وہ  
 ہجو یہ اشعار پیش کیے جنہیں مؤخر الذکر نے خرید لیا اور ان کی تشہیر روک دی۔ اس ہجو میں  
 ایک سوا شعر تھے۔ چہار مقالہ میں یہ چھ اشعار درج ہیں (۱):

مرا غمز کردند کان پرنخن	بہ مہر نبی و علی شد کہن
اگر مہر شان من حکایت کنم	چو محمود را صد حمایت کنم
پرستار زادہ نیاید بہ کار	وگر چند باشد پدر شہریار
ازین در سخن چند رانم ہی	چو دریا کرانہ ندانم ہی
بہ نیکی نہ بد شاہ را دستگاہ	وگر نہ مرا برنشاندی بگاہ
چون اندر تبارش بزرگی نبود	نیارست نام بزرگان شنود

علامہ شبلی اپنی شہرہ آفاق تالیف ”شعرا لعمم“ میں رقم طراز ہیں کہ غزنویوں سے چلتے  
 وقت فردوسی نے ایاز کو ایک لفافہ سر بہ مہر دیا اور کہا کہ میرے جانے کے بیس دن بعد بادشاہ کو  
 دینا۔ فردوسی ہرات کو روانہ ہو گیا۔ محمود نے لفافہ کی مہر توڑی تو ہجو کے اشعار تھے:

یکی بندگی کردم . ای شہریار	کہ ماند ز تو در جہان یادگار
پی افکندم از نظم کاخ بلند	کہ از باد و باران نیابد گزند
بسی رنج بردم درین سال سی	عجم زندہ کردم بدین پارسی
چو برباد دادند گنج مرا	نہ بد حاصلی سی و پنج مرا
اگر شاہ را شاہ بودی پدر	بسر بر نہادی مرا تاج زر

(۱)۔ دکتر ذبیح اللہ صفانی بھی اپنی تالیف ”تاریخ ادبیات در ایران“ جلد ۱، ص ۷۸ میں انہیں  
 چھ اشعار کو نقل کیا ہے۔

مرا سیم و زر تا بزانو بدی  
 وگر چند باشد پدر شهر یار  
 وزیشان امید بھی داشتن  
 بچیب اندرون مار پروردن است  
 گرش بر نشانی باغ بهشت  
 بہ بیخ انگبین ریزی و شہد ناب  
 همان میوہ تلخ بار آورد  
 بود خاک در دیدہ انباشتن  
 کہ سازد فرومایہ را سرفراز  
 نشاید سیاہی ستردن زشب  
 کہ زنگی بشتن نگردد سفید  
 وگر نہ مرا بر نشاندی بگاہ  
 نیارست نام بزرگان شنود  
 کہ صد گفتہ چونیم کردار نیست  
 کہ تاشاہ گیرد ازین کار پند  
 بماند ہجا تا قیامت ہجا

وگر مادر شاہ بانو بدی  
 پرستار زادہ نیاید بہ کار  
 سر نا سزایان بر افراشتن  
 سر رشتہ خویش گم کردن است  
 درختیکہ تلخست و یرا سرشت  
 ورا ز جوی خلدش بہ ہنگام آب  
 سر انجام گوہر بکار آورد  
 زبد اصل چشم بھی داشتن  
 جہان را چنین است آئین و ساز  
 زبد گوہران بد نباشد عجب  
 ز ناپاک زادہ مدارید امید  
 بہ نیکی نہ بد شاہ را دستگاہ  
 چو اندر تبارش بزرگی نبود  
 بزرگی سراسر بگفتار نیست  
 ازان گفتم این پتہای بلند  
 کہ شاعر چو رنجہ بگوید ہجا

فردوسی جس زمانہ میں حاکم قہستان (طبرستان) ناصر لک کے یہاں پہنچا ان دنوں  
 ایک مثنوی لکھ رہا تھا جس میں حاسدوں کی دراندازی، اپنی مظلومی اور سلطان محمود کی بد عہدی و  
 ناقدر دانی کا ذکر تھا:

زبیداد آن شاہ بیداد کر  
 شنید از زمین آسمان نالہ ام  
 بکیتی ازو داستانہا نم  
 نہ ترسم بغیر از خداوند عرش  
 تیغ زبانش کنم پوست باز

بہ غزنین مرا گرچہ خون شد جگر  
 کزان ہیج شد رنج سی سالہ ام  
 ہی خواستم تا فغانہا کنم  
 بگویم ز مادرش و ہم از پدرش  
 چو دشمن نمی داند از دوست باز

و لیکن ز فرمودہ محتشم  
 فرستادم از گفته داشتم  
 اگر باشد این گفتہا نا صواب  
 گذشتم ایا سرور نیک رای  
 رسد لطف یزدان بفریاد من  
 ندانم کزین پیش چون سرکشم  
 بہ نزدیک خود هیچ نگذاشتم  
 بسوز آن در آتش بشوآن در آب  
 ازین داوری تا بدیگر سرای  
 ستاند بہ محشر ازو داد من

فردوسی جب غزنیوں سے روانہ ہوا تھا تو جامع مسجد کی دیوار پر یہ اشعار لکھ آیا تھا:  
 بختہ درگہ محمود غزنوی دریاست  
 چگونہ دریا کان را کرانہ پیدانیست  
 چو غوطہا زدم و اندرو ندیدم دُر  
 گناہ بخت من است این گناہ دریانیست

شاہنامہ کے مدح خوانوں اور پرستاروں کی تعداد اور استعداد پر نظر رکھتے ہوئے یہ خیال قرین قیاس ہے کہ اس واقعہ (ہجو گوئی) کا قطعاً صحیح یا کلیتہً فرضی ہونا دونوں درست ہو سکتا ہے ورنہ رشید احمد صدیقی کے الفاظ میں ”یا تو شاید شاہنامہ محض ایک دوسرے درجہ کی کتاب ہے یا اس کے پرستاروں کا شمار تیسرے درجہ کے لوگوں میں ہے۔“ فردوسی کو ہجو گوئی کی صف میں رکھنا اور اسے محمود کا ہجائی قرار دینا ایک متنازع فیہ مسئلہ ہے جس کی موافقت اور مخالفت میں ہزاروں رائیں اور دلیلیں پیش کی جاتی رہی ہیں۔ ہجو یہ ابیات میں بھی بڑا اختلاف ہے اور ان کی تعداد مختلف نسخہ شاہنامہ میں مختلف ہے۔ نول کشور کے مطبوعہ نسخہ میں ایک سو دو اور دوسرے مطبوعوں کے نسخوں میں ایک سو پانچ، ایک سو چونتیس اور بعض میں دو سو ابیات تک ملتے ہیں۔ ان تمام اختلافی مسائل سے قطع نظر واقعہ یہ ہے کہ فردوسی نے محمود کی ہجو ضرور لکھی ہے اور علامہ شبلی نے فیصلہ کن انداز میں بیان فرمایا ہے: (۱)

”کلام کی جہانگیری دیکھو، محمود نے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں مٹادیں، ملک کے ملک غارت کر دیئے، عالم کو زیر و زبر کر دیا لیکن فردوسی کی زبان سے جو بول نکل گئے آج تک قائم ہیں اور قیامت تک نہیں مٹ سکتے۔“

فردوسی کی زندگی کے حالات اور واقعات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بڑا ہجو گو تھا۔ اس نے اپنے کئی محسنوں کی ہجوئیں لکھ ماری ہیں۔ دقیقہ مرچکا تھا اس سے اس کا کوئی واسطہ نہ

(۱)۔ شعر العجم از مولانا شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۴، ۹۳۔

پڑتا۔ فردوسی نے اس کے ایک ہزار ابیات ممنونیت کے ساتھ اپنے شاہنامہ میں شامل بھی کیے اسکے باوجود قیسی کو اس طرح یاد کرتا ہے:

نگہ کردم این نظم ست آدم	ہمہ بیتہا نا درست آدم
من این زان نوشتم کہ تا شہریار	بداند سخن گفتن نابکار
دھان گر بماند ز خوردن تہی	ازان بہ کہ ناساز خوانی نہی
دو گوہر نمودم بہ گوہر فروش	کنون شاہ دارد بہ گفتار گوش
سخن چون بدین گو نہ بایدت گفت	مگوی و مکن رنج با طبع جفت
چو طبعت نباشد چو آب روان	مبردست زی نامہ خردوان

جبکہ قیسی کا کلام اس کے کلام سے کسی طور پر کم نہیں۔ قیسی پہلا شخص ہے جس نے فارسی زبان کو عربی کی آمیزش اور اثرات سے پاک کر کے ایک مستقل زبان کی حیثیت دی پھر یہ کہ اپنی رزمیہ داستان گوئی میں جس واقعہ کو بیان کرتا ہے اس کی حقیقی تصویر کھینچ دیتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ فردوسی نے اس وصف کو کمال تک پہنچا دیا لیکن دونوں کے کلام کے مقابلہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہی شراب ہے جو دوبارہ کھینچ کر تیز ہو گئی ہے۔ اگر قیسی کا کلام نقل کر کے اپنے اشعار چمکانا مقصود تھا تو اس غریب پر احسان رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے اس دعوے کو تقویت پہنچتی ہے کہ سلطان محمود کی ہجو میں واقعیت کا پہلو بہت کم ہے۔

عنصری جو دربار غزنوی کا ملک الشعر اور فردوسی کا محسن تھا اس کی ہجو میں لکھتا ہے:

چہ سنجہ بہ میزان من عنصری  
گیا چون کشد پیش گلبن سری

شاہنامہ ایک بہت بڑی کتاب ہے اور رزمیہ شاعری کا شاہکار، اس میں نفرت اور محبت کے جذبات جا بجا ملتے ہیں۔ کئی ایسے مقامات آئے کہ فردوسی نے ایرانی قوم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے مد مقابل قوموں کی تحقیر و تذلیل کی ہے۔ مثلاً جنگ قادسیہ میں ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ فردوسی نے جہاں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے وہاں اہل عرب کی ہجو بھی کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

ز شیر شتر خوردن و سو سار	عرب را بجای رسیدست کار
کہ تخت کیان را کند آرزو	تفو بر تو ای چرخ گردان تفو

یہاں فردوسی نے ایک صادق محبت و وطن ہونے کی حیثیت سے اپنے جذبات کا بلا کم و کاست اظہار کیا ہے۔

مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ فردوسی ہجو گوئی میں بھی دست رس رکھتا تھا لیکن اس کی ہجویات میں واقعیت اور صداقت کی کمی پائی جاتی ہے۔ مثلاً محمود غزنوی پر بخل کی تہمت اور دقیقہ پر بھرتی کے اشعار نظم کرنے کا اتہام سراسر غلط ہے۔ فردوسی کی ہجو گوئی میں ہزل آمیزی بھی پائی جاتی ہے جو ایک پیغمبر سخن کی شان اور اس کے رتبے کے منافی ہے۔ لیکن جہاں تک ہجو گوئی کی کامیابی کا تعلق ہے فردوسی اس فن میں پورا اترتا ہے۔ اس کی ہجو کے الفاظ تیر کی مانند دلوں کو چھیدتے ہیں اور اس کی ہجوؤں کی بحر بھی شاہنامہ کی طرح رزمیہ بحر کی حامل ہے لہذا خوش بیانی کی فردوانی ہے۔ انداز بیان کا شکوہ اور کلام کی روانی نے ہجو کے تاثر میں اضافہ کر دیا ہے اور فردوسی کی ہجو کو شہنشاہ زمان کی شان اور عظمت نے ابدیت اور سرمدیت عطا کر دی ہے۔

ابوالحسن علی بن محمد منجیک ترمذی بھی قرن چہارم کے نصف دوم کا دربار چغانیان کا مدح سر اشاعر ہے۔ منجیک ترمذی ہجو و ہزل نویسی میں اپنے عہد کے شعر اکا امام شمار کیا جاتا ہے۔ بقول ہدایت: ”کسی از تیر طعنش نہ رستی و از کند ہجوش نہ جستی“۔ کسی کو بھی منجیک نے اپنی ہجوؤں کے تیر کا نشانہ بنائے بغیر نہ چھوڑا۔ خود کہتا ہے:

مائی بخواستیم زدن دوش جام جام      چون تو بیا مدیش بماندیم خام خام  
از آدم اندرون زتبارت کسی نماند      کو را ہجا نکر دست منجیک نام نام

ایک خواجہ کی ہجو میں اس طرح طبع آزمائی کرتا ہے:

ای خواجہ مر مر ابہ ہجا قصد تو نہ بود      جز طبع خویش را بتو برکردم آزمون  
چون تیغ نیک کش بہ سگی آزمون کنند      وانکس بود بہ قیمت آن تیغ رہنمون

یہ میدان ہجو و ہزل کا وہ شہسوار ہے کہ سوزنی سمرقندی (جس کا ذکر آئندہ آئے گا) مفاخرہ کے طور پر خود کو ہجو و ہزل میں منجیک سے برتر شمار کرتا ہے:

من آن کسم کہ چو کردم بہ ہجو گفتن رای      ہزار منجیک اندر برم ندارد پای

منجیک نے ہجو گوئی سے تائب ہونے کے بعد اپنے دیوان سے ہجویات کو دھو ڈالا تھا

لہذا اب ان کا ملنا مشکل ہے۔

### شیخ الرکیس بو علی سینا

دور غزنویہ کی ایک اور ممتاز شخصیت شیخ الرکیس بو علی سینا ہیں۔ وہ فلسفہ اور طب میں بے مثال و بے نظیر اور مذہبی لحاظ سے آزاد خیال تھے۔ اس واسطے علما کا طبقہ انہیں پسند نہیں کرتا تھا۔ شیخ نے اس جماعت کے طعن و تشنیع سے تنگ آکر اپنی رباعیات میں جن کی تعداد بہت ہی کم ہے، اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں ایک رباعی میں طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

با این دوسہ نادان کہ چنان می دانند      از جہل کہ دانای جہان ایشانند  
خرباش کہ این جماعت از فرط خری      ہر کونہ خراست کافرش می خوانند

یہ علما اپنی جہالت کی کسوٹی پر اہل دہر کو توالتے ہیں اور جوان کی مانند گدھا نہیں اسے کافر گردانتے ہیں۔

ابو علی سینا کا خیال ہے کہ مجھ کو اپنے عیب بینیوں پر سخت تعجب آتا ہے کہ وہ میرے فضائل پر حسد کرتے ہیں اور اس وجہ سے میری حکمت کو مذموم قرار دیتے ہیں لیکن وہ میرے کمال اور اپنے نقصان سے خائف اور ہراسان ہیں حالانکہ ان کی بدگوئیاں میرے فضل و کمال کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسی کہ جنگلی بکریاں اپنی سینگوں سے پہاڑ کو اکھاڑنا چاہتی ہیں لیکن جب آدمی اپنے علم اور اخلاق کو جان لیتا ہے تو اس کو جاہلوں کی ملامت سے کوئی رنج نہیں ہوتا۔ وہ کہتا ہے:

غذای روح دھر بادۂ ریح الحق      کہ رنگ و بوش زندرنگ و بوی گل رادق  
بہ طعم تلخ چو پند پدر ولیک مفید      بہ پیش جاہل باطل بہ نزد دانا حق  
حلال گشتہ بہ فتوای عقل بر دانا      حرام گشتہ با حکام شرع بر احمق

علمائے زمانہ کی لعن و طعن میں یہ رباعی بھی بہت مشہور ہے:

کفر چومنی گران و آسان نبود      محکم تراز ایمان من ایمان نبود  
در دہر چون من یکی و آن ہم کافر      پس در ہمہ دہر یک مسلمان نبود

## ہجو گوئی از اوائل قرن پنجم تا آغاز قرن ہفتم

- ☆ اخلاقی پستی اور مذاق عامہ میں فساد
- ☆ شاعری پر حوادث روزگار کے اثرات
- ☆ نسلی اور علاقائی عصبیت
- ☆ مذہبی اختلافات
- ☆ شعر و فلسفہ
- ☆ معاشرتی بد عنوانیاں
- ☆ شعرا کے باہمی اختلافات اور معرکہ آرائیاں

عہد سلجوقیہ فارسی ادب کا زریں دور ہے۔ اس میں ہر صنف سخن کو فروغ حاصل ہوا۔ شاعری نے سادگی کی بجائے رنگینی اختیار کی اور شعرا نے جولانی طبع کے لیے مضامین نو بہ نو تلاش کئے۔ فنی اعتبار سے شاعری کی زبان میں وسعت اور بیان میں شیرینی پیدا ہوئی۔ اس عہد کی شاعری مدح، ہجو، داستان، قصص، مسائل عرفانی و حکمی و عشقی کے موضوعات پر محیط تھی۔ لیکن ہجو، شوخی اور ظرافت کو بے حد فروغ حاصل ہوا۔ اگر کہا جائے کہ ہزل گوئی اور فحش نگاری شاعروں کا محبوب مشغلہ رہا تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ کسی شاعر کا دامن اس سے پاک نہیں ہے۔ دراصل فارسی زبان میں پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی اور سلجوقیوں کے زمانہ عروج میں ہجو نمودار ہوئی بقول شبلی نعمانی:

”شاعری کے چمن میں ہجو کا خارزار اسی عہد کی یادگار ہے جس کے چمن آرا  
انوری اور سوزنی ہیں۔“

شعرا کی باہم رقابت اور معرکہ آرائی اور عام لوگوں سے ناخوش گوار تعلقات نے ہجو کو ہزل کا جامہ عطا کیا بلکہ فحش گوئی اور رکاکت عام ہو گئی۔ یہ عہد اس خصوصیت میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اس عہد میں جس طرح مدح سرائی میں مبالغہ آرائی سے کام لیا جانے لگا، ہجو

گوئی میں بھی شعرِ عراق پر اتر آئے اور یہ ایک ایسا موضوع قرار پا گیا کہ ہر شاعر نے اس میدان میں طبع آزمائی لازمی سمجھی۔ متعدد قصیدے، بے شمار قطعات اور مثنویاں ملتی ہیں جو ہجو و ہزل کے موضوع کی حامل ہیں۔ کچھ شاعروں نے ہجو و ہزل میں اس قدر مبالغہ آرائی سے کام لیا اور اس پر اس قدر توجہ دی کہ عہد مابعد میں بد زبان ہجو گو کے نام سے مشہور ہو گئے۔ مثلاً حکیم سوزئی اور حکیم جلال، کوشلکی، روحی و لواجی و انوری وغیرہ۔

قبل اس کے کہ مختلف شعر کی ہجویات کے فکری اور فنی پہلو سے بحث کی جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کی اخلاقی، اجتماعی، مذہبی، معاشرتی اور سیاسی حالت کا اجمالاً ذکر کر دیا جائے تاکہ اس عہد کی ہجویات کے مقام اور اس کے تاثر کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

زرد پوسٹ ترکی (۱)، قنچاقی (۲)، ترکمانی اور (۳) خرقی (۴) وغیرہ قبائل کے غلاموں نے اس عہد کی حکومت اور امور مملکت میں اہم مقام حاصل کر لیا تھا اور ہمیں معلوم ہے کہ ترک غلاموں کی حکومت کے سلسلہ کا آغاز قرن چہارم کے اختتام یعنی الپتگین اور اس کے جانشینوں کی فرماں روائی سے ہوتا ہے۔

### اخلاقی پستی اور مذاق عامہ میں فساد

ایران میں اس عہد کے امر او سلاطین اور اعلیٰ حکام بلند اخلاق کے حامل نہ تھے۔ ان میں سے بیشتر جنگجو اور فاتح کشور ہونے کے باوجود عظیم اخلاقی عیوب کے حامل تھے۔ بے رحمی، شراب خواری، عیاشی اور سفاکی کے مرتکب تھے، عوام کی جان، ان کا مال اور ان کی عزت ان کے نزدیک بے وقعت تھی یہ ایک نتیجہ فعل ہے ان سلاطین نے بیرون ممالک سے آکر یہاں حکومتیں قائم کی تھیں۔ ان کی کوشش رہتی تھی کہ مغلوب سے مال و زر جبراً وصول کریں اور انہیں غلام و ذلیل اور مفلس بنائے رکھیں۔ ایرانیوں کی بد بختی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس عہد کے سلاطین میں بعض وہ بھی تھے جو ایرانیوں کے عہد حکومت میں تاجروں، پیشہ وروں،

(۱)۔ یہ قبیلہ زرد پوسٹ قوم کی ایک شاخ ہے جس نے اواخر قرن ششم اور اوائل قرن ہفتم میں ماوراء النہر اور خراسان کی جانب سے ایران پر حملہ کیا۔ (۲)۔ قنچاقی ایک مقام ہے جہاں کی رہنے والی قوم قنچاقی کہلاتی ہے۔ (۳)۔ زرد پوسٹ یا ترک قبیلوں کی ایک شاخ ہے (۴)۔ زرد پوسٹ قبیلوں کی ایک شاخ جسے خرخ یا خلخ بھی کہتے ہیں۔ از تاریخ ادبیات در ایران تالیف دکتر ذبیح اللہ صفار ج ۲، ص ۸۴۔ ۷۷



وزیروں، امیروں اور سلطانوں کی بندگی اور غلامی کر چکے تھے اور اپنے وطن سے دور بیگانوں (ایرانیوں) کے درمیان ذلیل و خوار زندگی گزار رہے تھے۔ ان ماتحتوں کے دلوں میں اپنے آقاؤں کے خلاف کینہ و نفرت کی آگ سلگ رہی تھی۔ جب انہیں عالی رتبہ اور سروری نصیب ہوئی تو ایرانیوں کے ساتھ بدی سے پیش آئے، ان کی نفرت کا شعلہ بھڑک اٹھا اور ان کا سلوک انتقامی جذبہ کا حامل ہو گیا۔ نہ صرف عوام الناس اور سابق امر او سلاطین بلکہ علماء اور فضلا بھی ان ترک بچہ بازوں کی تحقیر و تذلیل سے معتبوب ہوئے۔

قرن پنجم اور ششم میں ایران کی حکومت نسبتاً قوی رہی۔ مطلق العنان اور خود مختار حکومت کی وجہ سے اس عہد کو قتل و غارتگری، آزار و پریشانی اور بے چینی کا عہد کہنا چاہیے۔ اس پورے عہد میں بہت قلیل اوقات کے لیے ایرانیوں کو آرام اور چین کی زندگی میسر ہوئی۔ مسلسل قتل و خونریزی نے حکمرانوں کا اعتبار کھو دیا۔ ان خود سر حکومتوں نے عوام کے آزار اور دلتنگی کا عام حکم دے رکھا تھا جس کی شہادتیں ہمیں فارسی اور عربی تاریخ و ادب کی کتابوں میں حکایات اور اشارات سے ملتی ہیں۔ سامانیوں کی حکومت کے زوال پذیر ہونے پر محمود غزنوی اور پھر مسعود غزنوی کے دربار ترکی غلاموں کے مراکز اور جائے پناہ بنے اور آل سبکتگین کے انحطاطی دور حکومت میں سلاجقہ نے گذشتہ حکمرانوں کی پیروی میں ان غلاموں کی سرپرستی کی۔ سلاجقہ کے مرکزی مقامات پر امراء و زرا اور شعرا سمجھوں کی خدمت پر شکیل و جمیل غلام مامور تھے۔ اس عہد میں ماوراء النہر میں غلاموں کا میلا لگتا تھا جہاں ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی لیکن مختلف ممالک سے آئے ہوئے غلامان ترکی غلاموں کی بہ نسبت کم رتبہ ہوتے تھے۔ لہذا تمام درباروں اور خواص کے عشرت کدوں کی زینت ان ہی ترکی غلاموں سے قائم تھی۔ ترکی غلاموں کو مختلف طور پر استعمال کیا جاتا تھا (۱)۔ ان میں سے بعض اس عہد کے امر او سلاطین کے بازو پچھ شہوات ہوا کرتے تھے۔ بعض سلاطین نے ان غلاموں کے ساتھ بڑا ہی وحشیانہ سلوک کیا۔ شاہ سنجر کی ایک عادت یہ تھی کہ وہ غلاموں میں سے ایک کو منتخب کر کے اس سے عشق کرتا تھا، اپنی جان و مال اس پر فدا کرتا، صبح و شام اس کی صحبت میں شراب نوشی کرتا اور حد تو یہ کہ سلطنت و حکومت کی باگ ڈور اس کے حوالہ کر دیتا تھا۔ لیکن جب کچھ عرصہ بعد وہ استعمال کے لائق نہ رہتا تو اسے خاص ڈرامائی طریقوں پر الگ کرتا تھا۔ اس کا ایک

(۱)۔ راحتہ الصدور، ص ۳۵-۱۲۱

غلام سنقر تھا جسے اس نے فریفتگی کے عالم میں بارہ سو دینار میں خرید اور اس کے مالک کو بھی مال کثیر اور خلعت عطا کیا تھا۔ سنقر کو شاہی سراپردہ کے مد مقابل دوسرے سراپردہ میں قیام کرایا۔ اس کی ہم رکابی کے لیے ایک ہزار غلام خریدنے کا حکم دیا اور دس ہزار سوار اس کے لئے مخصوص کر دیا۔ دو سال بعد جب سخر نے اس کو مصرف سے خارج سمجھا تو تمام امرا و خواص کو ایک کمرے میں جمع ہونے کا حکم دیا اور انہیں ہدایت کر دی کہ جب وہ سنقر کو اپنے حرم سرا میں طلب کرے اس وقت تمام لوگ سنقر پر چھری سے حملہ کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ اسی طرح کا حادثہ اس کے دو غلاموں قایماز کج کلاہ اور اختیار الدین جو اہر التاجی کے ساتھ بھی پیش آیا۔

قزل ارسلان جس کی مدح سرائی میں ظہیر فاریابی نے اس غلو سے کام لیا ہے:

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پا      تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

ایک اغلام باز (۱) آدمی تھا وہ اپنی بیوی قتیبہ خاتون کے ساتھ ایک شب سے زیادہ ہم بستر نہ ہوا۔ اسی طرح جلال الدین منکمرنی جو شجاعت و جنگ آوری اور مغلوں کے مقابلہ میں ایک آہنی انسان تھا اخلاقی طور پر ایک سفاک، شراب خوار اور امر دپرست تھا، اسے قلعج نام کے ایک غلام سے دلی تعلق تھا۔ اتفاقاً اس غلام کی موت واقع ہو گئی۔ سلطان نے اس کی موت پر نالہ وزاری کی اور حکم دیا کہ مقام فوت سے تبریز تک تمام افواج اور امرا نعش کے ساتھ پیادہ چلیں۔ یہ کئی میل کی مسافت تھی۔ وہ خود بھی پیدل ہی روانہ ہوا لیکن کچھ دور چلنے کے بعد امرا کے بے حد اصرار کرنے پر گھوڑے پر سوار ہوا۔ جب نعش تبریز پہنچی تو تبریزیوں کو گریہ وزاری کرنے کا حکم دیا گیا اور جس نے کوتاہی کی اسے سخت سزائیں دی گئیں۔ بالآخر جلال الدین اپنے معشوق بے مثال کو سپرد خاک کرنے کے لیے تیار نہ ہوا اور جہاں جہاں جاتا اسے اپنے ہمراہ رکھتا اور رونا پیٹنا جاری رکھتا تھا۔ کھانا پینا بھی ترک کر چکا تھا۔ جب اس کے واسطے کوئی کھانے کی چیز لائی جاتی تو اس کا ایک حصہ قلعج کے تابوت تک پہنچواتا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ سلطان کے دل انگیز معشوق کو مردہ کہے اور اگر کسی نے ایسی جرأت کی تو اسے قتل کر دیا گیا۔ اس لیے جو کوئی جنازہ کے پاس کھانا لے جاتا واپس آکر عرض کرتا کہ قلعج زمین ادب کو بوسہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ سلطان کی مہربانیوں سے غلام کا حال درست ہے (۲)۔

(۱) - حبیب لیسر ج ۲، ص ۱۲۶۔ (۲) - تاریخ ادبیات در ایران، تالیف دکتر ذبح اللہ صفار، ج ۲، ص ۱۲۳۔

اس طرح کے مفسد بچہ بازوں، شراب خواروں، خونریزوں اور غارتگروں کے واقعات سے اس دور کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ مذکورہ چند مثالیں اس قسم کے بیشتر افراد کے حالات اور اخلاقی فساد سے واقفیت کے لیے کافی ہیں۔

ان غلاموں کے ساتھ عشق بازی کی حمایت میں بعض فقہانے فتویٰ بھی دیدیا تھا۔ اس عہد کے شعرا بھی شعرائے عہد گذشتہ کی مانند عشقبازی مملوک میں غرق رہے۔ عہد رفتہ کے شعرا کے کلام کو اس عشق نے جلانہ بخشی۔ شاید اس لیے کہ کچھ شعرا دینی مسالک پر گامزن تھے اور کچھ ترکوں کے تسلط کی وجہ سے اپنے کلام میں اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس عہد کے بیشتر شعرا کا کلام امر پرستی کے معاملات اور واردات کے بیشتر نمونوں کا حامل ہے۔ ترکی قبائل اور غلاموں کے جو رو ظلم کی وجہ سے لفظ ترک قتل و غارت اور جو رو ظلم کے مترادف استعمال ہونے لگا۔ اسی طرح ترک تاز، ترکی اور ترک رفتن وغیرہ کی ترکیب بھی ان معنوں میں استعمال ہونے لگیں۔ بے سرو سامانی اور بے چارگی کی زندگی کا اثر اس عہد کی شاعری اور ادب پر بھی پڑا اور ایسے شعرا کے کلام بھی جو ان زرد پوست امیروں کی مدح سرائی کے حامل ہیں اس قسم کی مختلف النوع شکایتوں اور پریشان حالیوں کی تفصیلات و تصریحات سے خالی نہیں۔

### شاعری پر حوادث روزگار کا اثر

ترکوں کے جو رو ظلم اور قتل و غارتگری نے ملک عجم پر جو اثرات پیدا کیے انہیں خاقانی نے بڑے ہی فصیح اور واضح انداز میں پیش کیا ہے:

ملک عجم چو طعمہ ترکانی اعجمی است	عاقل کجا بساط تمنا بر افگند
تن گرچہ سودا ملک ازیشان طلب کند	کی مہر شہ بہ اتسرو بغرا بر افگند
زال ارچہ موچون پر زاغ آرزو کند	بر زاغ کی محبت عنقا بر افگند
یعقوب ہم بدیدہ معنی بود ضریر	گر مہر یوسنی بہ یہودا بر افگند
بہرام نہ نگرد بہ براہام چون نظر	برخان وخوان لبک سقا بر افگند

ناصر شمس غزنی کا مشہور شاعر تھا۔ ہزل اس کی طبیعت پر غالب تھی اور ہجو گوئی اس کا شیوہ تھا۔ اس بنا پر لوگ اس کا احترام کرتے تھے اور اس کی بدگوئی کے خوف سے اسے نوازتے

تھے۔ کسی کی ہجو کرتا ہوا کہتا ہے:

تا ولایت بدست ترکان است      مرد آزاده بی زر و نان است  
جہد کن تا دریدہ کون باشی      روز روز دریدہ کوناست (۱)

ترکی امر اجو مختصر مدت کی حکمرانی میں عوام پر غارتگری کا بازار گرم رکھا کرتے تھے اور پھر ان کی حکومت ختم ہو جاتی تھی، سنائی نے ان امیروں کی سرزنش کی ہے جو ناپائیدار دنیا اور اس کے لوازمات کے لیے خود کو پریشانیوں میں مبتلا رکھتے ہیں:

می بیند آن سفیہانی کہ ترکی کردہ اند  
بنگرید آن بعد شان از خاک چون پشت کشف  
سر بخاک آورد امروز آنکہ افسر بودی  
نگ ناید مر شمار ازین سگان پر فساد  
این یکی کہ زین دین و کفر از ورنگ و بو  
این یکی کافی و لیکن فاش را از اعتقاد  
زین یکی ناصر عباد اللہ خلقی تر ت و مرت  
پاسبانان تو اند این سگ پرستان ہجو سگ  
اندرین زندان برین دندان زنان سگ صفت  
تابہ بنی روی آن مردم کشان چون زعفران  
گرچہ آدم صورتان سگ صفت مستولی اند  
جوہر آدم برون تازد بر آرد ناگہان  
گر مخالف خواہی ای مہدی در از آسمان  
یک طپانچہ مرگ وزین مردار خوران یک جہان  
باش تا از صدمت صور سرافیلی شود  
تابہ بنی موری آن خس را کہ میدانی امیر  
باش تا برباد بنی خوان رای و رای خوان

ہم چو چشم تنگ ترکان گور ایشان تنگ و تار  
بنگرید آن روی شان از چین و پشت سوسار  
تن بدوزخ برد اما سال آنکہ گردن بود پار  
دل نگیرد مر شمار ازین خران بی فسار  
و آن دگر کہ فخر ملک راز و تنگ و عار  
و ان دگر شانی و لیکن فاش کاف از اضطرار  
وزدگر حافظ بلاد اللہ جہانی تار و مار  
ہست مرداران ایشان ہم بدیشان واگذار  
روزی چند ای ستمکش صبر کن دندان فشار  
تابہ بنی روی این محنت کشان چون گل تار  
ہم کنون بیند کا ز میدان دل عیار بار  
از سگان آدمی کی سخت خر مردم دمار  
ور موافق خواہی ای دجال یک رہ سر بر آر  
یک صدای صور وزین فرعون طبعان صد ہزار  
صورت خربت نہان و سیرت زشت آشکار  
تابہ بنی گرگی آن سگ را کہ میخوانی عیار  
باش تا در خاک بنی شر سور و شور شمار

(۱)۔ لباب الباب، عون، ج ۲، ص ۲۹۷۔

سنائی نے شعر ذیل میں خراسانیوں کی آشفته حالی اور ترکمانوں کی بیدادگری کا حال بیان کیا ہے:

قدرشہ غزنین کہ شناسد بہ حقیقت      آن را کہ باحوال خراسان خبری نیست۔ الخ

جس زمانہ میں سنجہ کے غلاموں نے خراسان اور ماوراء النہر پر حملہ کیا اور جنگ غز میں انہیں ہزیمت نصیب ہوئی حکیم کوشکی نامی (۱) نے ابیات ذیل میں اس واقعہ کی تشریح یوں کی ہے:

ایا شمشیر زن ترکان پردل	بہ نسبت از فی و تاتار کاشان
یکایک در خراسان پروریدہ	بناز و نعمت و دولت تن آسان
شمارا پادشاہ ہفت کشور	رسانیدہ ہمیری از نخاسان
بروز کودکی خفتہ کہ و مہ	بسی در پیش دوکان رواسان
بہر شہری زنام غز شنودن	شدہ چون دیو از آہن ہراسان
فلک کفران نعمتہای سنجہ	طلب کرد از شامناحق شناسان
زہی در ماندگان بی حمیت	زہی خربندگان ناسپاسان
کسی خود زاد و بود و ملک واقطع	چنین بیرون دہد از دست آسان
مسلم بین کہ چون بیرون کشیدن	بہ شمشیر از گس زن تان خراسان

قاضی حمید الدین ابو بکر اپنے زمانہ کے فاضل، بلخ کے قاضی القضاة اور انوری کے مدوح تھے۔ انہوں نے ایک نہایت لطیف جو سلطان سنجہ کے سپاہیوں کی لکھی ہے جو غزوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان کے آگے مارے مارے پھرتے تھے:

حکیم کوشکی را بخواب دیدم دوش	زبان کشادہ بدمح مبارزان سپاہ
زراہ طعنہ و طنز و تفاخرہ میگفت	خمی گذاردہ ہریک حقوق نعمت شاہ
فسوس زیر رکاب شکایت و سمد	در بلخ بربر و فرق شامقا و کلاہ
ز پیش کافر کفران نعمت آورد	گریختند چو از پیش توبہ خیل گناہ
ندیدہ گرد سپاہ سیاہ پوش ہنوز	کہ گشت صبح سپید شام چو شام سیاہ

(۱)۔ نواب الالباب عوفی، ج ۲، ص ۴۷۱۔

ز بس تعجب کفار جملہ میگفتند زہی جماعت غز لالہ الا اللہ

یہ بے حمیت امرا جن کا کام سوائے قتل و غارت کے کچھ نہ تھا شیرالدین اُخسکتی کے  
بیت ذیل میں ان کی صفت اس طرح بیان ہوتی ہے:

چوتیچ چوبین در عہد ما امیرانند کہ نان شان نتوان زد بہ ہیچ وجہ بہ تیر  
دراز گوش بر چارپای افتادہ دراز گوش امیر و چہار پای سریر

ناصر خسرو نے اپنے ایک قصیدہ 'غرا میں خراسانیوں کا ذکر کیا ہے جو سلجوقی غزوں کے  
عہد حکومت میں مظلوم و محکوم رہے اور ان کی زندگی اور دولت غزوں کے رحم و کرم پر تھی:

نگہ کدید کہ در دست این و آن چو خراس  
بمملک ترک چراغہ اید یاد کدید  
کجاست آنکہ فریغونیان ز ہیبت او  
چو ہند را بسم اسپ ترک ویران کرد  
شا فریفتگان پیش او ہی گفتید  
کجاست اکنون آن مردو آن جلالت وجہ  
بچند گوہ بدید مر خراسان را  
جلال و دولت محمود ز اولستان را  
زدست خویش بدادند گوزگانان را  
پای پیلان بہ سپرد خاک خندان را  
ہزار سال فزون باد عمر سلطان را  
کہ زیر خویش ہی دید برج سلطان را

انوری نے غارت زدہ خراسانیوں کی خوب توصیف کی ہے۔ خراسانیوں کی استدعا پر  
انوری نے یہ قصیدہ خاقان سمرقند کے پاس بھیج دیا تاکہ اسے خراسانیوں کی پریشان حالیوں کا  
اندازہ ہو سکے:

بر سمرقند اگر بگذری ای باد سحر  
نامہ ای مطلع آن رنج تن و آفت جان  
نامہ ای بر رشمس آہ غریبان پیدا  
نقش تحریرش از سینہ مظلومان خشک  
ریش گردد ممر صوت از وگاہ سماع  
تاکنون حال خراسان ورعایا بودست  
نامہ اہل خراسان ببراہل خاقان بر  
نامہ ای مقطع او درد دل و سوز جگر  
نامہ ای در شکنس خون شہیدان مضمحل  
سطر عنوانش از دیدہ محرومان تر  
خون شود مردک دیدہ از وقت نظر  
بر خداوند جہان خاقان پوشیدہ مگر

ذره ای نیک و بدنه فلک هفت اختر  
خواستن کین پدر بر پسر خوب سیر  
نیست یک تن ز خراسان که نه شد زیروز بر  
در همه ایران امروز نماندست اثر  
بر کریمان جهان گشته لئیمان مہتر  
بکر جز در شکم مام نہ بنی دختر  
پایگاہی شدہ نی نقشش پیداو نہ در  
در خراسان نہ خطیب است کنون نہ منبر  
بید از بیم خروشید نیارد مادر  
ملک رازین ستم آزاد کن ای پاک گہر  
بخدای کہ بیفراخت بفرقت افسر  
زین فرومایہ غز شوم پی عارت گر

نی نبودست کہ پوشیدہ نباشد بروی  
باز خواہد ز غزان کینہ کہ واجب باشد  
خبرت ہست کازین زیروز بر شوم غزان  
خبرت ہست کہ از ہرچہ درو خیری بود  
بر بزرگان زمانہ شدہ دونان سالار  
شاد الا بدر مرگ نہ بنی مردم  
مسجد جامع ہر شہر ستوران شان را  
خطبہ نکلند بہر خطہ غزان از پی آنک  
کشتہ فرزند گر امیش اگر ناگاہان  
خلق رازین غم فریاد رس ای شاہ نژاد  
بخدای کہ بیاراست بنامت دینار  
کہ کنی فارغ و آسودہ دل خلق خدای

جمال الدین اصفہانی نے شہاب الدین کی مدح سرائی کرتے ہوئے اصفہان کے قحط کا

حال بیان کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بشنوز من بنظم کہ شرحیت جان شکار  
نہ با کسی تواضع و نہ با کسی وقار  
عرق امل ضعیف و دل عافیت نگار  
بگر بریدہ موی عروسان شاخسار  
وانک سیاہ شد در و دیوار روزگار  
ہم خاک با عفونت و ہم آب ناگوار  
در رنج فاقہ کافہ مردم در اضطراب  
شد شاخہا عقیم و نژاید از و شمار  
ہم باد آتشین دم و ہم آب خاکسار  
ہم قرص منکسف شد و ہم گردہ کم عیار

دانی کہ بی تو حال سپاہان چگونہ شد  
نہ با کسی مروّت و نہ با کسی کرم  
زان روی کشت زرد شد و چشم چشمہ خشک  
بگر دریدہ جامہ و شاقان صمد  
آنک کہ بود گشت بن ناخان کوه  
مفلوج گشت آتش و معلول گشت باد  
از سیل مرگ عرصہ عالم در اضطراب  
شد خاکہا بخیل و زروید از و نبات  
ہم خلق سنگدل شدہ ہم ابر سخت چشم  
نان شد بہ زرخ شیرین لیکن بطعم تلخ

عورت برہنہ عورت پوشی نیافتہ  
 فرزند ہچوسگ شدہ مادر گزای و شوخ  
 خوانی نہادہ نی بجز از سفرہ فلک  
 بر بود گرگ مرگ ہر آن کو گزیدہ تر  
 حشو عوام خود نتوان بر شمرد لیک  
 بگر بچشم عبرت و حال جہان بہ بین  
 آنکس کہ از مرصع میداشت گوشوار  
 مادر چو گر بہ گشتہ جگر خای و بچہ خوار  
 دستی کشادہ نی بجز از ہنجنہ چنار  
 آیا کہ چون ہمیکند این مرگ اجبار  
 ز اہل ہنر نہاند کسی اندرین دیار  
 عاقل ز حالہای چنین گیرد اعتبار

اس عہد کی شاعری پر حوادث زمانہ کا بڑا ہی نمایاں اثر ملتا ہے۔ شاید ہی کوئی شاعر ہوگا جس نے اس عہد کی اجتماعی حالت پر سخت تنقیدیں نہ کی ہوں، اہل زمانہ سے جانگداز شکایتیں نہ کی ہوں اور انہیں مورد لعن و طعن نہ قرار دیا ہو۔ یہ شکوے عمومی افکار کے نمائندے ہیں۔ ان تنقیدوں، ہجووں اور طنزوں کے نشانے امیر و وزیر اور مذہبی رہنما وغیرہ کبھی تھے۔ اس عہد کے شعرا کے کلام سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے اس زمانے کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے: (۱)

ناصر خسرو:

گفتم چو رشوہ بود در پامال و زہد شان  
 ای کردگار باز بچہ بتلا شوم  
 از شاہ ذی فقیہہ چنان بود رفتم  
 کا ز تیم مار در دھن اژدھا شدم

ابوالفرج رونی:

گردون ز برای ہر خردمند  
 صد شربت جانگزا در آسخت  
 بر اہل ہنر جفا کند چرخ  
 نتوان ز جفای چرخ بگریخت  
 چونست زمانہ سفلہ پرور  
 کی دست زمانہ بر تو ان ہیخت  
 چون کون خران ہمہ سرانند  
 دست از دم خر باید اویخت

(۱) - تاریخ ادبیات در ایران از دکتر ذبیح اللہ صفاء، ج ۲، ص ۱۱۹ تا ۱۳۵۔



عبدالواسع جبلی:

منسوخ شد مروت و معدوم شد وفا  
شد راستی خیانت و شد زیر کی سفہ  
گشته ست باژگونه ہمہ رسمہای خلق  
ہر عاقلی بزادیہ ای ماندہ ممتحن

زین ہردونام ماند چو سیرغ و کیمیا  
شد دوستی عداوت شد مردی جفا  
زین عالم نہ بہرہ و گردون بیوفا  
ہر فاضلی بداہیہ ای گشتہ مبتلا

حکیم سنائی:

مسلمانی کنون اسی ست بر عرفی و عاداتی  
فروشدا آفتاب دین بر آمد روز بی دینان  
جہان یکسر ہمہ پردیو و پرغولند و امت را

دریغا کو مسلمانی دریغا کو مسلمانی  
کجا شد درد بودردا و آن اسلام سلمانی  
کہ یارد کرد جز اسلام و جز سنت نگہبانی

ناصر خسرو:

فلان از بہر بہمان تا مرور اصدید چون گرد  
ہمی بینم پچشم دل بد لہادر ز بہر آن  
کہ محسن را دگر مگری و حسان را دگر کیدی  
ر نیسان و سران دین و دنیا را یکی بنگر  
کجا باشد محل آزادگان را در چنین وقتی  
مدار کن مدہ گردن خسان را ہجو آزادان  
نہ بنی برگہ شاہی مگر غدار و بی باکی  
بجو زولا بجوز ستش ہمہ فقہ از جہان لیکن  
تہی تردانش از دانش ازان کز مغز تر ب ارچہ  
حصاری بہ زخر سندی ندیدم خویستن را من

از و پوشیدہ ہر ساعت ہی سازد معماری  
کہ بتانند قبائی ژندہ یا فرسودہ یکتایی  
و جعفر را دگر روئی و صالح را دگر رایی  
کہ تابنی یکی لنگی و دیگر باد پیامی  
کہ بر ہر گاہی و تختی نشستہ میر و مولایی  
کہ از ننگی کشیدن بہ بسی کردن مدارایی  
نیابی بر سر منبر مگر ز راق کائلی  
سر ایکسر ز مال وقف کشتش چو جوزلی  
بہ منبر بر ہی بینش قسطائی و لو قالی  
حصاری جز ہمین نگرفت ازین پیش ایچ گندلی

دہقان علی شطر نجی:

بسر بخاک کریمان رفتہ رفتن بہ  
کہ سوی در گہہ این مہتران عصر پای

روانہ گردد در ہیچ حال حاجت و رای  
روا کند بہ ہمہ حال حاجت تو خدای  
چگونہ عمر گذاریم وای بر ما! وای!

از ان کہ ہیچ ازین مہتران ز بیش وز کم  
اگر تو جمع کنی خاک آن کریمان را  
وگر بہ مانند این مہتران بر این سیرت

دیگر

وگر بر جان و دل زحمت نہادن  
ز خاطر نکتہ ہای بکر زادن  
بسلی خوردن و دشنام دادن

نشاہد بہر آداب ندیمی  
زبان کردن بنظم و نثر یاری  
کہ باز آمدہم کار ندیمان

حدادی:

آتش بر سر چو شمع و تافتہ دل چون سراج  
آبداری ہیچو بخت و سرفرازی ہیچو تاج  
معجزی در عہد ما باملک و آنگہ بی خراج!

دوش دیدم صاحب پردخل خراج انگیز را  
گفتم ای دستور گردون مرتبت در ملک شاہ  
این تفکر چیست؟ زشت باشد ای جوان

انوری:

روہی دیگرش بدید چنان  
گفت خرگیر میکند سلطان  
گفت آری ولیک آدمیان  
خر و روباهشان بود یکسان  
کہ چو خر بر نہند مان پالان  
اینست کون خران بی خبران

روہی میدوید در غم جان  
گفت خیر است باز گوی خبر  
گفت تو خر نہ ای چه می ترسی  
می ندانند و فرق می نہ کنند  
زان ہی ترسم ای برادر من  
خر ز روباہ می بنشانند

دیگر

ہمہ سرگشتہ اند و رنجورند  
اندرین روزگار معذورند

کہتر و مہتر و شریف و وضع  
دوستان مگر بدوستان نرسند

## خاقانی شروانی:

کیست ز اہل زمانہ خاقانی      کہ تو اصل وفاش پنداری  
خواجہ گوید کہ دوستدار تو ام      پانخش ده کہ دوست چون داری  
تا عزیزم مرا عزیز کنی      چون شدم خوار خوار انگاری

دیگر:

صبح کرم و وفا فروشد      خاقانی ازین دو جنس کم گوی  
پای از طلب کرم فروماند      دست از صفت وفا فروشوی  
شو تعزیت کرم ہی دار      رو مرثیہ وفا ہی گوی

## ظہیر فاریابی:

بحکم آنکہ خرابست صاحباً امروز      ز تند باد حوادث وجود را بنیاد  
بقصد خون کرام اختران میان بستند      بہ کین اہل ہنر آسمان میان بکشاد  
زمانہ پیش گرفت از سیاہ کاری جور      فلک بقاعدہ کرد از سیہ دلی بیداد

دیگر:

آن غلامیکہ از پی امرش      آسمان زحمت دواج کشید  
یکزمان از میان کمر بکشاد      لاجرم چون نگین تاج رسید

دیگر:

عہد بزرگان بین کہ ز ایشان      تشنہ بجز وعدہ سراب نیابد  
نام کرم خود میرکہ بی غرض از دور      ہر کہ سلامی کند جواب نیابد  
شکر ہی کن کہ نیک و بد بر آید      ملک خداست کہ انقلاب نیابد

سنائی:

شوخیست مایہ طمع اشعار خوش چسود      کامروز فرق کس نکند افسر از افسار

جمال الدین اصفہانی:

خواجهگان را نگر برای خدا  
همه عامی و آنگه از پی فضل  
هر یکی در ولایت و ده خویش  
کاندین شهر مقتدا باشند  
لاف پیمان و ژاژخا باشند  
کفش دزد و کله ربا باشند

دیگر:

فلک با اہل معنی خود بکین است  
ندانم چرخ را با ما چه کین است؟  
اگر بر جاہلان وقف است خیرت  
نه اندر رسم این ایام انصاف  
ہنر عیب است و فضل آفت چه تدبیر؟  
نه حکمت رست و نہ یونان حکمت  
چه نقص از جہل چون از جہل باشد  
چه سود از فضل چون از فضل دارم  
سگان را حشمت و مارا تحسّر  
وجاہت در دروغ است و تقدّم  
دورویی کن کہ تا جاہی بیابی  
بدی کن تا توانی و دوی کن  
ہمیشہ ہجو کژدم جان گزا باش  
چو گردون سفلہ پرور گشت و خس طبع  
فلک سر گشتہ و بی اختیار است  
نه فعل چرخ و سعی انجم است این  
فلک را برخلاف حکم تقدیر

دیگر:

آہ ازین خواجهگان دون ہمت  
کہ آب ازاد بارشان سراب شد است

که صدا خاموش از جواب شداست  
لاجرم ز ابر در حجاب شداست  
در دل سنگ خون ناب شداست  
در دهان صدف لعاب شداست

بخل ازین شان جهان چنان آموخت  
طبع ایشان گرفت ہم خورشید  
لعل از بار منت خورشید  
گوهر از لاف رعد و طعنہ ابر

دیگر:

چون نیست هیچ خندان و نور فضل چه سود  
نه هیچ کس به بخشید و نه هیچ کس بخشود  
کجا تو اند خورشید را به گل اندود  
ندلت ست تواضع بنزد سفلہ نمود  
نه حلم باشد خوردن قفا ز دست جهود

چون نیست هیچ ممیز تصور عقل چه نقص  
چه بود بامن اہل زمانہ را کہ مرا  
حسود کوشد تا فضل من پوشد لیک  
مرا تواضع طبعی عزیز آمد لیک  
نه از تواضع باشد زبون دون بودن

۴

دیگر:

بگرید این دہر و انبای او  
ہست بامن جملہ استقصای او  
زان بود برجان من ینمای او  
ای عجب شبہای محنت زای او  
بیش پنم لاف ما و مای او  
نه عطار د رست و نہ جوزای او

بگرید این چرخ و استیلای او  
میدہد ملکی بکتر جاہلی  
ہمچو ترکان تنگ چشم آمد فلک  
مرد در عالم نہ وابستن است  
ہر کہ اورا ہست معنی کمترک  
رو بخر طہلی و بشکن این قلم

دیگر

چون پای دارت آرد مرگ آنگہ پای دار  
قطرہ ای از بحر قہر و زین نہنگان صد ہزار  
گفتنی اینک قیامت نقد و دوزخ آشکار  
در مساجد زخم چوب و در مدارس گیر و دار

دست دست تست انا الحق میزان ای خواجہ ولیک  
لطمہ ای از شیر مرگ و زین پلنگان یک جهان  
ظلم صورت می بندد در قیامت ورنہ من  
آخرا ند عہد تو این قاعدت شد مستمر

امن چونانت عزیز و عدل چون عرض تو خوار  
صد هزاران لعنت از تو باد ماند یادگار  
که ز سیم بیوه می خر جامهای نامدار  
هم کند دود دلی اسب سلاحت تار و مار  
تو همی سوزی تبیهمان را که بان آنچه بیار  
خواجہ مالک (۲) چونت داند سوخت چون عود قمار  
وز مسلمانی خویش آنگہ نگردی شرمسار  
هم زمین را از قرار و ہم فلک را از مدار  
کز سر تو بر کشد مرگ این لباس مستعار

دین چورای تو ضعیف و ظلم چون دستت قوی  
جمله آن کن تادیرین ده روزه ملک از بہر نام  
کہ ز مال طفل می زن لو تہای معتبر  
ہم شود ز آہ کسی خیلی سپاہت ترت مرت  
تو ہمی سوزی ضعیفان را کہ ہین جامہ بکن  
شیخ ابوتکی (۱) چگونہ داندت زد ہنجو زر  
وجہ مخموری تو از بوریای مسجد است  
باش تا چون باز دارد صدمت یک نفخ صورت  
خویشتن در صورت سگ بازیابی آزمان

سنائی:

ہزاران سان عنا و درد جامع  
مرا خوا یار باش و خوا منازع  
خلاف یکدگر ہنجون طبایع  
نماند حق تعالی ہیچ ضایع  
برد ایزد و را در چرخ رابع  
بخیلان را چرا کردیم ضایع  
کہ نشناسد بدی را از بدایع  
کثیر الناس ارض اللہ واسع

ز تو ای چرخ نیلی رنگ دارم  
طمع چون بکسلم از خلق از تو  
ازین یاران چو ماران باطن  
عدو بسیار کس کو ہر کسی را  
چو عیسی را عدو بسیار شد زود  
نحسیان را چرا اکرام کردیم  
ہمیشہ خاک بر قرق کسی باد  
ببرزین ناکسان و دیگران گیر

خاقانی:

و ز بلاہا امان نمی یابم  
ہیچ جا آشیان نمی یابم  
ہر دو دریک مکان نمی یابم

عافیت را نشان نمی یابم  
می پر م مرغ وار گرد جهان  
دولت اندر ہنر بسی جستم

(۱) - کنیت ملک الموت - (۲) - مراد مالک دوزخ -

یک جهان آدمی ہی پنم  
دشمنان دست کین بر آوردند  
ہم بد شمن درون گریزم از انک  
عہد یاران باستانی را  
ہمہ فرعون و گرگ پیشہ شدند  
مردی در میان نمی یابم  
دوستی مہربان نمی یابم  
یاری از دوستان نمی یابم  
تازہ چون بوستان نمی یابم  
من عصا و شبان نمی یابم

خیام:

این کہنہ رباط را کہ عالم نامست  
بزمیست کہ واماندہ صد جمشیدست  
آرامگہ ابلق صبح و شامست  
گوریست کہ خوابگاہ صد بہرامست

دیگر:

ای چرخ زگردش تو خر سندنیم  
گر میل تو بانی خرد و نا اہل است  
آزاد کنم کہ لایق بندنیم  
من نیز چنان اہل و خرد مندینم

دیگر

ای چرخ خسیس خس دون پرور خس  
چرخا فلکا ترا ہمین عادت بس  
ہرگز زروی تو بر مراد دل کس  
ناکس تو کس کنی و کس را نا کس

انوری:

تا آمد از عدم بوجود اصل پیکرم  
کردم نظر بفکر در احکام نہ فلک  
در بزمگاہ محنت گیتی بجام عمر  
خواندم بسی علوم ولیکن بہ عاقبت  
ای چرخ سفلہ پرور دل بند جان شکر  
ای بی وفا جهان دلم از درد خون گرفت  
ای روزگار شیفتہ چندین جفا کن  
با این کفایت و ہنرم در نہاد عمر  
جز غم نبود بہرہ ز چرخ شکر  
جز نوعروس غم نشد از عمر ہمسرم  
جز خون دل زدست زمانہ نمی خورم  
علم و بال شد کہ فلک نیست یادوم  
شد زہر باوجود تو در کام شکر  
دریاب پیش از ان کہ رسد جان بخرم  
چون خاک خیرہ طبعم و چون باد مضمرم  
اسباب یک مراد نگرود میسرم

## نسلی اور علاقائی عصبیت

ترکوں کے ایران پر تسلط اور ان کے بے دریغ جوہر و ظلم نے سفید پوست اور زرد پوست دو قوموں کے درمیان نفرت کی بیج بودی۔ چوتھی صدی ہجری میں پارسی و ترک اور عرب و ترک کے درمیان مجادلہ رہا کرتا اور یہ دونوں عناصر اپنے دفاع اور ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کی سعی کرتے تھے۔ پانچویں صدی ہجری کے نصف آخر اور چھٹی صدی ہجری میں اس تعصب نے دوسرا پہلو اختیار کیا۔ ترکوں کی طرف سے عدم اعتماد اور تحقیر کی فضا تیار ہونے لگی اور ایرانی بیم و وحشت اور نفرت و انزجار کے شکار ہوئے گرچہ غلاموں، ترکی قبیلوں اور ترک زادوں نے ایران پر اپنی حکمرانی مسلط کر دی لیکن قدیم ایرانی باشندے ان کے تمدن، انکی مردانگی اور شجاعت، ان کی وفا شعاری اور ان کے عادات و اطوار کو حقارت اور سطحی تنقیدوں کے ذریعہ بیان کرتے تھے۔ اب تک ترکی غلام اور کنیریں ایرانی شعرا کی عشق بازی اور ان کے عاشقانہ اوصاف کے موضوعات رہے اور عہد گذشتہ کی مانند لفظ ”ترک“، معشوق اور حسین کے مفہوم میں ہی استعمال ہوتا تھا۔ لیکن اس قوم کی کینہ پروری اور انتقامی اقدامات نے ایرانیوں کے دلوں کو مجروح کر رکھا تھا لہذا شعرا کے کلام میں لفظ ”ترک“ بے وفا، عیار و شقی القلب کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ سنائی ایک ترکی معشوق کے وصف میں کہتا ہے:

ماخود از تو این چشم نداریم از ایراک      تو ترکی و ہرگز نبود ترک وفادار  
 با این ہمہ مارا بہ ازین داشت توانی      پنهان زخوی ترکی مارا بہ ازین دار

ترکوں کی بے وفائی اس عہد میں مثل بن چکی تھی، چنانچہ اسدی کہتا ہے:

وفا ناید از ترک ہر گز پدید      و ز ایرانیان جز وفا کس ندید

اس عہد میں ہر ایک شہر کے لوگ دوسرے شہر والوں سے اختلاف رکھتے اور ان کے متعلق ان کا نظریہ متعصبانہ رہتا تھا۔ یہ مقامی اختلاف عوام الناس ہی تک محدود نہ رہا بلکہ اہل فضل و ادب تک بھی پہنچا۔ شعرا کے دواوین میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ بعض شعرا نے دوسرے شہر کی ہجو میں بڑی مبالغہ آرائی کی ہے۔ جس شہر کی ہجو کی جاتی وہاں کے باشندوں کی



برہمی و برافروختگی کی کوئی حد نہ رہتی یہاں تک کہ اگر اس شاعر سے ملاقات ہو جاتی تو بڑے وحشیانہ برتاؤ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ شہروں کے درمیان یہ افتراق اور معنوی دوری، زمانہ کی پریشان حالی اور آشفستگی کی عکاسی کرتی ہیں۔ اس عہد کا ہر شہر دوسرے شہر کے حملوں اور غارت گری سے متاثر ہو چکا تھا اور اس وجہ سے اس شہر کے خلاف برباد شدہ شہر کے لوگوں کے قلوب میں بغض و کینہ پرورش پاتے رہتے تھے جو ہجو گوئی اور بدکلامی کا محرک بنتے تھے۔ قرن ششم میں مقامی عصبیت کی وافر مثالیں ملتی ہیں۔ چند کا ذکر یہاں بے محل نہ ہوگا۔

انوری کے مخالف شعرا ہجو میں لکھ کر اس کے نام سے مشہور کر دیتے تھے اور انوری کو اس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا تھا۔ جب انوری بلخ آیا تو شاعر فتوحی نے حکیم سوزنی کی فرمائش سے خراسان اور اس کے دوسرے شہروں کی ہجو لکھ کر انوری کے نام سے منسوب و منتشر کر دی۔ اشعار یہ ہیں (۱):

چار شہرست خراسان را بر چار طرف	کہ وسط شان بمسافت کم صدر صد نیست
گرچہ معمور و خرابش ہمہ مردم دارد	نہ چنانست کہ آبستن دیو و دنیست
بلخ را عیب اگر چند باو باش کنند	برہر بی خردی نیست کہ صد بخرد نیست
مصر جامع را چارہ نبود از بدونیک	معدن زر و گہر بی سرب و بسد نیست
مرد شہرست بترتیب وہمہ چیز درو	جد و ہزلش متساوی ہری ہم بد نیست
حبذا شہر نشابور کہ در ملک خدای	گر بہشت است ہمین است و گرنہ خود نیست

اہل شہر اس ہجو کو سن کر اتنے برہم ہوئے کہ انوری کو پکڑ کر تختہ کلاہ کیا اور اوڑھنی اوڑھا کر او باشوں نے گلی کوچوں میں تشہیر کی۔ نوبت اس سے بھی آگے پہنچتی لیکن قاضی حمید الدین ابو بکر اور ابو الحسن عمرانی نے انوری کی حمایت کی اور اس کی جان بچ گئی۔

تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ مجیر الدین بیلقانی اصفہان کا صوبیدار مقرر ہو کر وہاں آیا، لیکن وہ خود چونکہ اس عہدہ کا اہل نہ تھا اس لیے اصفہان والوں نے اس کی پروا نہ کی۔ مجیر کو اس سے بڑا رنج ہوا اور اس نے اصفہان کی بہت سی ہجو لکھیں۔ ذیل کی رباعی بھی اصفہان ہی کی ہجو میں ہے:

گفتم ز سپاہان مدد جان خیزد	لعلی است مروت کہ ازان کان خیزد
کی دانستم کہ اہل صفاہان کورند	با این ہمہ سرمہ کہ از صفاہان خیزد

(۱) - تاریخ ادبیات در ایران، از دکتر ذبیح اللہ صفا، جلد ۲، ص ۱۳۴۔

اس پر اکابر اصفہان برہم ہو گئے اور شرف الدین شفر وہ کو مجیر کی رکیک ہجویات لکھنے پر آمادہ کیا۔

جمال الدین اصفہانی نے اصفہانیوں کی ہجو اس انداز میں لکھی:  
 نفاق و بخل در اہل سپاہان چنان چون تشنگی در ریگ دیدم  
 بزرگ و خردشان دیدم وزیشان وفا در سگ کرم در ریگ دیدم

### مذہبی اختلافات

اس عہد میں مذہبی اختلافات کا دامن بہت وسیع ہو گیا اور یہ اختلاف عوام سے خواص تک کھینچ گیا۔ نہ صرف علما نے ایک دوسرے کے مسالک و معتقدات کی حمایت اور اختلاف میں کتاب اور رسالے تالیف کیے بلکہ اس عہد کے شعرا نے بھی اس تعصب میں حصہ لیا اور اپنے مذہبی عقائد کے اظہار و تشریح اور مخالف مذہبوں کی ہجوؤں اور تنقیدوں میں جرأت مندانہ قدم اٹھائے۔ وہ مذہبی اتہام کو وسیلہ انتقام سمجھتے تھے، یہاں تک کہ بہت سے شعرا بے دین مشہور ہو گئے۔ ذیل میں ظہیر فاریابی کا ایک قطعہ نقل کیا جاتا ہے جس میں ظہیر نے معتزلہ کو مورد ہجو اور لائق قدح قرار دیا ہے:

ترا بتیغ ہجا پارہ پارہ خواہم کرد کہ کشتن تو مرا شد فریضہ کلی  
 خدایگان وزیران مرا چہ خواہد کرد ز بہر خون یکی زن بزد معتزلی

خاقانی نے بھی اپنے دینی عقائد کی تائید کرتے ہوئے اپنے مذہبی مخالفوں خصوصاً معتزلیوں پر کچھ اچھا لالہ ہے:

رویت حق بہ بر معتزلی بودنی نیست بہ بین انکارش  
 معتقد گردد از اثبات دلیل نفی لا تدرک الالبسارش  
 گوید از دیدن او محرومند مشتی آب و گل روزی خوارش  
 خوش جوابت کہ خاقانی داد از پی رد شدن گفتارش  
 گفت من طاعت آن کس نکنم کہ نہ بینم پس از آن دیدارش

## شعر و فلسفہ

اس عہد کے بیشتر شعرا نے فلسفیانہ افکار اور علمی موضوعات پر طبع آزمائیاں کیں اور علمی تصورات و خیالات سے اپنے شعروں کی وسعت اور قدر و منزلت میں فنکارانہ اضافے کئے۔ لیکن شعرا کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جس نے فلاسفہ و حکما کو مورد عتاب و سرزنش قرار دیا اور ان سے ہمیشہ دست بگریبان رہا۔

اس روش پر چلنے والے شعرا کی آواز زمانے کے افکار کی ترجمان تھی۔ علمائے دین کی فیلسوف سے مخالفت نے بھی شعرا کو متاثر کیا۔ اس قسم کے اشعار شاعروں کے راسخ دینی عقائد اور حکما و فلاسفہ کے الحادی تصورات کے دلیل تھے۔ یہ شعرا حکمت یونان اور ابتدائی حکیمانہ علوم کو گمراہی و ضلالت کا وسیلہ شمار کرتے اور فقط اعتصام بحبل اللہ اور قرآن کے عروۃ الوثقی سے توسل کو راہ فلاح و نجات جانتے اور مسلمانوں کے اس گروہ سے نفرت کرتے تھے جس نے دین اسلام کو یونانی کفریات سے مخلوط کر دیا تھا۔

سنائی غزنوی نے اہل یونان کے عقائد پر یقین کرنا دین کو معطل کرنے کے مساوی سمجھا، مطالعہ فلسفہ کو بے عقلی پر محمول قرار دیا اور ارسطو و افلاطون کی پیروی کرنے والوں کو ”ہوس گویان یونانی“ کے مقالات ترک کرنے کی دعوت دی۔ عقل کا صرف ایک مقصد یعنی قرآن کریم کے پڑھنے اور اسے سمجھنے تک محدود قرار دیا۔ ذیل کے ابیات ان افکار کی تشریح و تفصیل ہیں:

شرط مردان نیست در دل عشق جانان داشتن	پس دل اندر بند وصل و قید ہجران داشتن
تا کی از کاہل نمازی ای حکیم زشت خو	ہچو دو نان اعتقاد اہل یونان داشتن
صدق بو بکری و حذق حیدری کردن رہا	پس دل اندر زہرہ فرعون و ہامان داشتن
عقل نبود فلسفہ خواندن ز بہر کاہلی	عقل چہ بود جان نبی خولہ و نبی خوان داشتن
دین و ملت نی و برجان نقش حکمت دو ختن	نوح و کشتی نی و در دل عشق طوفان داشتن

دیگر:

مسلمانان مسلمانان مسلمان مسلمان	ازین آئین بی دینان پشیمانی پشیمانی
بمیرید از چین جانی کا ز و فکر و ہوا خیزد	ازیرادر چنان جانہا فرو ناید مسلمان
شراب حکمت شرعی خورید اندر حریم دین	کہ محرومند ازین عشرت ہوس گویان یونانی

برون کن طوق عقلائی بسوی ذوق ایمان شو      چہ باشد حکمت یونان بہ پیش ذوق ایمانی

ایک دوسرے شاعر کے حملے اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ یہ خاقانی ہے جس نے نہ صرف یہ کہ فلاسفہ کو اپنے تیغ زبان سے آلودہ کیا اور انہیں بے دین و ہوس پیشہ قرار دیا بلکہ اہل کلام و جدل کی بھی سرزنش کی اس لیے کہ وہ انہیں بھی خوان حکمت کا ریزہ خوار شمار کرتا تھا اور انہیں دین اسلام کو فلسفہ یونان کے ساتھ آمیختہ کرنے کے جرم کا مرتکب قرار دیتا تھا۔ اس کے اشعار یہ ہیں:

چشم بر پردہ اہل منہید	جرم بر کردہ ازل منہید
ای امان و عالمان اجل	ہاء جہل از براجل منہید
فلسفہ در سخن میامیزید	وانگہی نام آن جدل منہید
رحل زندہ جہان بگرفت	گوش ہمت برین رحل منہید
نقد ہر فلسفی کم از فلسی است	فلس در کیسہ عمل منہید
حرم کعبہ کہ از کھل شد پاک	باز ہم در حرم کھل منہید
مُشتی اطفال نو تعلم را	لوح ادبار در بغل منہید
مرکب دین کہ زادہ عربست	داغ یونانش بر کفل منہید
قفل اسطوره ارسطو را	بر در احسن الملل منہید
نقش فرسودہ فلاطن را	بر طراز مبین خلل منہید
فلسفی مرد دین مپندارید	خیر را جفت سام یل منہید

دیگر:

فلسفی گرچہ نیست امیر النحل	ہچو زنبور نا مسلمان است
در زنبور کافر از چہ زنی	کہ چو دارالاساح پیکانست
نحل را از نہال باغ خرد	ور مشبک نعیم الوان است
خان زنبور کلبہ قصاب	کلبہ نحل سخن بستان است
فلسفی دین مباش خاقانی	کہ صلاح مجوس بہ زانست
این چو طوطی بود مہوس و آن	چون خروسی کہ طبعش احسانست

دیگر:

جدلی فلسفی است خاقانی      تا بہ فلسفی نگیری احکامش  
فلسفہ در جدل کند پنهان      وانگہی فقہ بر نہد نامش  
مس بدعت بزر بیالاید      پس فروشد بقرہ خامش  
علم دین پشت آورد و آنگہ      کفر باشد سخن بفر جامش

### معاشرتی بد عنوانیاں

ایک قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ اس عہد میں شعرا نے شعر و سخن میں خامیاں دیکھیں۔ اجتماعی و معاشرتی زندگی میں انتشار اور مختلف جہات سے پریشانیوں اور مشکلات کی گرانباری نے دانش وروں کو دنیا اور علاقہ دنیوی سے مایوس کر دیا اور وہ راہ فرار تلاش کرنے لگے۔ زمانہ گذشتہ میں شعرا کے یہاں اپنے گرد و پیش اور اہل زمانہ سے اس قسم کی بیزاری کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں، لیکن اس عہد میں اس قسم کے خیالات عام ہونے لگے اور ایسا شاعر مشکل سے ملے گا جس نے زرد پوست و حشی قبیلوں اور غلاموں کے حملہ و تسلط، عام پریشانیوں، فساد و دروغ، تزویر و قتل و غارت اور ظلم و عدوان کی شکایت نہ کی ہو اور ان کی مذمت و نکوہش میں نکتہ نہ پیدا کیے ہوں۔ رفتہ رفتہ یہ شکوائی انداز تمام دنیا اور مافیہا سے متعلق ہو گیا اور بیشتر شعرا نے عالم و عالمیان کو سواترین صورتوں میں پیش کیا ہے۔ نکوہش دنیا کے سلسلے میں سنائی نے جس قدر قصائد نظم کیے ہیں ان میں یہ قصیدہ جو مطلع ذیل سے شروع ہوتا ہے ممتاز حیثیت کا حامل ہے:

ای خداوندان مال الاعتبار الاعتبار      ای خداخوانان قال الاعتذار الاعتذار

اس قصیدہ غرا کی تقلید میں تمام استادان فن شکست کھا چکے ہیں، صرف جمال الدین اصفہانی سنائی کا ہمدوش و ہم پلہ نظر آتا ہے۔ قصیدہ جمال الدین اصفہانی کے چند منتخب اشعار:

الخذر ای غلامان زمین و حشت آباد الخذر      الفرار ای عاقلان زمین دیو مردم الفرار  
ای عجب دل تان بگرفت و نشد جانسان ملول      زمین ہواہای غض و دین آہہای ناگوار  
عرصہ نا دلکشا و بقعہ نا دل پذیر      قرصہ ناسود مند و شرتی ناسازگار  
مرگ دروی حاکم و آفات دروی بادشاہ      ظلم دروی قہرمان و فتنہ دروی پیشکار  
امن دروی مستحیل و عدل دروین ناپدید      کام دروی ناروا و صحت درونا پایدار  
از پی قصد من و تو موش ہمدست پلنگ      دزنی قتل من و تو چوب و آہن گشتہ یار

وی تو مسعود ملک ہم دیو را گشتی شکار  
 روی زی محراب کرده سگ چگیری در کنار  
 عافیت جوی نیابی در بن دندان مار  
 تاکی این قال تحرف کار باید کرد کار  
 اصل اخبارست مشنو قصه اسفندیار  
 تاکی آزار مسلمان ای مسلمان شرمسار  
 چون بیائی دارت آرد مرد آنگہ پایدار  
 قطره ای از بحر قہر وزین نہنگان صد ہزار  
 ورتو میگویند ہر سالی افا اللہ ظلم پار  
 گفتی ایک قیامت نقد و دوزخ آشکار  
 در مساجد زخم چوب و در مدارس گیر و دار

ای تو مسعود فلک ہم آرز را گشتی اسیر  
 پای در کعبہ نہادہ بت چداری در بغل  
 خوشدلی خواہی نہ بنی بر سر چنگال شیر  
 تاکی این حال مزور راہ باید رفت راہ  
 رہ بقر آن ست کم خوان ہرزہ یونانیان  
 چند سختی با برادر ای برادر نرم شو  
 دست دست تست انا الحق می زن ای خواجہ ولیک  
 لطمہ ای از شیر مرگ وزین پلنگان یک جہان  
 از تو میگویند ہر روزی دریغا ظلم دی  
 ظلم صورت می نہ بند در قیامت ورنہ من  
 آخر اندر عہد تو این قاعدت شد مستمر

### ظہیر فاریابی:

کہ ہر یکی بدیگرگونہ داردم ناشاد  
 کسی کہ باز شناسد ہمای را از خاد  
 ہمان جفای پدر بود و سیلی استاد

مرا زدست ہنر ہای خویشتن فریاد  
 ہنر نہفتہ چون عنقا بماند ز آنکہ نماند  
 تنعمی کہ من از فضل در جہان دیدم

### دیگر:

گمان مبر کہ بیک مشت گل شود معمور  
 ز بہر نزہت تو بر کشیدہ اند قصور  
 چہ دوستان حسودند و دشمنان غیور

جہان رباط خرابست بر گذر کہ سیل  
 بر آستان فنادل منہ کہ جائی دگر  
 مگر تو بے خبری کا ندرین مقام ترا

شعرا کے باہمی اختلافات اس عہد میں خاص اہمیت رکھتے ہیں، رشک و حسد ایک عام انسانی کمزوری ہے، شاعر بھی اس سے بری نہیں ہو سکتا تھا، جب کوئی شاعر کسی دربار میں زیادہ کامیاب ہو جاتا تھا تو دوسرے شاعروں کا رشک اشعار میں ظاہر ہوتا تھا اور اس طرح شاعرانہ معرکہ آرائیاں شروع ہو جاتی تھیں عصری سلطان محمود کے دربار کا ملک الشعرا تھا

تاہم اتنی بات پر کہ عضائری کے دو اشعار پر محمود غزنوی نے دو توڑے دلوادے عنصری نے  
عضائری کے قصیدہ کا رد لکھا، عضائری نے قصیدے ہی میں رد الرد لکھا۔ ان قصیدوں میں اس  
تفصیل سے اعتراضات اور جوابات ہیں جو علمی رسالوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

شعرا کی معرکہ آرائیاں اور باہمی چشمک شاعری کی ترقی کا سبب ہوتی تھی۔ ایک  
شاعر کوئی نظم لکھتا تو حریف اس کا جواب لکھتے اور زیادہ زور طبیعت صرف کرتے تھے۔ اکثر  
مشکل طرحوں میں اس غرض سے قصیدے نظم کرتے تھے کہ حریف سے جواب نہ بن آئے۔  
جو کتاب یا جو قصیدہ یا جو غزل زیادہ مقبول و مشہور ہو جاتی شعر اعمو ما ان کا جواب لکھتے تھے لیکن  
معاصر شعرا کی معرکہ آرائیاں بد زبانی اور ہجو گوئی کی طرف بھی منجر ہوتی تھیں۔ فوٹی یزدی،  
شفائی اور وحشی وغیرہ کی ہجوؤں کی یہی بنیاد ہے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ انوری و فتوحی،  
ابوالعلاء گنجوی، خاقانی اور مجیر بیلقانی کی باہمی معرکہ آرائیاں بہت مشہور ہوئیں، ان کی تفصیل  
آئندہ اوراق میں الگ الگ طور پر پیش کی جائے گی۔

زیر نظر باب میں جن ذیلی عنوانات کے نشاندہی کی گئی ہے ان کا تفصیلی مطالعہ کئی  
دفاتر کا متقاضی ہے۔ یہاں اختصار اور صرف چند مثالوں پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ آئندہ صفحات  
میں ایران کے چند معروف ترین ہجو سرا یوں اور مزاح نگاروں کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

## حکیم سنائی غزنوی

ابوالمجد مجدود پسر آدم ملقب بہ سنائی غزنوی کے ایک محترم اور بزرگ خاندان میں  
متولد ہوئے۔ غزنین سے بلخ گئے، پھر وہاں سے کچھ عرصہ بعد حج بیت اللہ کے لیے روانہ  
ہوئے۔ واپسی پر خواجہ اسعد ہروی اور دیگر معاندین نے ایذا رسانی کی غرض سے سنائی کی  
نکوہش میں چند مذموم قصیدے لکھے بالآخر سنائی نے بلخ کو خیر باد کہا اور سرخس، مرو اور نیشاپور  
وغیرہ شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے غزنین واپس آگئے۔ سال وفات میں اختلاف ہے۔ دکتر  
صفا کے مطابق سال وفات ۳۳۵ ہجری زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے (۱)۔

(۱) - تاریخ ادبیات در ایران از دکتر ذبیح اللہ - ج ۲، ص ۵۵۹

سنائی ایک مرد مومن تھے اور مذہبی معاملات میں راسخ العقیدہ انسان تھے اس لیے ان کے دیوان میں ایسے اشعار کی کثرت ہے جن میں عوام کی ظاہر پرستی، ریاکاری، بے عقلی، بے وفائی، دوست آزاری اور نامسلمانی کی مذمت کی گئی ہے۔ سنائی نے زمانہ کے ہاتھوں اذیتیں اٹھائی تھیں اسی لیے وہ ہمیشہ لوگوں کے اصلاح حال اور تصفیہ قلب و ذہن کی سعی کرتے رہے اور تزکیہ نفس اور تزکیہ دل کے لیے حصول دانش، کسب حکمت، شہوت کشی، ترک حرص و خود بینی کی دعوت دیتے رہے۔ دنیا و علاقہ دینوی کو ہیچ بتاتے رہے۔ قصیدہ مطلع ذیل میں اسی قسم کی تعلیم دی گئی ہے:

مکن در جسم و جان منزل کہ این دوست و آن والا  
قدم زین ہر دو بیرون نہ نہ این جا باش نہ آنجا۔ الخ

سنائی کو فلسفہ یونانی میں مہارت تھی لیکن جب قرآن سے ان کا شغف ہوا، اس کے معانی و مطالب کا بنظر غائر مطالعہ کیا تو ان کی حالت و کیفیت بدل گئی اور ذوق ایمانی نے انہیں یونانی فلسفہ کی مخالفت پر آمادہ کیا، چنانچہ کہتے ہیں:

تا کی ای کاہل نمازی ای حکیم زشت خوی  
ہیچو دونان اعتقاد اہل یونان داشتن

سنائی اپنے طویل عبرت انگیز اور پند آمیز قصیدوں میں معاشرہ کے تمام طبقوں کو شدید تازیانہ انتقاد سے نوازتے ہیں اور کبھی کسی شخص کی پروا نہیں کرتے۔ قصیدہ ذیل میں مسلمانوں کو ظالموں کی فریب کاری سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس میں عالموں، مفتیوں، خرقہ پوشوں، صوفیوں، قاریوں، حاجیوں، مالداروں اور وزیروں کی مذمت کی گئی ہے۔ قصیدہ ملاحظہ ہو:

ای مسلمانان خلاق حال دیگر کردہ اند	از سزی حرمتی، معروف، منکر کردہ اند
در سماع و پند اندر دیدن آیات حق	چشم عبرت کورد گوش زیر کی کر کردہ اند
کار و جاہ سروران شرع در پای افتاد	زانکہ اہل فسق از ہر گوشہ سر بر کردہ اند
بادشاہان قوی بر داد خواہان ضعیف	مرکز در گاہ راسد سکندر کردہ اند
ملک عمرو زید را جملہ بترکان دادہ اند	خون چشم بیوگان را نقش منظر کردہ اند
شرع را یکسو نہادستند اندر خیر و شر	قول بطلموس و جالینوس باور کردہ اند
عالمان بی عمل از غایت حرص و امل	خویشتن را سخن را سخاوت اصحاب لشکر کرادہ اند



باعمر در عدل ظالم را برابر کرده اند  
 حاکمان حکم شریعت را مبتز کرده اند  
 خویشین را صخرہ قیماز و قیصر کرده اند  
 ورد خود ذکر برنج و شیر و شکر کرده اند  
 صوت را در قول، ہجوزیر مزمز کرده اند  
 خیمہ ہای ظالمان را رکن و مشعر کرده اند  
 در جفا درویش را از غم توانگر کرده اند  
 مال خود بر سائلان کبریت احمر کرده اند  
 طوق اسب و حلقہ معلوم استر کرده اند  
 شخص خود فریبہ و دین خویش لاغر کرده اند  
 مہتران دولت اندر جام و ساغر کرده اند  
 تخم کشت مردمان بی بار و بی بر کرده اند  
 مومنان زلفت را بی زور و بی زر کرده اند  
 زانکہ زر بر مردمان یکسر مزور کرده اند  
 شخص خود را ہچو کلک زرد و لاغر کرده اند  
 لاف خود افزون ز پور زال نوذر کرده اند  
 طبع را در جبہ دزدیدن مخیر کرده اند  
 یک جهان دجال عالم سوز سرور کرده اند  
 چنگ و بر بٹ را بہا اکنون فزون تر کرده اند  
 ہر منخت را امین خوان و دختر کرده اند

گاہ و صافی برای وقف و ادرار عمل  
 از برای حرص سیم و طمع در مال یتیم  
 خرقة پوشان مزور سیرت سالوس و زرق  
 گاہ خلوت صوفیان وقت با موی چو شیر  
 قاریان ز الحان ناخوش نظم قرآن برده اند  
 در منازل از گدائی حاجیان حج فروش  
 مالداران توانگر کیسہ درویش دل  
 سر ز کبر و بخل برگردون اخضر برده اید  
 خواجگان دولت از محصول مال خشک ریش  
 بر سر بر سروری از خوردن مال حرام  
 خون چشم بیوگان است آنکہ در وقت صبح  
 تاکہ دہقانان چو عوانان قبا پوشان شدند  
 از نفاق اصحاب دار الضرب در تقلیب نقد  
 کار عمال سرای ضرب ہجوزر شدہ است  
 شاعران شہر ہا از بہر فرزند و عیال  
 غازیان نابودہ در غزو غزای روم و ہند  
 جبہ دزدان ز ترازو ہا بر اطراف دوکان  
 ای دریغامہدی کا مروز از ہر گوشہ ای  
 مصحف یزدان درین ایام کس می ننگرد  
 کودکان خرد را در پیشستان میدہند

سنائی ظاہر پرست صوفیوں سے سخت بیزاری کا اظہار کرتے ہیں جو روٹی کی خاطر اپنی  
 درویشانہ آبرو کو خاک میں ملاتے ہیں اور آستانہ وزیر و امیر پر جبہ سائی کرتے ہیں۔ تو نگران  
 ظلم پیشہ پر سنائی اپنی برہمی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

خانہ خریدی و ملک باغ نہادی و اساس ملک بمال زباخانہ بسود غلہ

فرش تو در زیر پا اطلس و شعر و نسج  
 او ہمہ شب گرسنہ تو ز خورشہای خوب  
 سعی کنی وقت بیج تا چنہ ای چون بری  
 دزد بشمشیر تیز گر بزند کاروان  
 در ہمہ عمر ار ششی قصد بمسجد کنی  
 در رمضان و رجب مال یتیمان خوری  
 مال یتیمان خوری پس چلہ داری کنی  
 صوفی صافی شوی بر در میر و وزیر  
 بیوہ ہمسایہ را دست شدہ آبلہ  
 کردہ شکم چار سو چون شکم حاملہ  
 بازندانی ز شرع صومعہ از مزبلہ  
 بر در دکان زند خواجہ بزحم پلہ  
 گرچہ بروی و ریا بر کنی از مشعلہ  
 روزہ بمال یتیم مار بود در سلہ  
 راہ مزین بر یتیم دست بدار از چلہ  
 صوف کنی جامہ راتا بہ بری زان زلہ

سیر العباد میں صورت حرص، صورت تکبر، ارباب تقلید وزن، علمائے سالکان  
 طریقت اور اہل رضا و توحید وغیرہ مضامین پر نہایت خوبی سے طنز کیا ہے اور جس گروہ کی  
 کیفیت بیان کی ہے اس کی حقیقت بے نقاب کر دی ہے۔ علما کی شان میں لکھتے ہیں:

تن شان زیرودل زبر دیدم      قبلہ شان روی یکدگر دیدم  
 مردمان دیدم اندرو جمعی      روشن دتیرہ ذات چون شمع

شمع کی مانند دوسروں کو ان سے ہدایت مل سکتی ہے لیکن خود گمراہ ہے۔ پھر کہتے ہیں:  
 اصل خود را فدائی خود کردہ      خویشتن را غزای خود کردہ

دیگر:

با دو معشوق نازی کردند      بدو قبلہ نمازی کردند

سنائی کا شمار مدح سرا شعرا میں ہوتا تھا لیکن جب حالت و کیفیت میں تغیر و تبدل آیا  
 اور دل بیدار ہوا تو تہمت و چالپوسی سے بے زاری اور نفرت ہو گئی، مدوحین اور مداح شاعروں  
 کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

صد نمازت بشود باک نداری بجوی      چست می باشی تا خدمت سلطان نشود  
 راہ مخلوقان گیری و نیندیشی ہیج      دیو بر تخت سلیمان چو سلیمان نشود

شاہ و گدا کی تنقید و تنقیص بے لوث و بے باک ہو کر کرتے ہیں:  
 کیست سلطان؟ آنکہ ہست اندر نفاذ حکم او  
 تو ہی لانی کہ: ہی من پادشاہ کشورم  
 در سری کا نجا خرد باید ہمہ کبرست و ظلم  
 خنجر آہنجانش بحری ناوک اندازان بری  
 بادشاہ خود نہ ای چون بادشاہ کشوری  
 با چنین سر مرد افساری نہ مرد افسری

سنائی عوام کے حامی و طرفدار ہیں۔ باطلوں سے حمایت کرنے اور نادانستہ طور پر رابطہ  
 کرنے سے ان کا دل رنجیدہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی دل کی آزر دگی ان کے اشعار سے ظاہر ہوتی ہے:  
 از پی رڈ و قبول عامہ خود را خرمن  
 گاو را دارند باور در خدای عامیان  
 زانکہ کار عامہ نبود جز خری یا خر خری  
 نوح را باور ندارند از پی پیغمبری

وہ اپنے عہد کے لوگوں سے خوش نہیں۔ کمینوں، بدکاروں اور بیوقوفوں کو محترم  
 و معزز اور اہل ہنر کو تہی دست دیکھ کر کہتے ہیں:  
 کار چون بی خردی دارد وہی اصلی و جہل  
 طالع فاجری و ماجری امروز قویست  
 ہر کہ پستان میان پای نداد اور اشیر  
 ہر کہ لوزینہ شہوت نہ چشیدست ز پس  
 آنکہ بودست چون گردون بگہ خردی کوژ  
 وای پس بر تو و آباد برین مختصران  
 ہر کہ امروز بر آنست بر آن  
 نیست امروز میان جہلا او ز سران  
 نیست در مجلس این طائفہ از پیشتران  
 لاجرم ہست درین وقت ز گردون سپران

جو انمردی کی حسرت میں کہتے ہیں:  
 سر بہ سرد عویست مرد امرد معنی دار کو  
 راہ دین پیدا است لیکن صادق دیندار کو  
 تیز بینی پاکدستی رہبری غمخوار کو  
 یک جہان معشوق بینم عاشق غمخوار کو

اکثر موقعوں پر قحط مرآت اور جو انمردی کا گلہ کیا ہے:  
 در جہان آزاد مردی کو کہ باری دم ز نیم  
 محرم و شائستہ و اہل و مرید بی ملال

خاقانی نے بھی سنائی کی طرح دنیا کو جو انمردوں سے خالی پایا:  
 ناجوانمردم از جہان خواہم کہ ندارد جہان جوانمردی

سنائی نے شائستہ ممدوح کے عنقا ہونے کی شکایت کی ہے اور شاعری سے ملال کا اظہار

کیا ہے:

شاعری بگذار و گرد شرع گردا ایراترا زشت باشد بی محمدؐ نظم حسان و اشتمن

شعر طبعم نکند ہچو دگر گرسنگان  
دختری دارم دوشیزہ ولی مدحت زا  
بر در خانہ و بر خوان چوسگ و گر بہ شغب  
کہ از خرد مندی ام دارد و از خاطر اب  
کہ کند صحبت این دختر دوشیزہ طلب  
نیست یکمرد کہ او مرد بود با کابین

دیگر:

شاعری بگذار و گرد شرع گردا ز بہر آنک  
خود گرفتہ سحری شد شاعریت ای ہرزہ گوی  
رمز بی غمزست تا ویلات نطق انبیاء  
ہرگز اندر طبع یک شاعر نہ بنی حدق و صدق  
ہر کجا زلف ایازی دید خواہی در میان  
شرعت آرد در تواضع، شعر در مستکبری  
چیت جز لایفلاح الساحر نتیجہ سحری  
غمز بی رمزست تختیلات شعر و شاعری  
جز گدائی و دروغ و منکری و منکری  
عشق بر محمود بنی گپ زدن بر عنصری

ابونصر احمد سعید کی مدح کرتا ہوا یہ ہزل آمیز قصیدہ نظم کرتا ہے:

تاکی این لاف در سخن رانی  
کہ برین بی ہنر ہنرور زی  
کہ کنندت چو کیر پیش پای  
با چنین مہتران بی معنی  
خویشتمن را ہمہ بری شمرند  
نیست از جمع مال شان کس را  
ہچ شاعر نخورده از صلہ شان  
ہچ احسان ندیدم از یک تن  
اف ازین مہتران سیل آور  
روز قوادگی است چون خایہ  
تاکی این بیہودہ ثنا خوانی  
کہ بر آن بی گہر دُرافشانی  
کہ دہندت چو خایہ در بانی  
از سبکساری و گران جانی  
لیک در دل فعال شیٹانی  
حاصل نقد جز پریشانی  
از پس شعر جز پیشانی  
ورچہ کردم بہ شعر حسانی  
تف برین خواجگان کہ دانی  
کنی ہچو کیر عربانی

رفت ہنگام شاعری و سخن روز شوخیت وقت نادانی  
 ریش گاوی، نہ ای خرد مندی کافری، نیستی مسلمانی  
 اصل جدی نہ معدن هنری کان حمدی نہ مرد حمدانی  
 چہ ہمہ روز بہر مشتی دوزن ژاژ خواہی و ریش جنبانی

سنائی کو عورتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ غیر فطری عشق کا مارا تھا، انہوں نے صنف لطیف کی ندمت میں بڑے نکتے پیدا کیے ہیں اور معاشرت زنان سے لوگوں کو روکا ہے:

یوسف مصری، وہ سال ززن زندان دید پس ترا کی خطری دار نداین بی خطران  
 آنکہ با یوسف صدیق چنین خواهد کرد ہیج دانی چکند صحبت او با دگران  
 حجرہ عقل ز سودای زنان خالی کن تابجان پند تو گیرند ہمہ پر عبران  
 عیش خود تلخ چہ داریم بسودای زنان ماو سیمین ز نخان خوش وزرین کران  
 ہر کہ یک شب ز برزن بود از روی مراد سالی از نوشود از جملہ زیو زبران  
 خواستم از پی راحت زنی آخر از تو آن بدیدم کہ نہ بیند ہمہ بی خبران  
 چون بزنی کردنی این رنج ہی باید دید اینت اقبال کہ دارند پس امروز غران

دیگر

زن مخواہ و ترک زن کن کاندین ایام بار زن نخواہد ہیج مردی تا بمیرد ہوشیار  
 گر امیر شہوتی باری کینرک خر بہ زر سر و قد و ماہ روی و سیم ساق و گل عذار  
 تا مراد تو بود با او بزنی برسنگ سیم ورمزاج او بدل گردد بود زر عیار  
 آنقدر دانی کہ بر خیزد کسی از بامداد روی مال خویشتن بیند کہ روی رامدار

دیگر

از پی عشق بتان مردانگی باید نمود گر چو زن بی ہمتی پس لاف مردان شرط نیست

دیگر

خیرہ سر تا کی زنی ہچو زنان لاف دروخ ناچشیدہ شربت وصل و ندیدہ درد عشق

دل منہ با زنان از آنکہ زنان  
تا بود پُر زند بوسہ بر آن  
مرد را کوزہ فقہ سازند  
چون تہی شد زدست باندازند

سنائی اسیر دام عشق تو تھا لیکن عشق جنس لطیف اس کا شیوہ نہیں، وہ ان سے محبت کی بساط نہیں پھیلا تا بلکہ سیمیں ذقن لڑکوں کے فتنہ جمال کا مارا تھا اور ان کے بوس و کنار پر جان و دل تار کرتا تھا۔ سنائی نے ان ہی کی خاطر اپنے آبائی وطن کو ترک کیا۔ سنائی کے شعر کا دامن ہزل کے شرمناک اور رکیک انداز بیان سے پر آگندہ ہے۔ اس کے اشعار اس کی دلالت کرتے ہیں کہ سنائی کی سرشت میں بے شرمی و درندگی کا عنصر غالب تھا، یہاں تک کہ تغیر حال اور معرفت حقیقت کے بعد بھی اس کے اشعار میں اس قسم کی باتیں ملتی ہیں۔ بزرگوں اور امیران زمانہ سے گفتگو میں اور پند و نصیحت میں بھی رکیک معانی اور زشت الفاظ کا استعمال بے پروائی سے کرتا ہے۔ سنائی نے بہت سے مردوں کے عشق میں جان کا ہی کی، مثلاً پسر قصاب، پسر کفش گر، یار حسن، یار لشکری، یار میرک اور یار گنگ زبان وغیرہ کی تعریف و توصیف اور سراپا نگاری میں بلا کے زور طبع کا ثبوت دیا ہے۔ سنائی کی بہت سی غزلیں اس قسم کے واردات عشق کی تشریح و توضیح ہیں اور حد تو یہ ہے کہ سنائی نے ان سادہ رویوں سے لعبت گری اور لواطت کے احوال و کوائف کی تفصیل و تشریح بھی لظلم کی ہے۔ اس قسم کے بے شمار اشعار ان دیوان میں ملتے ہیں:

نگوہش خواجہ اسعد ہردی

دیدم آنجا نشستہ اسعد را	بامی و بانگ زیر و نالہ بم
بود با او نشستہ قصابی	کودکی چون یکی بدیع صنم
ہردو مست از نبیذ سوسن بوی	بر و عارض چو سوسن و چو پرم
ہر دو کردند عرض بر من می	گفتم از شرم ہر دورا کہ انعم
یکدویکی ز شرم خوردم و خفت	بکی گوشہ ای، ندیم ندیم
ہر دو خفتند مست و در راندند	پیش من مست دار خر بکرم
ژرف کردم نگہ کہ زیرین کیست	دست دانگشت کیست با ناتم
دیدم آن کون کودک قصاب	بر زیر ہچو قبہ اعظم

یا یکی خیمه ای زدیم سرخ  
 گاه بیرون کشید همچو زری  
 گفتم: احسنت ای امام که نیست  
 گفت: مفرای ای سنائی چچ  
 غزلی گوی حسب ما که بود  
 بارکی چند نیز شجک را  
 گاه گنگی درشت از پس پشت  
 کیر قصاب چون ستون خیم  
 گاه اندر سپوخت ، چون عندم  
 چون تو اندر همه دیار عجم  
 که تو هستی بنزد ما محرم  
 این دل ریش هر دو را مرهم  
 دیده ام من بکنجها برکم  
 گاه باساده ای نشسته بهم

### در هجای علی سه بوش

پدرت پارسا و اصلی بود  
 مادرت با کسی نکرد زنا  
 گر پدر گویدت که تو زمنی  
 بندست چون تو دول در گرت  
 ای بکون زن پدرت سرت  
 کیر خر در کس زن پدرت

گنده پیریت تیره روی جهان  
 به سپیدی رخانش عزه مشو  
 خرد ما بدو نظر کردست  
 کان سیاهی سپید بر کردست

پیش ازین گفتم سه بوش را همی  
 باز از آن فعل بدش گفتم که نه  
 گوید از خنخی در امیر سر خس  
 باز گویم نی که پر خم زن بود  
 گفته با دا سرش زیر پای گاو  
 مرد مست آن روسی زن مرد مست  
 سگ دست آن روسی زن سگ دست  
 پُر خست آن روسی زن پُر خست  
 کژ دست آن روسی زن کژ دست  
 گند مست آن روسی زن گند مست

### در هجای "معجزی" شاعر

معجزی خود ز معجز ادبار  
 خود همه کس برو همی خندید  
 زین چنین کون دریده مادر وزن  
 نزد هر زیر کی کم از خر بود  
 زانکه عقلش ز جهل کمتر بود  
 ریش خندیش نیز در خور بود

دیگر:

ای بیچہ معجزی ز بہر حرمانش      وز تو چو کلیسای گبران و طنش  
تاکی گوی ز معجزی و سخنش      ای معجزہ موسا در کون زلش

دیگر:

معجز معجزی پدید آمد      چون فرد رید قوم او پری  
بی نہادی ، پلید و پرہوسی      بی زمانی دراز و بی خبری  
ہم از و بود وہم کفایت او      کہ بہر کار دارد او ہنری  
ورنہ دریک زمان کہ داند کاشت      در کس مادہ گاو کیر خری

## ہجو شیخ الطبری

برہ بریان ہر جا کہ بود چاکرنت      طبق حلوا داماد و تو اورا خسری  
خورد نیہای جہان گر بہ شکم جمع شدند      ہمہ گفتند کہ ای خواجہ تو مارا پدری  
ای ہمہ نزہت و شادی وہمہ راحت و روح      کنیت تو نعم و نام تو شیخ الطبری

دیگر:

بہ شعر اندرت مردم خواندم ای خر      کہ تا کارم ز تو گیرد فروغی  
خطی تار انجم دادی و شاید      دروغی راچہ آید جز دروغی

## شہابی کی ہجو

مرا شہابی مگر ہجو کرد صد خردار      نیافت خواہد پاخ ز لفظ من بکی  
دراز کاری دارم کہ ہر سگی را من      بہر خروشی خواہم ہی زدن سگی

## بلخ کے عوام کی ہجو

از بس غر و غرزن کہ بلخ انداد یانش      می بازندانند ز مذکرہ ز مؤنث  
بلخی کہ کند از گہ خردی پسران را      برکان وہی و دف زنی و ذلت تنہ  
زان قبہ لقب گشت مر اورا کہ نیابی      در قبہ بجز مسخرہ درند و محنت



## دیگر

مرا بغزنین بسیار دوستان بودند  
بنامہ ای زمن آن قوم را نیاید یاد  
مگر کہ جملہ بمردند و نیز شاید بود  
خدای عزوجل جملہ را بیا مرزاد

## ہجوخواجہ

گفتہ بودی کہ جبہ ای بدہم  
وز تقاضای سرد تو برہم  
چون بدیدم سخن مصحف بود  
گفتہ بودی کہ جبہ ای ندہم

## ایک دشمن کے ہجو کا جواب

سرخ گوئی ہمیشہ غر باشد  
شبہ از لعل پاکتر باشد  
لعل مصنوع آفتاب بود  
شیشہ مصنوع شیشہ گر باشد  
چون بیک جای رستہ سرخ و سیاہ  
سرخ پیوستہ بر زبر باشد  
چونکہ سرخست اصل عمر بدوست  
جایش اندر دل و جگر باشد  
چون سیہ گشت ہم درین دو مکان  
اصل دیوانگی و شر باشد  
زیر لعلست لالہ را سیہی  
دود کی خوشتر از شرر باشد  
علم صبح سرخ آمد از آنک  
بر سیاہ شبش ظفر باشد  
سیہی بی نہاد و بی معنی  
زان ز تو خلق بر حذر باشد  
نزد ما این چنین سیہ کہ توئی  
مرد نبود کیر خر باشد  
رو کزین فعل زشت روز قضا  
نامت از تو سیاہ تر باشد

## دیگر

خادمان را ز بہر آن بخرند  
تا بر خسار شان فرد نگرند  
ای برادر تو آنچہ می بینی  
خادمان عیستند کیر خوردند  
لالہ ہولا نہ مرد و نہ زن  
بین ذلک نمائندہ و نزنند  
جای ایشان شدست ہند و عجم  
لا جرم ہردو جا بدرد سرند  
گر بدانجا کیر شان ببرند  
گر بدینجاست کون شان بدرند

## حکیم سوزنی سمرقندی

عہد سلجوقیہ میں حکیم سوزنی (متوفی ۵۶۰ھ) ایک عظیم ہجو گو اور ہزل پیشہ شاعر گذرا ہے۔ اس نے عمر کا بیشتر حصہ ہجو گوئی میں گزارا اور نہایت کثیف و فحش ہجوئیں کہیں۔ سوزنی نے ہجو گوئی و ہزل سرائی کیوں شروع کی اور اس کی طبیعت کا میلان اس طرف کس وجہ سے ہوا خود اسی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

بی کون و کیر اگر نبود شعر من رواست      زیرا کہ شعر من نزد من شاعر نرم

دیگر

من آنکسم کہ چونہم براسب شوخی زین      زدن نیارد ابلیس چند در فتراک  
حرام زادہ سرو شوخ چشم و قلاشم      فساد پیشہ و محراب کو بم و دکاک  
بکوی شوخی و بی شرمی و بداندیشی      اگر بدانی من نیک جستم و چالاک

دیگر

من آنکسم کہ چونہم براسب شوخی زین      ہزار مہجیک از پیش من کم آرد پای  
خجستہ خواجہ نجیبی، خطیری و طیان      قرلیج و عمق و حکاک قردیافہ درای  
اگر من آیم دم راز ہجو من در کش      وگر تو آئی میگوئی و ہینگون ناسائی

صاحب مجمع الفصحا (۱) لکھتے ہیں کہ سوزنی ”خوش طبع و ہزال و ہاجی و بذلہ گو شدہ سینہ شعر ای معاصر خود را بخندنگ ہجاستہ و بازوی سخنوری ہمکنان را برشتہ طعن بستہ، بسوزن طبیعت دہان فصیحان را دوختہ و باتش ظرافت خر من شاعران را سوختہ۔“

روایت یوں ہے کہ جوانی میں سوزنی کو ایک پسر خیاط سے عشق ہو گیا۔ ہوس میں سوزنی نے خیاطی پیشہ اختیار کیا اور جب شاعری کا سودا ہوا تو سوزنی تخلص کرنے لگا۔ سوزنی کی

(۱)۔ مجمع الفصحا، جلد ۱، ص ۲۳۹۔

طبیعت ہزل کی طرف مائل تھی لہذا اپنا بیشتر وقت ہزل گو شعرا مثلاً طیان ژاژ اور حکاک وغیرہ کے دواوین کے مطالعہ میں صرف کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں خود کہتا ہے:

رفیق و مونس من ہزلہای طیانت      حکایت خوش من خرزہ نامہ حکاک

خود کو دوسرے شعرا سے بڑتر و فائق شمار کرتا تھا اور اپنے مسلم الثبوت استاد ہونے کا حسن ظن رکھتا تھا خود کہتا ہے:

بہ بی نیازی ایزد اگر خورم سو گند      کہ نیست ہچو منی شاعر سخن پرداز

از ہمہ شاعران منم افصح      ہمہ را از من است بر سر تاج  
ہچو من شاعری بجد و ہزل      نیست در روم و خلیج و قیجاج  
قدر من بندہ خود بود مجہول      قدر دانی بدی بکیتی کاج

اپنی ہجویات کو سوزن کی تیزی سے تشبیہ دیتا ہوا کہتا ہے:

تیز درفش است در عبارت ترکی      سوزن ہجوم ترا خلیدہ تراست

پختہ را خام و خام را پختہ      چست باشد بہر کدام کنم  
بنمایم بشر سحر حلال      شعر بر شاعران حرام کنم

خود اپنے متعلق کہتا ہے:

حکیم سوزنیم چشم شاعران بہ ہجا      چو چشم باز بدوزم بسوزن پولاد  
بسان سوزن بی رشتہ خاطر می دارم      بہر کجا کہ در آید فرو رود آزاد  
کسی کہ گفت مرا ہجو و نام خویش نگفت      کند چو سوزن ہجوم درو خلد، فریاد  
بگیرم آنکہ ریش یکان یکان بکنم      چو پُر جوزہ اندر ربودہ گرسنہ خاد  
بیاد ہجو مرا پیشروی من برخوان      اگر توانی در پیش روی من ایستاد

من یکی شاعر مبارک ہجو      نیست حاجت مرا بدین تعریف  
ہر کرا من ہجا کنم گردد      گر بود دون دون شریف شریف

مگر کلاخ را ہجا کردم یافت اسلام و خلعت و تشریف

دکتر ذبیح اللہ صفا سوزنی کے متعلق رقمطراز ہیں (۱):

”سوزنی شاعری بد زبان و ہجا پرداز بود و در ہجو معانی خاص ابداع  
میکرد و مضامین بدیع می یافت و برای بیان معانی و مقصود خود از بکار بردن  
رکبہ ترین کلمات امتناع نہ داشت۔“

سوزنی اپنے ایک ممدوح کی ہجو کرتا ہوا کہتا ہے:

از امت مسیح بنی راہب از تو بہ	و ز امت کلیم بنی از تو جبر بہ
گردن سطر کردی از سیم این و آن	با سیلی و مصادره گردن ستبر بہ
گوئی کہ صبر کن صلت بتو رسد	از صلت تو طمع بریدن ز صبر بہ
صبر است مدحت تو و شکر ہجای من	ہجوت ہی کلیم کہ شکر ز صبر بہ

سوزنی نے جلالی ترمذی (۲) کو ”خرنمخانہ“ کے نام سے موسوم کیا اور اس کی ہجو میں  
لکھیں۔ سوزنی کے بیانات سے معلوم ہوا ہے کہ جلال خود یا اس کے آباؤ اجداد مسیحی تھے۔ عوثی  
نے اسے حکیم جلال لکھا ہے۔ تذکرۃ الشعراء (۳) میں دولت شاہ سمرقندی کا بیان ہے کہ علمائے  
مدرسہ نے متفقہ طور پر پسر خمار (جلال) کو متعین کیا کہ سوزنی کی ہجو لکھے اور اس نے سوزنی کی  
رکبہ ہجو میں لکھیں۔ سوزنی نے بھی اپنے دیوان میں پچاسوں مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے اور  
باضابطہ چودہ ہجو میں ”خرنمخانہ“ سے متعلق ہیں۔ کبھی خر کو اپنی سواری بنانے میں کبھی اس کے  
شراب پینے، کبھی اس کے کھیل دکھانے، اور کبھی اس کی لشکر شکنی کی ہجو یہ تشریح کرتا ہے اور  
کبھی اس کا سراپا بیان کرتا ہے۔ نیز اس کی ہجو کو لازم اور عین حال قرار دیتا ہے۔ مدحیہ قصائد  
میں بھی خرنمخانہ کی ہجو کے پہلو نکال لیتا ہے۔ بلکہ جا بجا خرنمخانہ کی ہجو ہی تشبیب ہوا کرتی ہے۔

لباب الالباب (۴) میں مذکور ہے کہ ”حکیم جلال کہ نظم او چون سحر حال و نثر او چون باد شمال  
روح افزای و دلکشای اگر اور اقلاید قصائد بسیار است، چون در زبان سوزنی افتاد و بہ بلا و ہجای  
او مبتلی شد باخر عمر جملہ اہاجی و ہزلیات خود را بہ شست و استغفار کرد۔“

(۱) - تاریخ ادبیات در ایران، ج ۲، ص ۶۲۳، (۲) - لباب الالباب از محمد عوثی ج ۲، ص ۱۹۸، ۱۹۹

(۳) - تذکرۃ الشعراء، ص ۱۰۰ - (۴) - لباب الالباب ج ۲، ص ۱۹۸۔

## خمنخانہ کی ہجو

کہ بیش ازین نکنم کاروبار دم خورا  
چرا کہ باخرگر گین ہی روم بہ چرا  
مراچہ مادہ خرمنغ چہ زخر ترسا  
ہمہ خران بہ ہمین چوب رانم از سودا  
چو در کشم خرمنخانہ زیر بامر ہجا  
بداس پی زده و در کند ماندہ قفا  
روان کنم سخن خر بناروا و روا  
خرانہ ہاست کہ در خر ہی کنم انشا  
در آخور خر خمنخانہ تابود بنوا  
نہ گرد آن خرمنخانہ احمق الشعرا  
زوان و بارکش و خوش، نہ شاعرونہ گدا

دیگر

تا بسر بر نہین است و سراب  
پُر ز نفرین صرف و لعنت ناب  
خوک بچگان نا برآمدہ ناب  
کند آن خر ترین اہل کتاب  
شش خوش اولیا بہ فتح الباب  
خضر و چشمہ خضر نایاب  
بال سمیرغ در تنورہ کباب  
ندہد ریزہ بکلب و ذناب  
بدل از کاسہ دماغ شراب  
بہ تغان خان بستہ پردہ جلاب  
بجلابی جریدہ القاب

خط امان من است این قصیدہ غرا  
سوار رنشم و اسفندیار و روئین خصم  
بشاعری چو کنم بوق ہجو باد انگیز  
چو خرسوار شوم چہ خر عزیز و مسیح  
بہ پشت مازہ گاوزمین رسد آسیب  
خران کورہ گریزان ز تیر ہجو مند  
ز تیغ پی سخن انگیزم و بحر بر پشت  
خرک ترنہ تراش است دمن خرنہ تراش  
نواہی خرزعلف باشد این ہجا علف است  
کشادہ شد جرس ہجو من کہ بستہ مباد  
بشاعری و گدائی خری بچنگ آرم

خرمنخانہ را دو خم شراب  
مطبخی دارد از ہوی و ہوس  
ناگرفتہ درو کند بریان  
تامر اہل کتاب را مہمان  
کند از دوغ میسرہ با سہل  
ملح کبریت احمر و برہ چون  
پزد اندر تنور چوبین نان  
دو کفہ میسند نوالہ لاف  
میرساند ز شکر سکران  
میدہد از ایاز خانہ سرد  
ہمہ سوداس آنکہ نقش کند

اعذب الشعر اکذبہ، گویند شعرا و عذب بی واو کذاب

### خرنمخانہ جو شعر کہتا ہے

ای پرستندہ زادہ سم خر  
سرخر برتر از گریبانی  
خر مردم نی کہ مردم خر  
درزندان فرد فرودم خر  
ہست برمن ترا تقدم ویت  
خوی خربندہ بر تقدم خر  
شعر علم است و تو خر عالی  
علم مستغنی از تعلم خر

### ہجو خنمخانہ

زبار ہجو من خرنمخانہ گشت لنگ  
سوزنگری بہانم و یکخت گر شوم  
آن ہجو شیر گندہ دھان پیش چون پلنگ  
خر لنگ شد بمیرد مردہ چون لنگ  
خرزہرہ خوردہ بودی باری بجای بنگ  
خر شاعر ایست پر سم یا شاعریت خر  
کس را چگونہ گیرم بی جرم پالہنگ

سنائی ایک معروف فارسی شاعر ہے جس نے شاعری کا آغاز مدح سے کیا۔ بعدہ اس سے استغفار کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ سوزنی نے اپنے دیوان میں بارہ مرتبہ سنائی کا نام لیا ہے اور ہمیشہ اس کے اشعار جدی اور اشعار ہزل آمیز کی پیروی کا متمنی رہا۔ سوزنی نے خرنمخانہ کے علاوہ مندرجہ ذیل لوگوں کی بھی ہجویں لکھی ہیں:

### ہجو قوامی

قوامی ہچکنین بد ساز ماندی  
درین یک ماہ چندان ایر خوردی  
اسیر خرزہ یک تاز ماندی  
کہ از دیگر غذا ہا باز ماندی  
بہنگام جوانی درد بودی  
بہ پیری در غرو غماز ماندی

### ہجو شمس دین

ای شمس دین بنام و بنواز تو ابر بہ  
ای صوت و صورت تو ہزاران ہزار بار  
جامہ ات کفن نکوتر و جانت بقبر بہ  
عزندہ ابر بہتر و در زندہ بہر بہ  
ہر چند مومنی چون نداری سخاوتی  
ار تو ہزار بار جوانمرد گبر بہ

### ہجو حکیم نوزدہ

حکیم نوزدہ چون پست و ہفتادگان بیند  
بدان زمانہ نشود دل شکستہ از پی آن  
ہماں زمان دوسی اندر نود زمان بیند  
کہ سود خویش سراسر در آن زبان بیند  
کہ تاز صورت خویش اندر و نشان بیند  
در آب و آئینہ او خوشستن چنان بیند  
فزون ز نوزدہ من گویہ دردہان بیند  
گران ندارد و بر من دگر ضمان بیند

### ہجو نظامی

نظامی ارچہ نہ مردست مردہ انگارم  
بمیرد آن سگ زن روسی بمرگ سگان  
بنظم مرثیہ اش حق طبع بگذارم  
اگرچہ گوید باشعر ز بہ پیکارم  
ز بہر بستن بار گناہ بسیارم  
اگرچہ باشم در خواب و گرچہ بیدارم  
کہ آن سگ بد بد فعل را بیزارم  
ہزار لعنت بر شعرو بر نظامی باد  
یکی ز جملہ کردار ہای نیک من است

### ابوالعباس ترشروی کی ہجو

ترش رو ابوالعباس نامی  
ہن مانند روباہ مملوخ  
نشستہ بر بساط آل عباس  
بسرماندہ بیغوز نناس  
غلام ارمنی جتہ ز نخاس  
کہ گفتم پیش ازین دریاب و بناس  
صفات خواجہ نیمور من است این  
من این نیمور خود را وقف کردم  
”علی صبیانکم یا ایہاالناس“

### ہجو امام غزنین

امام غزنین آن پیر بخرد ہشیار  
بجد و جہد ہمیکرد ہر شمی تا روز  
مدرس کتب بونواس مرد افشار  
کتاب جلق بیاد مواجران تکرار  
کزوند مست امان یافتی و نہ ہشیار

بآن جوانه درون آمدی برای جماع  
یکی پسر که اگر کس ورا ندیده بود  
قدی جو سرو پیاده سری چو گنبد کوز  
زورد مند نشان خواستی ز خنگ سوار  
نخواهدش که به بیند بعر خود یکبار  
لبی چو گشته آله رخی چو برده مار

### هجو سعد ملک

سعد ملک ای وزیر دریا دل  
روید از ژاله کف رادت  
بهر گادی خجندی رواق  
مار برگاو ناله برگردون  
کف رعد تو ابر پر ژاله  
بر رخ سانلان تو لاله  
بضعفی شد است بزغاله  
گاد را نیست طاقت ناله

### ایک دوست کی هجو

عطا گرفتی و شکر و ثنائی گستردی  
بجای شکر شکایت نمودی از همه خلق  
دعای من بتو بر تو که مستجاب شود  
چو سگ شوی بشناسی حق ولی نعمت  
کسی چنین کند ای قلتبان که تو کردی  
نماند کسی که نیاز روی و خود آزرده  
دعا کنم بتو بر تو بود که سگ گردی  
بمردی درازین حق شناختن فردی

### هجو خواجه زادگان

این خواجه زادگان که درین شهر و بر زمینند  
من مرد مرد گایم و کین اندر اکنم  
گر ایر من بساط پلا سین بگسترد  
زین تهمتنی که هست از ایشان بنزد من  
از خط نو دمیده چرا این بخط شدن  
انگشت نرم و ناخن تیز است جمله را  
خرمن بیاد دادن رسم است و میدهند  
کونها بیاد زانکه بکونها چو خرمنند



## ہجو ملیح

سزد کہ ملح زیارت کنم کہ ہست سزا  
ہمی کہ ہست بس است آن گدا بن گدا  
نشان محلہ خوان شہری و غربا  
ندانند این ز کجا آمد آندگرز کجا  
ہزار حمدان با دو ہزار خایہ گدا  
کہ رباب کسی را وگہ کسی اورا  
بیک پدرنہ مسلمان بصد پدرترسا  
بدان رسوم کز اجداد دید و از آبا  
دھان بستہ کشاید سرخم صہبا  
زیم تیغ مسلمان شدہ بروی وریا  
بدل بقبلہ دھقان کند نماز روا  
کند در آرزوی آن کلہ قمیض قبا  
چہ گوید این ہمہ دستار من کلاہ شما  
سرپلی است کہ یابد گناہ کار جزا

ملیح مغ بچہ را در طعام خوان ہجا  
ملیح تر شود آن زن فروش وگر نشود  
دھد ملیح ز منکوہہ ملیحہ خویش  
پی تبرک ہر کس بدوزند انگشت  
ز زن بزدی منکر شود ملیحک و ہست  
شراب پر خورد دوست خسپد و خیزد  
جمال مستندان سرپل است باصل  
تبار خود را آتش پرستی آموزد  
بحرمت چونان کہ موبدش فرمود  
معنی است بردہ سر از چیز محرک درند  
کند بقبلہ تازی زہر کدیہہ ای غاز  
چوپیر را بیند کلاہ کج برسر  
کلاہ مغ را دستار خود غلاف کند  
ملیحک سرپل ترکناز و جلق ز نیست

سوزنی کی طبیعت پر گر چہ ہزل کا غلبہ تھا لیکن جد پر بھی قدرت رکھتا تھا۔ خود کہتا ہے:  
آیم سوی ہزل از جد کز ہزل بجد رقم کہ این دانم و آن دانم روشن چون مہ و پروین

آخری عمر میں سوزنی ہزل گوئی و ہجو سرائی سے تائب ہو گیا اور قصیدے لکھے جن  
میں اپنے گناہوں پر پشیمانی کا اظہار کیا اور آئندہ نیک رہنے کی دعا کی۔ ایک قصیدہ میں کہتا ہے:  
لشکر کہ سفاہت من عرض دادہ بود  
دیوسیہ گلیم بر آن بود ناکند  
بنمود خیل خیل گنہ پیش چشم من  
من ایستادہ ہمبر عارض بعرض گاہ  
ہچون گلیم خویش لباس دلم سیاہ  
تادر کدام خیلی کنم بیشتر نگاہ

سوزنی نے اپنی جوانی جس ضلالت و گمراہی اور زشت پیشہ زندگی میں بسر کی اسی طرح شاعری میں بھی شرم و حیا کی حدود سے اپنے پیر بہت آگے پھیلانے اور کسی بھی ہم عصر شاعر یا ممتاز شخصیت کو یہاں تک کہ اپنے بیٹے کو بھی ہجو کا نشانہ بنائے بغیر نہ چھوڑا۔ اس کے بیٹے نے شعر موزوں کیا، اس پر سوزنی یوں رائے زنی کرتا ہے:

ای دزد ہجا و مدح دیوان پدر  
گوئی کہ شدم سوار میدان پدر  
من رستم و تو سہراب منی  
از خنجر من جان نبری جان پدر

## انوری ابیوردی

سلطان سبخر کے دربار کا عظیم اور معزز شاعر انوری بھی ہجو نگاری کے فن میں یکتائے روزگار تسلیم کیا گیا ہے۔ عہد جدید کے نامور شاعر ملک الشعر ابہار مشہدی نے عرب و عجم کی دنیائے شاعری میں صرف آٹھ شعرا کو کامل الفن منتخب کیا ہے: (۱) قطعہ

ہشت تن در ہشت معنی شہرہ اند اندر لوب	چار شاعر در عجم پس چار شاعر در عرب
در گہ رامش ظہیر و نابغہ ہنگام خوف	گاہ کین ایشی قیس و عنترہ گاہ غضب
ور ز اشعار عجم خواہی و استادان خاص	روز شعر چار تن کن چار معنی منتخب
وصف راز طوسی و اندرز راز پارسی	عشق راز سبخری و ہجو از ابیوردی طلب (۲)
اولی وصف حقیقی، دومی پند دقیق	سومی عشق طبعی، چارمی ہجوی عجب

یعنی اگر فردوسی رزمیہ داستانوں اور عمور ماؤں کی تعریف و توصیف کے میدان میں، سعدی پند و نصائح کے منبر پر اور فرخی صحرانوردی عشق و محبت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تو انوری ہجو گوئی کے ساحرانہ تاثر پیدا کرنے میں فارسی ادبیات کا لا عدیل شاعر ہے۔ ہجو میں اس نے نہایت اچھوتے، نادر، باریک اور لطیف مضامین پیدا کیے ہیں۔ اس کی ہجوؤں میں قوت تخیل کی کامیاب فنکاری ملتی ہے لیکن بڑی مایوسی ہوتی ہے کہ اس صنف میں اس کا جو کلام جتنا زیادہ نادر ہے وہ اسی قدر زیادہ فحش بھی ہے، سینکڑوں اشعار ہیں لیکن سوائے چند کے کوئی فحش سے خالی نہیں۔ انوری کے نزدیک ہجو کی شان نزول یہ ہوتی ہے، قطعہ:

سہ بیت رسم بود شاعران طامع را	یکی مدح دگر قطعہ تقاضائی
اگر بداد تشکر اگر نداد ہجا	ازین سہ بیت دو گفتم دگر چہ فرمائی (۳)

(۱) - دیوان بہار، مطبوعہ تہران، ج ۲، ص ۳۰۳-۳۰۵۔ (۲) - عجم کے چار شاعروں سے مراد بالترتیب فردوسی طوسی، سعدی، فرخی اور انوری ہیں۔ (۳) - یہ اشعار کمال الدین اسمعیل خلاق المعانی کی طرف بھی منسوب کیے جاتے ہیں۔ مکتوبہ دیوان کمال، ص ۲۶۵۔ الف

علامہ شبلی نے بالکل بجا فرمایا ہے کہ ”انوری کا اصل مایہ فخر، جو ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر ہجو گوئی کوئی شریعت ہوتی تو انوری اس کا پیغمبر ہوتا۔“ انوری کی بعض ہجویں کثیف ہونے کے باوصف اچھوتے مضامین کی حامل ہیں اور ان میں لطافت بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً جن ایام میں انوری سرخس میں مقیم تھا وہاں کے ایک عہدیدار بوعلی آبی سے انوری کی کسی بات پر ان بن ہو گئی۔ بوعلی کی ناک جسمانی تناسب سے قدرے بڑی تھی اور تمام چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔ انوری نے اس کی ناک کو ہجو کا نشانہ بنایا اور یہ رباعی کہی:

با بوعلی آبی ار بہم بہ نشینی      شخصی بنی شش جہت زو بنی  
گردیدہ بدیدن رخس چارکنی      چندان کہ ازو بنی بنی بنی

اس زمانہ میں شعرا کی بے حد قدر و منزلت تھی لیکن درباری رقابت کی وجہ سے تلخ زندگی بسر کرنا پڑتی تھی۔ اس تلخی کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ شاعر بعض حالتوں میں بے حد ذلیل ہوتا تھا۔ اسی بنا پر انوری شاعری کو خاک رومی کے پیشے سے بھی زیادہ ذلیل اور کثیف سمجھتا تھا۔ اس کے دیوان میں ایک خیالی واقعہ ملتا ہے جس میں اس نے نہایت لطیف پیرایہ میں اس فن لطیف کی حقیقت کو واضح کیا ہے:

با یکی مردک کناس ہی گفتم دوش      تو چہ دانی کہ زغبن تو دلم چو خستہ است  
صنعت و پیشہ ماہر دو ہی دانی چیست؟      آنچرا تیز رود وین زچہ رو آہستہ است  
گفت: از عیب خود واز ہنر ما منشاش      زین کہ مار از چنار آتش رزقی جستہ است  
کار فرمائی دہد رونق کار من و تو      داند آنکس کہ دی با من و تو بنشستہ است  
کار فرمای مرا پایہ من معلومست      لاجرم جان من از بند تقاضارستہ است  
کہ چنان ظن برد او کا نچہ تو ترتیب کنی      کردہ ای دائم و پرداختہ و پیوستہ است  
با چنان داند کین عمر عزیز علما      ہچو روز و شب جہال متاع رستہ است  
اوچہ داند کہ دران شیوہ چہ خون باید خورد      کہ ترا از سر بیدار غدران پی خستہ است  
انوری ہم ز تو برتست کہ برنخ درخت      عقل داند کہ ستہای تبر از دستہ است

جو شعر انوری کی زبان سے نکلتا عالم میں پھیل جاتا تھا۔ اس کے ساتھ طبیعت میں تنگ نظری اور کم حوصلگی تھی لہذا ذرا کسی سے رنج ہوتا تو ہجو کا ٹلو مار باندھ دیتا تھا۔ اس عادت

کی وجہ سے اس نے سارے زمانے کو دشمن بنا لیا تھا۔ چنانچہ سلطان علاء الدین ملک الجبال سے لوگوں نے شکایت کی کہ انوری نے حضور کی ہجو لکھی ہے۔ سلطان برا فروختہ ہو اور انوری کی گرفتاری کے درپے ہو گیا۔ لیکن ملک طوطی نے اس کی جان بچائی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ انوری کے مخالف شعر اخود ہجو میں لکھ کر انوری کے نام سے موسوم کر دیتے تھے، جیسا کہ انوری کے خلاف فتوحی اور سوزنی کی سازش گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔

آخر عمر میں انوری ہجو و ہجا سے تائب ہو گیا اور گوشہ گزین ہو کر بیٹھ گیا۔ سلطان علاء الدین غوری جہان سوز نے اسے دربار میں طلب کیا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ ہجو اور مدح و غزل سے تائب ہونے کا ذکر قطعہ ذیل میں نہایت بلاغت سے کیا ہے اور چونکہ انوری فن ہجا گوئی کا امام زمانہ رہ چکا ہے لہذا ہجو کے متعلق اس کا نظریہ ہر طور پر قابل التفات ہے:

دی مرا عاشقگی گفت غزل میگویی	گفتم از مدح ہجا دست بیفشاندم ہم
گفت چون؟ گفتمش آن حالت گمراہی بود	حالت رفتہ دگر باز نیاید ز عدم
غزل و مدح و ہجا ہر سہ از آن گفتم	کہ مرا شہوتی و حرص و غضب بود بہم
این یکی شب ہمہ شب در غم و اندیشہ آن	کہ کند وصف لب چون شکر و زلف بزم
داند گر روز ہمہ روز در ان محنت و غم	کز کجا از کہ و چون کسب کند پنج در ہم؟
و آن سہ دگر چون سگ خستہ تسلیش بدان	کہ ز بونی بکف آرد کہ ازو آید کم
چون خدا این سہ سگ گرسنہ را حاشاکم	باز کرد از سر من بندہ عاجز بکرم
غزل و مدح و ہجا گویم یارب زیہبار	بسکہ بر نفس جفا کردم و با عقل ستم

انوری علوم متداولہ میں کمال رکھتا تھا۔ سلطان سنجر اس جاہ و جلال کا بادشاہ اس کے گھر آیا کرتا تھا۔ فتوحات کا یہ حال تھا کہ جلال الوزرا کے یہاں سے پانچ سواشر فیاں مقرر تھیں لیکن زبان قابو میں نہ تھی اس لیے ذلتیں اٹھاتا تھا۔ ملک الوزرا خواجہ ناصر الدین کی مدح میں قطعہ لکھا اور اخیر میں یہ شعر بھی کہہ ڈالے:

تو کہ پوشیدہ ہی بینی امروز مرا	حال بیرون و درونم نہ ہما نادانی
طاق بو طالب نعم است کہ دارم ز برون	وز درون پیرہن بوالحسن عمرانی

انوری کے اس شکوائی قصیدہ اور خصوصاً اس بیت: ”طاق بو طالب نعمہ است کہ

دارم ز برون۔ وز درون پیر ہن بوا لحن عمرانی“ کا جواب فتوحی مروزی نے ملک الوزرا خواجہ ناصر الدین کے حکم پر نظم کیا اور انوری کے حرص و آز کی سرزنش کی:

ای بدائے معروف چرا میگوئی؟  
 ”طاق بوطالب نعمہ است کہ دارم ز برون“  
 در شای کہ فرستادہ ای از نادانی  
 چه بخیلی؟ کہ بہ چندین زرو سیم و نعمت  
 ”وز درون پیر ہن بوا لحن عمرانی“  
 طاق و پیراہنی دوخت ہی نتوانی؟  
 بوا لحن آنکہ ز احساسش سخن میرانی  
 پس مخوان پیرہنش گو زرہ و خفتانی  
 سزدار ندھی ابرام و دگر نستانی  
 باقی عمر بس این پیر ہن و طاق ترا

وطن کی ناقدری میں انوری کا مشہور شعر ہے:

بشہر خویش درون بی خطر بود مردم  
 بکان خویش درون بی بہا بود گوہر

لیکن یہ بالکل امیر معزی کے شعر کا سرقہ ہے:

مردم بشہر خویش ندارد بسی خطر  
 گوہر بکان خویش ندارد بسی بہا

انوری نے قصیدہ ذیل میں شاعری کی برائی اور اس کا غیر ضروری ہونا بیان کیا ہے۔ اس میں وہ تمام خیالات ظاہر کیے ہیں جو زمانہ حال میں شاعری کو بیکار ثابت کرنے کی غرض سے پیش کیے جاتے ہیں:

دان کہ از کناس ناکس در ممالک چارہ نیست  
 زانکہ گر حاجت فتد تا فصلہ را کم کنی  
 کار خالد جز بہ جعفر کی شود ہرگز تمام؟  
 باز اگر شاعر نباشد تیج نقصان او فتد؟  
 آدمی را چون معونت شرط کار شرکت است  
 آن شنیدستی کہ نہ صد کس بباہد پیشہ ور  
 در ازای آن اگر از تو نباشد یاری  
 چون نداری بر کسی تھی، حقیقت دان کہ ہست  
 حاش لہ! تا ندانی این سخن را سر سری  
 ناقلی باید، تو نتوانی کہ خود بیرون بری  
 زان یکی جو لاہلی داند گر بر زبیری  
 در نظام عالم، از روی خورد چون کنی  
 نان ز کناسی خورد بہ زان بود کز شاعری  
 تا تو نادانستہ و بی آہی چیزی خوری؟  
 آن نہ نان خوردن بود، دانی چه باشد مند بری  
 ہم تقاضا ریش گاوی، ہم ہجا کون خری

از چہ واجب شد؟ بگو آخر: بر آن آزاد مرد  
 او ترا کی گفت، کاین گلپترہ ہا را جمع کن؟  
 عمر خود خود میکنی ضائع، ز لغویات او تاوان مخواہ  
 دشمن جان من آمد شعر، چندین پرورم؟  
 شعر دانی چیست؟ دور از روی تو حیض الرجال  
 این کہ پرسد ہر زمان این کون خرزان گاد ریش  
 راستی بر بوفراس آمد بکار شاعری  
 زانکہ همچون دیگران مدح و ہجا ہرگز نہ گفت  
 مرد را حکمت ہی باید کہ دامن گیر دش

اینکہ میخوای از و، وانگہ بدین مستکبری  
 تا ترا لازم شود چند این شکایت گستری  
 ہم تو حاکم باش، تا ہم زین کہ بفروشی خری  
 ای مسلمانان، فغان از دست دشمن پروری  
 قائلش گو: خواہ کیوان باش و خواہی مشتری  
 کانوری بہ یا فتوحی در ہنریا سنجری  
 ورنہ از جنس سخن یا از کمال قادری  
 پس مرنج ارگودیت من دیگرم، تو دیگری  
 تا شقای بو علی بیند نہ ژاژ بختری

علم کی بے قدری پر اس طرح غصہ ظاہر کرتا ہے:

ای خواجہ، مکن تا بتوانی طلب علم  
 تا در طلب راتب ہر روزہ بمانی  
 رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز  
 تا داد خود از کہتر و مہتر بستانی  
 فرعون و عذاب ابد و ریش مرصع  
 موسی کلیم اللہ و چوبی و شبانی

عوام کی بے تمیزی کو ایک فرضی قصہ میں ادا کرتا ہے:

رو بہی میدوید در غم جان  
 رو بہی دیگرش بدید چنان  
 گفت: خیر است؟ باز گوئی خیر  
 گفت: خرگیری میکند سلطان  
 گفت: تو خر نہ ای، چہ می ترسی؟  
 گفت: آری، ولیک آدمیان  
 می ندانند و فرق می نہ کنند  
 خر و رو با ہشان بود یکسان

شیخ سعدی نے "این ہم بچہ شتر است" کا لطیفہ یہیں سے لیا ہے۔

بات چیت میں اور خط و کتابت میں ایشیائی تکلفات سے انوری بھی تنگ آگیا تھا۔  
 کس بے تکلفی سے کہتا ہے:

تکلف میان دو آزاد مرد  
 بود ناپسندیدہ و سخت کام  
 بیا تا تکلف بیکسو نہیم  
 نہ از تو رکوع و نہ از من قیام

بہ سنت کلیم اقتدا زین سپس سلام علیکم، علیکم سلام

سرخس میں ایک دفعہ بارش نہ ہوئی۔ انوری نے اس واقعہ سے فائدہ اٹھا کر ابو علی آبی کی ہجو میں یہ رباعی کہی:

سرخس از رنج بی آبی و آبی در یغا روی دارد در خرابی  
ز بی آبی خلاصش دادی امسال خداوند خلاصش ده ز آبی

اسی طرح بدخوان قاری کی ہجو میں لکھتا ہے:

دوش در خواب من پیبر را دیدمش کو زامت آزرده است  
گفتمش: ای بزرگ چت بوده است طبع پاک تو از چه پڑ مرده است  
گفت ازین مقریک ہی جوشم رونق وحی ایزدی برده است  
کانچہ آن زن بمزدی خواند جبرئیل آن بمن نیاوردہ است

انوری نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس نے قاضی طوس، سدید الدین بیہقی و عمر الدین عمزادہ اور کافی ہردی کو اپنی ہجووں کا نشانہ بنایا ہے۔ کہتا ہے:

چار کس یابی کہ در ہجو من اند گر بجوئی از ثریا تاثری  
قاضی طوس و سدید بیہقی تاجک عمزادہ و کافی ہردی

ہجو خواجہ

ای خواجہ ترا سری چو طاست مالیدہ و سرخروی و محکم  
موی نہ برو، وگر بود نیز از تنہائی گرفتہ ماتم  
رگہاش ز رنگہای الوان چون دائرہ کمان کمان رستم  
پس باسراین چہنبت ریشی ست مانند یکی سپید پرچم  
این برز تخت وبال سادہ دان بر کتفت نکال معلم  
ریش از پی کندان پیاپی سردر خور سیلی دامام  
آنت کہ استریت زیرست از تو بحرام زادگی کم



کز روی نسب ترا بود خال      لیکن پسرانت را بود عم  
 با این سروریش و استر آنگہ      در حلق ہی خراشدت دم  
 ہش دار کہ مردنیک شہرہ      از اہل زمان، ز نسل آدم

### فتوحی کی مذمت

ای بر در بامداد پندار      فارغ چو ہمہ خران نشستہ  
 نامت بہ میان مردمان در      چون آتشی از چنار جستہ  
 مارا فلک گزاف پیشہ      بر آخر شرکت تو بستہ  
 نارستہ ز جہل و بردہ ہر روز      نو بادۂ احمقی بدستہ  
 باشومی جہل ہر کہ در ساخت      فالش نکند فلک خجستہ  
 طفلان ممیزان و زیند      احرار چودایہ سینہ خستہ  
 در مجلس روزگارت این بس      کز دوڑہ رسیدہ ای بدستہ  
 باری، چو درخت ست بخی      کم وہ بہترز شاخ دستہ  
 طوفان منازعت مینگیز      ای ساکن کشی شکستہ  
 اف برخوردار و خواب اگر نبودیم      در سلک تناسب از تورستہ

### شاعر طوطی کی ہجو

مردک بد اصل، طوطی، از کمال غافل      ہیچ کس را در جہان از وی نہ چیزی فائدہ  
 بشنود دشنام خویش و نشنود از ممسکی      داستان حاتم طائی و معن بن زائدہ  
 تا حدیث مایہ کس نشنود از لفظ او      بر نخواند ”رہبائزل علینا مائدہ“

### غزفہ کے ایک بزرگ میزبان کی ہجو

داشت آن روز گر سنہ مارا      بود برخون ہریکی تشنہ  
 خوردنی سرد بود و شربت گرم      سفرہ نو بود لیک نان کہنہ  
 یکی گندہ بود پیش دهنش      راست کالحنۃ علی الحنۃ

## ہجو

نکنم خواجہ را بخش ہجا لیک بر خوانم آتی زبنی  
 ”ان قارون کان من موسی“ خواجہ آنت کاید از پس فی

## سعد الدین کے عطا کردہ پیراہن کی توصیف

مرا سعد دین داد پیراہنی کہ از دیدنش دیدہ حیران شدی  
 ز فرسودگی وقت پوشیدنش تن مردہ پوشندہ عریان شدی  
 بہر جا کہ آسیب سریافتی باندازہ سرگریبان شدی

## شکایت وزیر

تو وزیری دمنت مدحت گوی دست من بی عطا رواہنی  
 شو وزارت بہ من سپارد مرا مدحتی گوی، تا عطا ہنی

## شمس الدین کی ہجو

شمس بی نور، خواجہ بی اصل چند ازین دفع گرم و وعدہ سرد؟  
 از سر جوی عشوہ آب بند بیش ازین گرد پای حرص مگرد  
 تا مرا در میان تابستان مرترا پوشتین نباید کرد

## امیر طغرل کی ہجو

میر طغرل ببرد و من کفتم ملکالموت کار مردان کرد  
 برہانید مردمان را زو مردی نیک خوب را آورد  
 قلتبانی کہ شت سال بزیت یک درم نان زخوان خویش نورد

## مقبلی کی ہجو

مقبلی، آن کہ روز و شب ادبار از سردریش او ہی ریزد  
 دست بر نبض ہر کسی کہ نہاد روح او از عروق بگریزد  
 ہر کجا کو نشستی از پی طب در زمان بانگ مرگ بر خیزد

ملک الموت کوفتہ دارد اندر آن داروی کہ آمیزد

### مردمان روزگار کی مذمت

ربع مسکون آدمی را بود، دیو و دد گرفت  
کس نمی داند کہ در آفاق انسانی کجاست؟  
دور دور خشک سال دین و قحط دانشت  
چند گوئی فتح یابی کو و بارانی کجاست؟  
من ترا بنمایم اندر حال صد بو جهل جهل  
گر مسلمانی تو، تعیین کن کہ: مسلمانی کجاست؟  
آسمان بیخ کمال از خاک عالم برکشید  
توزخ می زن کہ: در من بیخ نقصالی کجاست؟  
خاک را طوفان اگر غسلی دهد وقت آمدست  
ای دریغ! ادای چون نوح و طوفانی کجاست؟

### اپنی بد نصیبی کا ماتم

با فلک دوش بخلوت گلہ ای می کردم  
کہ: مرا از کرم تو سبب حرمان چیست؟  
این ہمہ جور تو با فاضل و دانا چه خاست؟  
دین ہمہ لطف تو با بی هنر و نادان چیست؟  
فلکم گفت کہ: ای خسر و اقلیم سخن  
بامنت بیدہ این مشغلہ و افغان چیست؟  
شکر کن شکر، کہ در معرض فضلی کہ تراست  
کنج قارون چه بود؟ مملکت خاقان چیست؟

### شکایت روزگار

درین زمانہ نماندست ہیچ مرد کریم  
کرم بسوی عدم رفت، ای دریغ! آو خ!  
کرم مجوی ازین ناکسان درین ایام  
سخن گوی بدین ابلہان بہ ہیچ سخ  
نوید سعی کریمان درین زمانہ چنانک  
بہ مثل آنکہ کسی نقش در کشد بر رخ  
عطا مجوی، کہ آن نقل نیست در عالم  
ابا مخواه، کہ جزی نیست در مطبخ

### شاہی دیوان خانہ کے عمال کی مذمت

خسروا، این چه حلم و خاموشیت  
صاحباء این چه عجز و ناموسیت؟  
آخر افسوس تان نیاید از آنک  
ملک در دست مشتق افسوس ست؟  
اولا نایبی کہ نیست بکار  
راست چون پیر کافر روسی ست  
ثانیا این قوام، رعنا ریش  
پیش تخت برای جاسوسی ست

نیک سیاح روی سالوسی ست  
 مردکی حیلتی و ناموسی ست  
 تبر از رہزنان چپلوسی ست  
 کز مریدان قطب چالوسی ست  
 گوییا از نژاد کاوسی ست  
 از در صد ہزار طرطوسی ست  
 راست چون میل گور قابوسی ست  
 کہ برخ ہمجوزر بر موسی ست  
 گوئی از گرگان ناوسی ست  
 گوئی از راہبان ناقوسی ست  
 ہیکل مدبری و منحوسی ست  
 ہچ دانی کمال عبدوسی ست  
 ہست محوس و اہل محوسی ست  
 کہ ہمہ خزد توی دوسی ست  
 جل اسبش کتان قبروسی ست  
 کفر مخلص آن نجھیک طوسی ست  
 ہرچہ در روزگار معکوسی ست

ثالثاً این کمال مستونی  
 رابعاً این کریم گندہ دھن  
 خامساً این محمد رازی  
 سادساً این زیب بی ترتیب  
 ہمہ ناز و کرشمہ و کبرست  
 سابغاً این فرید عارض لنگ  
 ثامن القوم آن یمین سرخس  
 کیست تاسع؟ نتیجہ مخلص  
 عاشر آن اکرم معاشر غر  
 مردکی اشقرست و روی روی  
 اکرم، اکرم، نعوذ باللہ ازو!  
 چاکر خام قلتبانی اد  
 مافرضنا معین حدادی  
 احمدلیث آن منخت وش  
 از کمال خری و بی خردی  
 ہر یکی را ازین رہی بدہست  
 ہمہ از روزگار معکوست

### جاہلوں کی مذمت

کان مردک بازاری از ان رزق چه جوید؟  
 کز گند طمع شان سگ صیاد نبوید  
 زان تخم در آن خاک چه گوی کہ چه روید؟  
 مردم بسوی منزلبہ و جیبہ نبوید  
 ناروی تو چون لالہ بخونابہ نشوید  
 زان در ہمہ بازار یکی راست نگوید

روزی پسری با پدر خویش چنین گفت  
 گفتا؟ چه شخص کنی؟ احوال گروہی  
 بازار کی مزرعہ تخم فسادت  
 عاقل بہ چنان طائفہ دوان نگراید  
 امید کن راستی از پشت بنفشہ  
 قولی نبود راست تراز قول شہادت

## ہجودلال۔ دیوث

تو در قوادگی، ای شوخ کافر      توانی گر کنی تصنیف و تدریس  
 اگر هوا و آدم زندہ گردند      بمکرو حیلت و دستان و تلبیس  
 بگردانی دل هوا ز آدم      کنی در ساقش عاشق بر ابلیس

## مذمتِ شعر

عادت طرح شعر آوردند      قومی از حرص و بخل گندہ خویش  
 نام حکمت ہی نہند آن گاہ      بر خرافات و ژاژ ژندہ خویش  
 گرگ خر ازین لیمانند      ہمہ دوزندہ ای درندہ خویش  
 پیش ہچون خودی زسیلی آرز      سر کی پیش در فلندہ ای خویش  
 انوری، پس تو نیز یاد آور      طیر گیہا و زہر خندہ خویش  
 شکر کن کین زماش می بینی      خواجہ دیگران و بندہ ای خویش

## مذمت نسواں

زن چو میخ ست و مرد چون ماہست      ماہ را تیرگی ز میخ بود  
 بدترین مرد اندرین عالم      بر بہینہ زنی در لیخ بود  
 ہر کہ او دل دہد بہر زنان      گردن او سزای تیغ بود

## دیگر

گفت باخواجہ یکی روز از این خوش مردی      خنک! آن کس زن خوب بمیرد اورا  
 گفت: ای خواجہ، زن خوب تو داری امروز      گفت: خوبست، ولی ہر کہ پذیرد اورا  
 زن چہ راشاید؟ آن را کہ بری بر سر چاہ      در چہ اندازی و کس نہ کہ بگیرد اورا  
 مارگیری را ماری ز سر کیسہ بگست      گفت: ہل، تا برود، ہر کہ بگیرد اورا

## دیگر

ای برادر، پند من بشنو، اگر خواہی صلاح      بر معاش خویش بر قانون خود کن یک مدار

مرد باش و ترک زن گو، کاندین ایام ما  
 وراسیر شہوتی، باری، کنیزک خربزر  
 این قدر دانی کہ چون خیزی بوقت بامداد  
 و ربکس رغبت نداری، برگذر زو، بر حقی  
 شیوہ اہل زمانہ پیشہ کن، بگزین غلام  
 در زنداز بہر تو دامن بگاہ کار زیر  
 روز و شب دوزندہ خصم وعدو باشد بتیر  
 ہم حریف و ہم قرین و ہم ندیم و ہم رفیق  
 تابود باطبع تو باوی بزی با سنگ و سیم  
 زن نخواہد ہیچ مرد با تمیز ہوشیار  
 سر و قدی، ماہروی سیم ساقی، گل عذار  
 رویال خویش بینی بہ زردی و امدار  
 کند و یکس نفع می بینی، کدورت صد ہزار  
 در حضر بی بی و خاتون، در سفر اسفندیار  
 در زند در صف کین خود را بگاہ کار زار  
 سال و مہ باشد جماع و بوسہ رپیشت چویار  
 ہم غلام و ہم کنیزک ہم پیادہ، ہم سوار  
 در زدل گردد مزاجت ہست از زر عیار

اپنی حرمان نصیبی میں کہتا ہے:

ہر بلائی کز آسمان آید گرچہ بر دیگری قضا باشد  
 بزمین نارسیدہ می گوید خانہ انوری کجا باشد

عہد عنفوان شباب میں انوری کے والد اوحہ الدین محمد کا انتقال ہو گیا۔ اسے ورثہ میں زر کثیر ملا، تھوڑے ہی عرصہ میں ساری دولت شراب و شاہد بازی کی نذر ہو گئی۔ مفلسی میں ساز و سامان بھی ختم کر ڈالے۔ بالآخر شعر گوئی اور مدح سرائی کو اپنا شعار بنایا۔ زمانے کی ستم ظریفیوں کو سہتا رہا۔ ایک دن تاج الدین عمزاد اپنی نے کسی بات پر اسے طعنہ دیا اور اس کے بہت سے عیوب فاش کر ڈالے۔ انوری طنز و تشنیع کے نشتر کو برداشت نہ کر سکا اور ایک طویل ہجویہ مثنوی نظم کرنا شروع کی جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

جندا کیر قاضی کیرنگ آنکہ دارد ز سنگ خارہ سنگ

ہجو قاضی کیرنگ کے عنوان کے تحت ۱۲۸ ابیات میں قاضی مذکور کے عضو تامل کی تفصیل ہے اور اس کے بعد چھ اشعار پر مشتمل ایک غزل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ پھر ”حدیث عمزاد و دخترش و ذکر قاضی کیرنگ“ کے ذیل میں قاضی کی بیوی اور اس کی بیٹی کی اس ضمن میں گفتگو نظم کی گئی ہے۔ ماں بیٹی کا مکالمہ پندرہ ابیات پر ممتوی ہے، اس کے بعد ”نامہ“

دختر عمزاد بقاضی“ کے عنوان سے ۱۵۹ ابیات ملتے ہیں جن میں اس کی بیٹی نے بڑے حشو و زوائد کے ساتھ اپنے ستر عورت اور خاص خاص اعضا کا دلپذیر نقشہ کھینچا اور نہایت عمدہ تشبیہات و استعارات کو بروی کار لا کر قاضی سے مجامعت کی استدعا کی۔ پھر ”در مذمت کون خود گوید دختر عمزاد“ کے عنوان سے انوری نے قاضی کی بیٹی کے سرین کی تفصیل بیان کی ہے۔ ۱۱۸ ابیات میں اس کے سرین کی تعریف و مذمت ہے، قاضی کی بیٹی قاصد کے ذریعہ خطر روانہ کرتی ہے۔ جب قاصد قاضی کے پاس پہنچتا ہے تو دونوں میں گفتگو ہوتی ہے۔ ۱۳۲ ابیات ”بہم رسیدن قاصدان و باہم راز گشادن“ پر محیط ہے۔ جب لڑکی کا قاصد آدھار استہ طے کر چکا تو اسکی قاضی کی بیوی کے قاصد سے ملاقات ہوئی دونوں نے ایک دوسرے سے حظ لیکر پڑھا۔ پھر آگے بڑھے، وہاں پہنچ کر قاضی سے ملاقات ہوئی اور تخیلہ کی درخواست پر قاضی حجرے میں گیا تو ان دونوں قاصدوں کے حیرت کی انتہا نہ رہی اور پوچھا کہ یہاں یہ دو شخص کون کون ہیں؟ قاضی نے جواب دیا کہ ایک تو میں ہوں اور دوسرا میرا عضو تناسل جو تمہیں میری ہی مانند ایک دوسرا آدمی دکھائی دیتا ہے:

گفت کیرنگ مرد شہجان را آنکہ بفرزند از خوشی جازا  
منم از قاضیان مشار الیہ وان دگر کیرماست عز علیہ

جب انوری اس قدر ابیات لظم کر چکا تو اس کے احباب نے سفارش کی کہ اب اس سے آگے نہ بڑھے اور قطعہ کلام کرے۔ ان احباب کی خاطر داری میں انوری نے اس مثنوی کو نا تمام ہی چھوڑ دیا۔ اس مثنوی کے ابیات اتنے نحش، مبتذل اور نازیبا ہیں کہ انہیں نقل کرنا تہذیب و اخلاق کے منافی ہے۔

انوری کے اشعار اور خصوصاً قطععات میں ہجویات کی فراوانی اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اپنے اکثر معاصرین سے اس کے تعلقات کشیدہ تھے لہذا اس نے ہم عصر دانشوروں، باوقار لوگوں اور اصحاب دیوان وغیرہ کی ہجویات لکھیں۔

انوری کے دیوان میں چند ہجویں انوری کی بیوی اور بیٹے کی بھی پائی جاتی ہیں۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ انوری کو ہجو کا ایسا چسکا پڑ گیا تھا کہ بیوی اور بیٹے کو بھی نہ چھوڑ سکا لیکن غالباً دوسرے شعرا نے یہ ہجویں لکھ کر اس کے دیوان میں داخل کر دیں اور چونکہ عوام اسکی دشمن

تھی اس لیے وہ اسی طرح قائم رہ گئیں۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ فتوحی مروزی نے انوری کے نام سے بلخ کی جو ہجو لکھ کر مشہور کر دی وہ آج تک انوری کے دیوان میں داخل ہے، حالانکہ ابوالحسن فراہانی شارح قصائد انوری نے تصریح کی ہے کہ وہ ہجو فتوحی مروزی نے لکھی تھی۔

انوری کی ہجویات کی نیش زنی اور زہر افشانی اس کی بلندی طبع اور قادر الکلامی کے ثبوت

ہیں۔



## جمال الدین محمد بن عبدالرزاق اصفہانی

جمال الدین اصفہانی قرن ششم کا ایک محترم شاعر اور معروف قصیدہ گو ہے۔ اس کی عمر کا بیشتر حصہ اصفہان میں گذرا۔ جمال الدین نے اصفہان کے وزراء، رؤسا اور ممتاز شخصیات کی مدح و ستائش کی ہے اور اپنے عہد کے سلاطین و امرا کی مدح میں قصیدے نظم کیے ہیں۔ جمال الدین کے دیوان کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی زندگی خوش حال نہ تھی اور ہمیشہ زمانہ اور فلک سے اپنی جرماں نصیبی کی شکایت کرتا رہا ہے۔ اس نے فکر معاش میں آذربائجان اور مازندران کا بھی سفر کیا۔ سفر میں اسے مصیبتوں اور تنگیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ قصیدہ مطلع ذیل میں جمال الدین نے سفر کی صعوبتوں کا ذکر کیا ہے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے:

اگر شکایت گویم ز چرخ نیست صواب      اگر عتاب کنم با فلک چہ سود عتاب

سفر کو مفتاح الظفر کہا گیا ہے لیکن یہ کامرانیوں جمال الدین اصفہانی کے نزدیک جوئے سراب کی مانند نایاب رہیں۔

جمال الدین اصفہانی نے ہجو گوئی کی تاویل اس طرح بیان کی ہے:

مرا خود نیست عادت ہجو گفتن      کہ کردستم طمع زین قوم کوتاہ  
معاذ اللہ کہ من بکس را کنم ہجو      ز مدح گفتہ نیز استغفر اللہ

اگر در شعر من زین پس یکی بیت ہجا گفتم      مرا معذور باید داشت چون آن بیت سخنوانی  
روا باشد ہجای آن کہ حق من کند ضائع      سخنوان آن لاسحب اللہ اگر قرآن ہمیدانی

جمال الدین اصفہانی اپنے ہم عصر بزرگ شعرا مثلاً خاقانی، انوری، رشید الدین و طواط، ظہیر فاریابی اور سید اشرف وغیرہ سے شعر بازی کیا کرتا تھا۔ ایسا ہی ایک قصیدہ اس نے خاقانی کو خطاب کر کے لکھا ہے، اس کی ابتدا میں اس کی مذمت کی گئی اور آخر میں مدح ہے:

کیست کہ پیغام من بشہر شروان برد      یک سخن از من بدان مرد سخندان برد

نہ ہر کہ دو بیت گفت لقب ز خاقان برد  
 کسی بدین قدر شعر نام بزرگان برد؟  
 ہیکس از زیر کی زیرہ بکرمان برد؟  
 مور کہ پای ملخ نزد سلیمان برد  
 کس گہر از بہر سود باز بہ عثمان برد  
 سحر کسی خود بر موسی عمران برد  
 پیر زنی خر سوار گوئی ز میدان برد  
 یا بہ بر ماہتاب خلعت کتان برد؟  
 بکعبہ اندر بتان ہیج مسلمان برد؟  
 کہ قوۃ ناطقہ مدد از ایشان برد  
 سجدہ بر طبع من روان حسان برد  
 کسی بپاید کہ ہر دو بزدان برد  
 کہ خود کسی نام ما ز جمع ایشان برد  
 اگر کسی شعر ما سوی خراسان برد

گوید خاقانیا این ہمہ ناموس چیست  
 کسی بدین مایہ علم دعویٰ دانش کند؟  
 تحفہ فرستی ز شعر سوی عراق اینت جہل  
 شعر فرستادنت بما چنانست راست  
 انظم گہر گیر تو گفتہ خود سر بہ سر  
 یانہ چنان دان کہ ہست سحر حلال این سخن  
 زشت بود روز عید گر ز پی چابکی  
 کس بہ بر آفتاب نور چراغ آورد؟  
 مسجد اندر سگان ہیج خرد مند است؟  
 ہنوز گویندگان ہستند اندر عراق  
 یک از اینشان منم کہ چون کنم رای نظم  
 من ز تو احمق ترم تو ز من ابلہ تری  
 من و تو باری کنیم ز شاعران جہان  
 وہ کہ چہ خندہ ز نند بر من و تو کو دوکان

جمال الدین اصفہانی کی ہجویات میں بیشتر وہ ہیں جو انہوں نے زمانہ کی ناقدردانی اور  
 فلک کے جور پیشہ ہونے کی ضمن میں نظم کی ہیں۔ جمال کے ایسے چند قصیدوں کے منتخب اشعار  
 اس باب کی تمہید میں نقل ہو چکے ہیں جن میں جمال نے زمانے کی گردش، عوام کی بے التفاتی،  
 اپنی مصیبتوں کی داستان اور دوستوں کے تغافل کو شرح و بسط کے ساتھ نظم کیا ہے۔  
 جمال الدین کو اپنے وطن سے بڑی محبت تھی اس کے باوجود کبھی کبھی اس نے  
 اصفہان کی شکایت بھی کی ہے اور اس شہر کے یہودی نژاد مسلمانوں کی ہجویں لکھی جن کے آباء  
 اجداد شخصی منفعت کی غرض سے مسلمان ہو گئے تھے لیکن اسلاف میں اب تک یہودیوں کی  
 خصالتیں موجود تھیں۔ قطعاً ملاحظہ ہوں:

چند گوئی مرا کہ مذمومت ہر کہ او ذم زاد بوم کند  
 آنکہ از اصفہان بود محروم میتواند کہ ذم روم کند؟

## ہجو وطن

زاد مرا خاک سپاہان و لیک خوی ندارد کہ پسر پرورد  
گرچہ شرر زاید از آتش ہی نیست بر آتش کہ شرر پرورد

## ما تم هنر اور ہجو اصفہان

زین گونه کہ شد خوار و فرمایہ هنر از جہل پس افتاد بصد پایہ هنر  
یارب توبہ فریادرس آن مسکین را کش خانہ صفاہان بود و مایہ هنر

## اصفہانیوں پر طنز

نیست شہری چو شہر اصفہان بحقیقت ز شہر ہای عراق  
کہ نہ بنی درو خاست و بجل کہ نیابی در و دروغ و نفاق  
خواجگان بنام ونگ درو ہر یکی حاکی علی الاطلاق  
ہمہ را خواجگی باستعداد ہمہ را سروری باستحقاق  
ہم دہندہ ہمہ ولی دشنام ہم خورندہ ہمہ ولیک اطلاق

جمال الدین نے گرچہ خود اپنے وطن اصفہان کی ہجو اور مذمت لکھی لیکن وطن دوست تھا اور اتنا زور درنہج کہ جب مجیر نے اس کے وطن پر کچھڑا چھالا تو اس کی اور اس کے استاد خاقانی کی ہجو میں فحش ترین الفاظ اور فقرے بھی استعمال کرنے سے درگزر نہ کیا۔ یہ اس کے حب وطن کی دلیل ہے۔ ہجو مجیر اور جوان جمال الدین، مجیر الدین کے بیان میں آئیں گے۔

## مقتدایان شہر

خواجگان را نگر برای خدا کاندراين شہر مقتدایانند  
ہمہ عالی و آنکہ از پی فضل لاف پیادہ نژاد خایانند  
ہر یکی در ولایت و دہ خویش کفش دزد و کلہ ربایانند  
خشک مغزان و لیک تر دامن تیرہ رویان و خیرہ رایانند  
چہ ستایش کنم گروہی را کہ ہمہ خویشتن ستایانند  
گر سواران بکار اشتر دل ریش کادان ریش کایانند

بسکہ شان چارپای کردستند  
 ہمہ چون ارہ تیز دندانند  
 آب رنگان آتشین طبع اند  
 لقمہ نزد جملہ فاضل تر  
 ہمہ از ہیج کمترند ارچہ  
 ای دریغا کہ صایعد از انک  
 من از انیان چہ طرف بر بندم  
 تیز درریش شان بخرواران  
 لاجرم جملہ چار پایانند  
 ہمہ چون تیشہ سرگرایانند  
 باددستان خاک پایانند  
 زانکہ در شرع رہنمایانند  
 از تکبر ہمہ خدایانند  
 نقشبندان و دلکشایانند  
 کہ ہمہ ہچومن گدایانند  
 درچہ ام جملہ آشنایانند

جمال کو کسی امیر نے شراب تحفہً بھیجی لیکن وہ اسے پسند نہ آئی اور شکر یہ میں یہ

اشعار لکھ بھیجے:

ای کریمی کہ دام منت را  
 بہ ہمہ وقت چون فرومانیم  
 گر بخدمت ہی رود <sup>تقصیر</sup>  
 از تو مارا شکایتیت لطیف  
 انچہ می بود کم فرستادی  
 لایق بخشش تویت ولی  
 اگر آزا شراب شاید خواند  
 کرم و بخشش تو دانہ ماست  
 کف زربار تو خزانہ ماست  
 عفو و حلمت کان بہانہ ماست  
 و آن نہ از تست کز زمانہ ماست  
 کہ ہمہ شہر پُر فسانہ ماست  
 در خورریش ابلہانہ ماست  
 چاہ ما پس شرانجانہ ماست

### شہر پُر آشوب

این چہ شہریت سراسر آشوب  
 باچنین شہر ستمی اللہ دوزخ  
 دین چہ قومند سراسر تلہیس  
 باچنین قوم عفا اللہ ابلہیس

### بخل خواجہ

من بندہ واسب ہر دو امروز  
 در مگر سگی بہ صبر کردن  
 بر در گہہ تو دو خواجہ تا شیم  
 ماہر دو درین دیار فا شیم

قدری جو، اگر دہی باسیم      مانیز طفیل اسب باشیم  
ور گندم بارہ دہی نیز      دریدہ چرخ خاک پاشیم

### افسردہ دلی

مرا ایزد تعالیٰ خاطر ہی داد      کہ دایم با فلک بودی عتابم  
بمعنی دادن بکر آنچنان بود      کہ با اوکان معنی بد خطابم  
بہر وقتی کز او کردم سوالی      نہادہ بود صد معنی جوابم  
کنون از بجل ممدوحان مسک      غلط بینم ہی با ادحسابم  
چنان پذیرفت رنگ بجل کزوی      بصد اندیشہ یک معنی نیابم  
زدم سردی این مشتی بخیلان      چنین سخ بندشد طبع چو آبم  
در ابر بجل و بی آبی نہان شد      درینا خاطر چون آفتابم

### بجل ممدوح

گفتم چو بستہ ام کمر بندگی تو      بہر میان خویش ز جوزا کرم خرم  
در خاطر م نبود کہ بر خوان دولت      نان آنگہی خورم کہ بخون جگر خرم  
لائق شناسی از کرم خود کہ بردرت      من جان بر ایگان دہم ونان بزر خرم

### زمانہ گذشتہ میں اصفہان کے لوگ

سگ بہ از مردم سپاہانت      بوفاق و وفا و پویہ و دم  
آنچنان مدخلان دون ہمت      ہمہ از عالم مردت گم  
ہمہ درندہ پوستین چوسگ      ہمہ مردم گزای چون کژدم  
زن و فرزند شان و بکجو زر      دل و جان شان و یکدم گندم  
این چہ نخلست و این چہ امساکست      ہم عنفی اللہ سگی مردم قم  
بچہ بتوان شناخت خرز ایشان      بدرازی گوش و گردی سم  
بس در بلیغ آیدم چنین شہری      بگروہی ہمہ چو در دی خم  
مردی اندر و مجوی از انک      ہمہ چیزی در دوست جز مردم

## ہجو ممدوح

یک کارد بخواستم ز تو روزی  
گفتی بدہم تو آن بمن واکن  
بعد از سه چهار ماه دی گفتی  
آن نیست برو سر سخن واکن  
گر ہجو کنی ہی قلم گیرم  
ورگوه ہی خوری دهن واکن  
این بد غرض تو تاکنم ہجوت  
سہلست تو جای نام زن واکن

## دیگر

اگر مدیحت گویم نیابم از تو عطا  
وگر نگویمت از من ہی بیازاری  
اگر ت گویم بخل واگر نگویم خشم  
چہ عادتست کہ تو میر خوارہ زن داری

## سوم چه فرمائی

بزرگوار در انتظار بخشش تو  
نمانده است مرا طاقت شکیبائی  
سہ چیز رسم بود شاعران طامع را  
نخست مدح و دوم قطعہ تقاضائی  
اگر بداد سوم شکر اگر نداد ہجا  
من آن دوگانہ بگفتم سوم چه فرمائی (۱)

## مزہبلہ دیو

تاکی ایدل تو درین مزہبلہ دیو  
خویشتن راز رہ عقل و خرد گم بینی  
برجہانی چه نہی دل کہ ز بس آزونیا  
موج آفت رابر چرخ تلاطم بینی  
چند ازین بی خردان خیرہ ملامت شنوی  
چند از این بی خبران ہرزہ تظلم بینی  
زین خسان بی سہمی چند مشقت یابی  
زین خران بی غرضی چند تکلم بینی  
درسرای چه نہی رخت کہ در ساحت آن  
فتنہ را تا باب گور اتصادم بینی  
سرہر باہنری زیر پی بی خردی  
پای ہر بی خردی بر سر انہم بینی  
دروی از ذرہ خاشاکی دردی یابی  
دروی از نیشتر پشہ تا لم بینی

(۱) - دیوان جمال، طبع تہران ص ۳۹۸۔ قطعہ کے آخری دو ابیات انوری اور کمال الدین اسمعیل پسر جمال الدین سے بھی منسوب ہیں۔ ممکن ہے انوری کے قطعہ کو جمال و کمال دونوں باپ بیٹوں نے انطباق خیال کی غرض سے لطم کیا ہو۔

ظاہر از نغمہ قمری ہمہ کو کوشنوی  
 آنچنان فتنہ دنیا مشوایدل کہ ز حرص  
 ژرف اگر در نگری بیشترین مردم عصر  
 دوستان راہمہ چون ز افراط نفاق  
 حاصل از نوبت سلطان ہمہ دمدم بینی  
 خارپشتی را در کسوت قائم بینی  
 سگ بی دم یابی یا خربیدم بینی  
 نوشی و نیشی اندر دم و بردم بینی

جمال الدین کی شاعری خالی از تکلف، روان اور سہل ہے۔ قصیدہ میں کبھی سنائی اور کبھی انوری کی پیروی کرتا ہے لیکن خولہ تقلیدی انداز ہو خولہ دیگر، کلام میں سادگی و روانی کی باگ ڈور مضبوط گرفت میں رہی ہے۔ اس نے قصیدہ، غزل، ترکیب بند، ترجیع بند، قطعہ اور رباعی تمام انواع شعر میں طبع آزمائی کی اور مدح و وعظ اور حکمت کے دوش بدوش، جواد ظرافت کے میدان میں بھی اپنی مہارت اور چابکدستی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کی ہجویں انوری، سوزنی یا سنائی کی ہجویات کی مانند مبتذل اور رکیک نہیں۔ جمال الدین کے ہاتھوں ہجو کی کسی حد تک تطہیر ہو سکی، جیسا کہ مذکورہ مثالوں سے ظاہر ہے۔

## خاتانی شروانی

حسان العجم افضل الدین بدیل (ابراہیم) بن علی خاتانی شروانی فارسی کا معروف و مشہور قصیدہ نگار محسوب کیا جاتا ہے۔ حسان العجم اور افضل الدین اس کا لقب ہے۔ اس کا باپ نجیب الدین علی مروی بڑھئی پیشہ (نجار) تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد اس کے چچا کافی الدین عمر نے اس کی پرورش و پرداخت کی۔ کافی الدین ایک اچھا طبیب اور فلسفی بھی تھا۔ خاتانی نے اس کی ربوبیت میں عمر کی پچیس منزلیں طے کیں۔ اس نے اپنے چچا زاد بھائی (کافی الدین عمر کا لڑکا) وحید الدین عثمان سے بھی تربیت حاصل کی۔ یہ اس کی ادبی و فلسفیانہ تحصیلات تھیں۔ فن شاعری میں خاتانی نے اپنے ہم عصر شاعر ابوالعلاء گنجوی کی خدمت میں زانوئے تلمذتہ کیا۔ ابتدا میں اس نے حقایقی تخلص کیا لیکن جب ابوالعلاء گنجوی نے اسے خاقان اکبر منوچہر بن فریدون شروان شاہ کے دربار میں متعارف کرایا تو اس نے خاتانی تخلص کرنا شروع کیا۔ ابوالعلاء گنجوی نے اس کی علمی قابلیت سے متاثر ہو کر اپنی لڑکی کی شادی بھی اس سے کر دی۔

خاتانی کے کلام سے اس کے علمی تفوق اور ادبی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تخر علمی کی وجہ سے ہی اس کے اشعار اس درجہ مشکل و مغلق ہو گئے کہ روانی و سلاست کا فقدان ہو گیا اور کلام کے افہام و تفہیم کے لیے تشریح و تفسیر کی حاجت ہوئی۔

خاتانی کی زندگی کچھ ایسی کامیاب نہ رہی اور اسے فراغت کے ساتھ جینا نصیب نہ ہوا۔ جوانی میں وہ مفلسی اور تنگ دستی کی مصیبتیں سہتا رہا اور تمام عمر ایسے جگری دوستوں کی آرزو میں ماتم گسار رہا جو غم و اندوہ کے موقع پر اس کی نمگساری کرتے۔ لڑکپن میں سر سے باپ کا سایہ اٹھا، پچیس سال کا ہوا کہ اپنے چچا کی باشفقت سرپرستی اور اس کی نوازشوں سے محروم ہوا۔ عمر کا آفتاب ڈھلنے کو ہوا تو اے ۵ھ میں اس کا جواں سال بیٹا شید الدین پچیس سال کی عمر میں مر گیا۔ ان مصیبتوں کے علاوہ خاتانی اپنی طبیعت کی آزادی، دربار کی عاجزانہ اور کورانہ خدمت سے بیزاری، سفر کرنے، دنیا اور دنیا والوں کو دیکھنے کی تمنا اور سب سے بڑھ کر اپنے مددحوں یعنی خاقان اکبر منوچہر اور اس کے بیٹے خاقان کبیر ابوالعلاء ظفر اہستان کے حاسد



حاشیہ نشینوں کے بھڑکانے پر ان کے عتاب کا نشانہ بنا۔ معاصرین شعرا کو بھی خاقانی کی عالم گیر شہرت ناگوار گذرتی تھی اور وہ حسد کی آگ میں جل کر مضرت رساں حرکتیں کیا کرتے تھے۔ خاقانی نے کئی مقامات پر ان حاسدوں کی مذمت کی ہے۔

### حاسدوں کی مذمت

ازدرون سوما فعلندوز برون طاؤس رنگ  
شبہت حوا نویسم تہمت ہاجر نہم  
چون ہماندک خورد کم شہو تم دانند و من  
بوالعلا را مستحل خوانم مبارک را محل  
قصہ کوتہ کن کہ دیوراہ زن را رہبرم  
چادر مریم ربایم پردہ زہرا درم  
چون خروس دانہ چین زانی و شہوت پرورم  
ہر دو معصومند و من با حفصتی بدعت گرم

### دیگر

من قرین گنج دایمان خاک بیزان ہوس  
دشمنند این ذہن و فطنت را حریفان حسد  
حسن یوسف را حسد بردند مثنی ناسپاس  
من ہی در بند معنی راست ہچون آدم  
چون میان کاسہ از زیر دلشان بی فروغ  
من عزیزم مصر حرمت را داین نامحرمان  
گر مراد شمن شدند این قوم معذورند زانک  
جرعہ خوار ساغر فکر من انداز تشنگی  
مغز شان در سر بیا شو بم کہ پیلند از صفت  
لشکر عاند و کلک من چو صرصر از سریر

من چراغ عقل و آنہار روز کوران ہوا  
منکرند این سحر و معجز را رفیقان ریا  
قول احمد را خطا گفتند جمعی ناسزا  
دین خران در چین صورت راست چون مردم گیا  
چون دھان کوزہ سیماب کفشان کم عطا  
غرزنان بر زنند و غرچکان روستا  
من سہیلیم کادم بر موت اولاد الزنا  
ریزہ چین سفرہ را زمند از ناشنا  
پوست شان از سر برون آرم کہ ملند از لقا  
نسل یا جو جند و نطق من چو صور اندر صدا

### دیگر

مثنی خسیس رتبہ کہ اہل سخن نیند  
چون ماہ نخشبند مزور از آن چو من  
از ہول صور فکر من اندر قیامتند  
چون طشت بی سرند چو در جنبش آمدند  
بامن قرآن کنند و قریبان من نیند  
انجم فروز گنبد ہرا نجمن نیند  
گرچہ چو اہل صور فلکندہ کفن نیند  
الاشاعتی و دریدہ دھن نیند

روز هنر غضنفر لشکر شکن نیند  
 جر کبش رنگ رنگ و شکال شکن نیند  
 مشو خلاف شان کہ جزا بلیس فن نیند  
 بر کن برو تشان کہ بجز گور کن نیند  
 وز کوی زندقہ بجز اہل فتن نیند  
 الاسزای کشتن و گردن زدن نیند  
 موران با پرند و سپاہ پرن نیند  
 زان گاہ امتحان بجز از منتحن نیند

گاہ فریب دمنہ افسون گرند لیک  
 چون ارقم از درون ہمہ زہرند وز برون  
 گویند در خلافہ ولی عہد آدمیم  
 گویند عیسی دیگریم از طریق نطق  
 از روی مخرقہ ہمہ دعوی دین کنند  
 چون شمع صبحگاہی و چون مرغ بیگہی  
 جمعند بر تفرق عالم ولی زضعف  
 وین جاہلان ملمع کارند و منتحل

خاقانی کے کلام میں سفر کی خواہش اور شروان کی شکایت کئی جگہ نظر آتی ہے خاص طور پر وہ حج بیت اللہ اور خراسان کے سفر کا بڑا اشتیاق رکھتا تھا جس کی اسے ممانعت کردی گئی تھی۔ ایک قصیدہ میں خاقانی نے سفر کی مذمت کی ہے۔ منتخب اشعار ملاحظہ ہوں:

موی در سر بہ طالع ہنراست  
 گفت کہ این دردناکی از سفر است  
 میخورم خون خود کہ ما حضراست  
 اکمہ از درد چشم کم ضرراست  
 فضل مجہول و جہل معتبراست  
 این تغابن ز بخشش قدراست  
 بوالفضول از جفاش زاستراست  
 کین او با پرند شو شتراست  
 جہل عالم بعالمی سمر است  
 کان شرفوان بخیر مشہراست  
 ہست ازان شہر کہ ابتداش شراست  
 کہ اذل شر و آخر بشر است  
 شرق و غرب ابتداشراست و غرب است

قلم بخت من شکستہ سراست  
 خواجہ چون دید درد مند دلم  
 ہان کجائی کہ میخوری گفتم  
 ابلہ از چشم زخم کم رنج است  
 جاہل آسودہ فاضل اندر رنج  
 سفلہ مستغنی و سخی محتاج  
 ہمہ جور زمانہ بر فضلاست  
 سوس را باپلاس کینی نیست  
 عالم از علم مشتق است ولیک  
 خاک شروان مگو کہ آن شراست  
 عیب شروان مکن کہ خاقانی  
 عیب شہری چراکنی بدو حرف  
 جرم خورشید راچہ جرم بدانک

دوران سفر خاقانی رے پہنچ کر ایک نئی مصیبت میں پھنس گیا۔ خراسان میں غزترکوں نے فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا پھر وائی رے نے بھی خاقانی کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ لہذا مجبوراً واپس ہو کر خاقانی نے رے کی ہجو لکھی:

چون نیست رخصه سوی خراسان شدن مرا	ہم باز پس شوم نکشم من بلائی ری
خاک سیاہ بر سر آب و هوای ری	دور از مجاوران مکارم نمای ری
در خون نشسته ام کہ چرا خوش نشسته اند	این خواندگان خلد بدوزخ سرای ری
آزرا کہ تن بآب و هوای ری آورند	دل، آب و جان ہوا شد از آب و هوای ری
نیک آدم بری بد من بین بجای من	ای کاش دانمی کہ چه کردم بجای ری
ای جان ری فدای تن پاک اصفہان	وی خاک اصفہان حسد توتیای ری

معلوم ہوتا ہے کہ خاقانی اہستان بن منوچہر کے حکم سے ۵۷۰ھ میں قید کر دیا گیا تھا۔ اس کی عمر اس وقت پچاس سال تھی۔ خاقانی جس و بند کی صعوبتوں کو اس طرح بیان کرتا ہے:

فلک کثر روتراست از خط ترسای	مرا دارد مسلسل راہب آسا
تم چون رشتہ مریم دوتائیت	دلیم چون سوزن عیسی ست یکتا
من اینجا پای بند رشتہ ماندم	چو عیسی پای بند سوزن آنجا
چنان استادہ ام پیش و پس طعن	کہ استادست الفہای اطعنا
علی اللہ از بد دوران علی اللہ	تیرا از خدا دوران تیرا
مراشتی یہودی . فعلی خصمند	چون عیسی ترسم از طعن مناجا
چہ فرمائی کہ از ظلم یہودی	گریزم بر در دیر سکویا

مکہ سے واپس ہوتے ہوئے جب خاقانی ۵۵۲ھ میں بغداد آیا تو اس سال سلطان محمد سلجوقی نے بغداد کا محاصرہ کر رکھا تھا اور عباسی خلیفہ المقتضی باللہ نے شہر کے بچاؤ کا انتظام کیا تھا۔ جمال الدین اصفہانی نے جو وائی موصل کا وزیر بھی تھا خاقانی کو خلیفہ کے حضور پیش کیا۔ خلیفہ نے اس کی بڑی عزت اور توقیر کی اور اسے اپنا دبیر مقرر کیا لیکن خاقانی بغداد اور بغداد والوں سے رنجیدہ تھا، اس لئے یہ عہدہ قبول نہ کیا اور اسی زمانے میں ایران واپس ہو گیا۔ خاقانی نے بغداد اور اہل بغداد کی کئی ہجو لکھی ہیں:

دی شبانگہ بغلط تابلب دجلہ شدم  
 بر لب دجلہ ز بس بوس لب نوش لبان  
 نازنینان عرب دیدم و رندان عجم  
 پیری از دور بیاید عجمی زاد و غریب  
 دهنش خشک و شگفتہ رخس از ابر مژہ  
 تشنگی بادیہ برده بلب دجلہ فقاد  
 آب برداشتن از دجلہ مگر زور نداشت  
 آبی از دجلہ چو بینم کہ بہ پیری نہ ہند  
 بیدرم لاف ز بغداد مزین خاقانی

با جگہ دیدم و نظارہ بتان حرمی  
 غنچہ غنچہ شدہ چون پشت فلک بروی زمی  
 تشنہ دل زار زود غرقہ تن از خستشگی  
 چشم پوشیدہ و نالان ز برہنہ قدمی  
 جگرش کرم و فسردہ تنش از سردمی  
 ست تن ماندہ و از ست تنی سخت غمی  
 کہ نوان بود ز لرزان تنی و پشت خمی  
 من ز بغداد چہ گویم صفت بی کرمی  
 گرچہ امروز بمیزان سخن یک درمی

خاقانی کو اپنی زندگی میں بڑی شکایت لوگوں کے حسد اور اس کی قدر و قیمت نہ  
 پہچاننے کی وجہ سے تھی۔ عمر بھر اس کی ہمت نہایت بلند رہی اور اس کا مقام و مرتبہ اس کی ہمت  
 سے بھی بلند تر تھا، اسی تضاد کی وجہ سے رنج اٹھاتا تھا۔ بد خواہوں کی سرزنش میں کہتا ہے:

نیست اقلیم سخن را بہتر از من پادشا  
 در جہان ملک سخن رانی مسلم شد مرا  
 من قرین گنج و انیان خاک بیزان حسد  
 من چراغ عقل و انہاروز کوران ہوا الخ

روایت ہے کہ ایک مرتبہ خاقانی کسی امیر کی محفل میں پہنچا۔ امیر نے اس کے شایان  
 شان تکریم و تحريم نہ کی۔ بیٹھنے کو بھی کوئی موزوں جگہ نہ دی۔ یہ بات خاقانی کو بہت ناگوار  
 گذری۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے قطعہ ذیل لکھا۔ اسی محفل میں پڑھا اور چلا آیا:

گرفروتر نشست خاقانی  
 نہ درانگ و نہ ترا ادب است  
 قل ہواللہ کہ وصف خالق ماست  
 زیرتبت یدابلی لہب است

### ہجو ممدوح

بس کن خاقانیا ز مدحت دونان  
 تا بچنین لفظ نام سفلہ زانی  
 ہرزہ واحسنت ہرزہ بود کہ گفتی  
 ناز سگانجان شیر شرزہ نجوی  
 ز آب خضر کام مارگرزہ نشوی  
 نذر کن اکنون کہ بیش ہرزہ نگوی

## اہل زمانہ کی شکایت

خون جگر خورم نخورم نان ناکسان  
 آدم ز جنت آمد و من در سفر شدم  
 در خون جان شوم نشوم آشنای نان  
 او در بلائی گندم و من در بلائی نان  
 ای چرخ ناسزا نبودم من سزای نان  
 منسوخ کرد آیت رزق از ادای نان  
 بر آسمان فرشتہ روزی بہ بخت من

## مذمت کیمیاگری و صنعت اکسیر

اولین امتحان سکندر کرد  
 بدعت فاضلان منحوس است  
 از ارسطو کہ بود خاص وزیر  
 این صناعت برای ہر تدبیر  
 بی نوای بدست فقر اسیر  
 ہوش فلسفہ است یا اکسیر  
 خس و فقر آن درو است دامنگیر  
 فلسفہ فلس دان و شیر شعیر  
 در ترزوی شرع و رشتہ عقل

## ہجو رافضیان

این رافضیان کہ امت شیطانند  
 از بسکہ خطا فہم و غلط پیمانند  
 بی دینانند و سخت بی ایمانند  
 خاقانی را جارچی میدانند

ابوالعلا گنجوی۔ خاقانی کا استاد اور خسر تھا۔ اس نے ہی اسے خاقان منوچہر کے دربار میں رسائی دلوائی لیکن حالات نے پلٹا کھایا اور استاد و شاگرد کے باہمی تعلقات خوشگوار نہ رہ سکے بلکہ معاملہ اس حد تک بڑھا کہ دونوں نے ایک دوسرے کی ہجو گوئی شروع کر دی۔ تحفۃ العراقین میں خاقانی نے اپنے حج کے حالات قلم بند کیے ہیں لیکن وہاں بھی وہ اپنے استاد پر چوٹ کئے سے باز نہیں آتا۔ چنانچہ کہتا ہے:

بہی سگ گنجہ را درین کو ہم سرخ قفا وہم سیہ رو

خاقانی نے ابوالعلا کی بہت سی ہجوس لکھیں: قطعہ ذیل ملاحظہ ہو:

ای شدہ خایہ چپ سلطان خایہ راستی عالم ہم  
گر بما خایہ کج کنی مارا خایہ راست بر شود بشکم

ابوالعلاججوی نے بھی زبان کھولی اور کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا:

خاقانیا اگرچہ سخن نیک دانا یکہ نکتہ گویمت بشنورا یکانیا  
ہجو کسی مکن کہ ز تومہ بود بسش شاید ترا پدر بود و تو ندانیا

ابوالعلاججوی درج ذیل ہجویہ قطعہ میں خاقانی پر کیے گئے احسانات کو گنواتا ہے کہ  
میں نے اپنی لڑکی تمہاری زوجیت میں دی۔ تمہارا استاد بھی ہوں، پھر خاقان کے دربار میں  
میں نے ہی تمہارا تعارف کرایا۔ اس کے بعد کہتا ہے:

بہ یزدان نکلتم کہ من کادم اورا اگر گفتہ ام نیست باللہ بیادم  
تو ہر دم بر من چہ جوشی چو آتش نہ تو آب و آتش نہ من خاک بادم  
بجای یکی رہ دو صد رہ گویم نکادم نکادم نکادم نکادم (۱)

آخری شعر تذکرہ دولتشاہ (۲) میں اس طرح مکتوب ہے:

بکفتم بکفتم بکفتم نکفتم نکفتم نکفتم نکادم نکادم نکادم

مجیر الدین بیلقانی خاقانی کا شاگرد تھا۔ مجیر اور خاقانی میں بھی نہ بن سکی۔ مجیر نے  
اپنے استاد کے ساتھ بے مروتی و کج خلقی کا شعار اختیار کیا، جیسا کہ خاقانی نے اپنے استاد  
ابوالعلاججوی کے ساتھ برتاؤ کیا تھا۔ مجیر نے اصفہانیوں کی ہجو لکھی لیکن طرز کلام اور روش  
وانداز خاقانی کا ہی تھا اس لیے فضلاء اصفہان نے اس کو خاقانی سے ہی منسوب سمجھا۔ چنانچہ  
شرف الدین شفر وہ اور جمال الدین اصفہانی نے مجیر و خاقانی دونوں ہی کی ہجو لکھیں۔ خاقانی  
اور مجیر کی باہم ہجو گوئی کا ذکر آگے آئے گا۔

رشید الدین وطواط، خاقانی کا دوست اور ہم عصر شاعر تھا۔ دونوں میں بڑی محبت تھی۔  
خاقانی نے اس کی مدح میں ایک زبردست قصیدہ لکھا اور تعریف میں بڑے لطیف نکتے پیدا کیے مثلاً:

(۱) - تذکرہ آتشکدہ آذر، ص ۵۲ - (۲) - تذکرہ الشعر ادولت شاہ، ص ۷۰۔

اگر بکوبہ رسیدی روایت سخت زہی رشید جواب آمدی بجای صدا

لیکن بالآخر خاتانی سے یہ دوستی بھی نہ نبھ سکی اور ان بن ہو گئی۔ خاتانی نے اس کی بھی کئی ہجوئیں لکھ ڈالیں۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

این گربہ چشمک این سگ غوری غمگ  
سگسارک مختک وزشت کافرک  
خرگوشک است جنس زن و مرد در دو وقت  
ہم حیض و ہم زناش گہی مادہ کہ نرک  
این پشم سگ کہ کیر سکش خوانم از صفت  
چون کیر سگ برہنگ و سرخ پیکرک

رشید و طواط نے ایک قصیدہ خاتانی کو چھیڑنے کی غرض سے ارسال کیا۔ خاتانی نے برافروختہ ہو کر جواب دیا:

چون جاہ پدید آرد دشمن کہ بداندیشد  
پس جاہ بتر دشمن زونیک تراندیشم  
دشمن بہ بدی گفتن جان ہم بزبان آرد  
برسود منم زان بد چون نیک دراندیشم

### دیگر

ای بخیلک سقط چہ فرستی بشہر ما  
باری ازین سپید و سیاہ اعتبار گیر  
بس کستہ ای و گرچہ چو کیری کلاہ دار  
کزدست جہل تو بدر کون نہم کلاہ  
خاتانی و حقائق طبع تو و مجاز  
ایجا مسیح و طوبی و آنجا خرد گیاه  
چندین سقاطہ ہوس افزای عمر کاہ  
یاد رہیہ سپید شب و روز کن نگاہ

خاتانی اپنی ذاتی قابلیت اور علمی صلاحیت کی بنا پر زمانہ اور ابنائے زمانہ سے بڑی بڑی امیدیں اور توقعات رکھتا تھا لیکن ان کے عدم حصول پر اسے اپنوں اور بیگانوں سے تکلیف پہنچی اور نتیجہ کے طور پر اس کی زبان و قلم نے شعلہ فشانہ شروع کر دی اور نہ صرف ابوالعلا گنجوی اور رشید الدین و طواط کی ہجو گوئی کی بلکہ امیر یوسف عزالدین سپہ سالار غزنین، پندار رازی، امیری، شہر زوری اور دیگر شعراء، امرا اور ابنائے زمانہ کو بھی تیر ہجا کے نیش سے مجروح کیا۔ خاتانی کی افتاد طبع ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ بلا جھجک کہتا ہے:

شبیت حوا نویسم تہمت ہاجر نہم چادر مریم ربایم پردہ زہرا درم

خاتمی کی پوری زندگی رنج و عسرت میں گذری اور دنیا نے اسے کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ خاتمی نے عمر بھر دینی اور اخلاقی مسلک کی پیروی کی اور عوام سے وفا اور راستی کا طالب رہا لیکن دنیا نے اسے کچھ نہ دیا:

ہجوگوئی میں خاتمی کا طرز اور انتخاب الفاظ بالکل ویسا ہی ہے جیسا مدح سرائی میں گرچہ جا بجا فحش الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔



## مجیر الدین بیلقانی

ابوالکارم مجیر الدین بیلقانی توابع شروان کے مقام بیلقان کا باشندہ تھا۔ اس کا لقب مجیر ہے۔ اس کے معاصروں نے بھی اسے اسی لقب سے یاد کیا ہے۔ شرف الدین شفر وہ کہتا ہے:

ہجو میگوئی ای مجیر ک ہان \_\_\_\_\_ تا تر ازین ہجو بجان چہ رسد (۱)

اشیر الدین انہی کہتا ہے:

از برای خدای خواجہ مجیر \_\_\_\_\_ کاروانہای شعر من چہ زنی

خاقانی نے بھی بیت ذیل میں لفظ مجیر کو مقلوب استعمال کیا ہے:

دیو رجیم آنکہ بود دزد بیانم \_\_\_\_\_ گردم طغیان زد از ہجای صفہان

اس کی زندگی کے ابتدائی احوال معلوم نہیں ہیں لیکن یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ اس نے ادبی و شعری تحصیلات خاقانی سے حاصل کیں۔ مجمع الفصحا جلد ۱، ص ۱۱۵ میں ایسا ہی منقول ہے اور خاقانی کے کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ اتابک ایلدگز کی طرف سے مجیر اصفہان کا صوبہ دار مقرر ہو کر وہاں آیا۔ ایلدگز کے تقرب کی وجہ سے مجیر شاعروں کا محسود ہو گیا اور مجیر کی ان سے نبھ نہ سکی۔ لیکن وہ خود چونکہ اس عہدہ کا اہل نہ تھا اس لیے اصفہان والوں نے اس کی پروانہ کی اس بات سے مجیر کو بڑا رنج ہوا اور اس نے ہزل میں اصفہانیوں کی ہجو لکھی:

رباعی

گفتم ز صفہان مدد جان خیزد \_\_\_\_\_ لعلی ست مروّت کہ ازان کان خیزد  
کی دانستم کابل صفہان کورند \_\_\_\_\_ با این ہمہ سرمہ کز صفہان خیزد

(۱)۔ یہ شعر جمال الدین اصفہانی سے بھی منسوب ہے، دیوان جمال، مطبوعہ تہران، ص ۳۰۰۔

## دیگر

نہ اہل صفہاں ونہ بد عہدی شان  
عیسیٰ دی ای مجیر دامن درکش  
درکار ہنرستی دلی جہدیشان  
زین قوم کہ دجال بود مہدیشان

ایسے ہی کچھ اور شعر:

صفہاں خرم و خوش می نماید  
ولی زین زاغ طبعان کابل شہرند  
بسان پر شہر آرای طاؤس  
نجس شد بال خوش سیمای طاؤس  
چو طاؤس ست واینان پای طاؤس  
یقین میدان کہ مجموع صفہاں

ان اشعار کی وجہ سے اصفہان کے لوگ اور بھی برہم ہو گئے اور وہاں کے اکابر  
واقاضل کے غیض و غضب کی انتہا نہ رہی۔ شرف الدین شفر وہ سے استاد عاکی گئی کہ مجیر بیلقانی  
کی ریک ہجویں لکھی جائیں۔ شرف الدین شفر وہ نے مجیر کی رباعی کے جواب میں کہا:  
شہری کہ بہ از جملہ ایران باشد  
سرمہ چہ کنی کہ از صفہاں باشد  
کی لایق ہجو چون تو کشیمان باشد  
میل تو بہ میل است و فراوان باشد

اسی سلسلہ میں جمال الدین عبدالرزاق اصفہانی کو یہ گمان ہوا کہ مجیر نے یہ ہجو خاقانی  
کے اشارے پر لکھی ہے۔ چنانچہ اس نے مجیر اور خاقانی دونوں استاد شاگرد کی ہجو لکھ ڈالی:  
ہجو میگوئی ای مجیر ک ہان  
در صفہاں زبان نہادی باش  
چند گوئی کہ در دقایق طبع  
کیر در کون گنجہ و تغلیس  
تیز در ریش خواجہ خاقانی  
تاترا زین ہجا بجان چہ رسد  
تاسرت را ازین زبان چہ رسد  
خاطر اہل اصفہان چہ رسد  
تابہ شروان و بیلقان چہ رسد  
تابتو خام قلمبان چہ رسد

ایسی ہی ایک اور ریک اور فحش ہجو جمال الدین نے نظم کی ہے:

زاؤل کہ نفس ناطقہ را از شعاع عقل  
پستان خویش دردھن شاعران نہاد  
ایزد بہ لطف خویش وہ بہ رحمت بیافرید  
تاہر کسی بقدر فصاحت ہی مکید

وز بہر آینکہ دیر تر آمد مجیر دین شیرش نماوندہ بود پس اندر دہانش...

جب خاقانی کے کانوں تک یہ ہجو پہنچی تو اس نے رفع اشتباہ کے لیے اصفہان کی مدح میں اپنا وہ مشہور قصیدہ لکھا جس کا مطلع ہے:

نکہت حوراست یا صفای صفاہان جہت جوزاست بالقای صفاہان

اسی قصیدہ میں کہتا ہے:

جرم زشاگرد پس عتاب براستاد اینت بد استاد اصدقای صفاہان

جب مجیر الدین قزل ارسلان کی جانب سے مستقل طور پر اصفہان کا حاکم بن کر آیا تو جمال الدین اس کے خوف سے روپوش ہو گئے۔ لیکن پھر جب قلب کو اطمینان ہوا تو ملاقات کر کے عذر کی درخواست کی۔ مجیر نے اسے معاف کر دیا۔

دکتر ذبیح اللہ صفا، آذر بائجان کے دانش مندوں کے احوال بیان کرتے ہوئے ہفت اقلیم تالیف امین احمد رازی کی روایت نقل کرتے ہیں کہ مجیر کو اصفہان سے تعصب کی وجہ سے ۵۸۶ھ میں اوباشوں نے قتل کر دیا (۱)۔ ہدایت مجیر کا سال وفات ۵۷۷ھ بتاتے ہیں لیکن دوسرے منابع مثلاً سخن و سخنوران وغیرہ میں ۵۶۸ھ، ۵۸۶ھ، ۵۸۹ھ اور ۵۹۳ھ اس کی تاریخ وفات یا قتل درج ہے۔ دکتر صفا قرآن کی روشنی میں ۵۸۶ھ ہجری کو ہی درست تسلیم کرتے ہیں۔

مجیر الدین آذر بائجان کے میں شمس الدین ایلدکز (۵۵۵-۵۶۸ھ)، نصرت الدین جہان پہلوان محمد بن ایلدکز (۵۶۸-۵۸۱ھ ہجری) و قزل ارسلان عثمان بن ایلدکز (۵۸۱-۵۸۷ھ ہجری) کے درباروں سے وابستہ رہا۔ ان کے علاوہ رکن الدین ارسلان بن طغرل سلجوقی (۵۵۵-۵۷۱ھ ہجری) اور سیف الدین ارسلان کی مدح میں بھی قصیدے لکھے۔ مجیر الدین، خاقانی کا شاگرد تھا (جیسا کہ بیان ہو چکا ہے) لیکن بعد میں کچھ ایسے ناخوشگوار اتفاقات اور افسوسناک واقعات ہوئے کہ وہ استاد کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا اور بالکل اسی طرح مجیر نے بھی خاقانی کی ہجو کی جس طرح خاقانی نے اپنے استاد ابوالعلاء گنجوی کی ہجو کی تھی۔ خاقانی کی مذمت میں مجیر کا قطعہ ذیل لائق توجہ ہے:

تاریخ ادبیات در ایران: دکتر ذبیح اللہ ص ۳۲۵

معنی چو پشت آئینہ خیزد سیاہ رو  
 حل کردہ ام بہ آہ چونخ طلق عافیت  
 زاؤل دوروی و معجب و ملعولش خواست حق  
 دعوی کند بہ قطبی و بی نام ہجو قطب  
 برپای خویش تیشہ زند تا بہ زعم من  
 می خواندش زمانہ براہیم خانہ کن  
 گر نیست بر خلاف خلیل اللہ ای عجب

گر طبع تیرہ آئینہ سازد سکندر ش  
 تادر شوم بآتش کین باسندر ش  
 زان آفریدہ ناقص و کوتاہ و اشقر ش  
 کردش نکشتہ کس بہ جزاز لغش دختر ش  
 بیند زمانہ ہمد پور درد کرش  
 تاخوند پور آذر شروان برادرش  
 ریحان طبع من زچہ شد آذرش

مجیر کی ہجو کا یہ انداز ہے:  
 بہ صحرا سخت خوب آمد بہ چشم  
 ندانم ریش داری یا نداری  
 اگر ریش آوری ریشت بکونم

قبای چابک و زلف نکونت  
 زبونت کردہ خط یا شد زبونت  
 وگر ہجوں منی کیرم بکونت

مجیر کی شاعری اور ہجو گوئی میں خاقانی کے زبان و سبک کی پیروی ملتی ہے۔ زمانے کی  
 ناسازگاری اور حرماں نصیبی کا مجھ نے بھی رونا رویا ہے۔ نقش و پست الفاظ سے اس کی ہجویات  
 پاک نہیں ہیں۔

## کمال الدین اسماعیل اصفہانی

خلاق المعانی کمال الدین اسماعیل ابن جمال الدین محمد عبدالرزاق اصفہانی ساتویں صدی ہجری کے مشہور شاعروں اور قصیدہ سراہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس شاعر کی زندگی میں خونخوار مغلوں کے ہاتھوں اصفہان کے باشندوں کے قتل عام کا خون واقفہ پیش آیا۔ بہت سے بزرگوں اور دانشمندوں کی طرح کمال بھی اس ہنگامے میں اصفہان سے فرار ہو گیا اور دنیا بھر کی مصیبتیں اور زمانے کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرتا آخر کار ۶۳۵ ہجری میں مغول کی بے پناہ شمشیر کا شکار ہو ہی گیا۔

کمال نے حملہ مغول کے وحشتناک دور کا مشاہدہ کیا تھا اور اپنی آنکھوں سے ۶۳۳ ہجری میں اصفہان میں قتل و غارتگری دیکھی تھی، اس سلسلے میں کہتا ہے:

کس نیست کہ تا بر وطن خود گرید      بر حال تباہ مردم بد گرید  
دی بر سر مردہ ای دو صد شیون بود      امروز یکی نیست کہ بر صد گرید

دولت شاہ (۱) نے کمال کے قتل کی ایک داستان بیان کی ہے۔ مرتے وقت کمال نے رباعی ذیل موزوں کی اور اپنے خون سے دیوار پر لکھ دیا:

دل خون شد و شرط جانگدازی اینست      در حضرت او کمینہ بازی اینست  
با این ہمہ ہیج دم نمی باید زد      شاید کہ مگر بندہ نوازی اینست

کمال نے گذری ہوئی عمر، روزگار کی شکایت اور پند و نصیحت میں نہایت پُر اثر قصیدے لکھے ہیں۔ مثلاً ایک قصیدہ میں کہتا ہے:

جہان بکشم و آفاق سر بسر دیدم      بر دی اگر از مردی اثر دیدم!  
درین زمانہ کہ دل تنگی است حاصل او      ہمہ کشایشی از چشمہ جگر دیدم  
بنالم ار کسی از بدھمی بنالد از آنک      ز روگار من از بد بسی تر دیدم

(۱) - تذکرہ دولتشاہ، ص ۹۷ و مجمع الفصحا، ج ۱، ص ۳۸۹-۳۹۴ و آتشکدہ آذر ص ۱۸۶-۱۹۶

کمال نے شعر و شاعری کو ایک فضول عمل بتایا ہے۔ اس نے شعر کی کساد بازاری، لوگوں کی وحشت اور بے مہری کا شکوہ کیا ہے۔ اس موضوع پر ۱۲ اشعار پر مشتمل یہ ایک طویل قصیدہ ہے جو مطلع ذیل سے شروع ہوتا ہے:

پچشم عقل نگہ میکنم ہمین و بیار      ز شاعری بتر اندر جہان ندیدم کار

دماغ سوزی و جگر فگاری کے بعد جب نظم تیار ہوتی ہے تو اس کا یہ انجام ہوتا ہے:

چو شد تمام برد نزد تمام خری      کہ خود نداند کان شاعر است یا بیطار  
بس آنکھی چو برو خواند و بوسہ داد زمین      کز استماع فتد بلعد فتی بسیار  
برون کندش از خانہ چون سگ از مسجد      خسیس مرتبت و خوار عرض و بی مقدار  
یکیش خام طمع خواند و یکی بی نفس      یکیش کلنگی گوید یکیش جوزی خوار  
وگر بوعدہ بخشش بافقا الحال      خلاف عادتشان آتشی جہد ز چنار  
بران امید کہ کارش بر آید آن مسکین      بقدر از ہمہ کاری بر آید اول کار  
خلاف وعدہ خود امکان ندارد اما او      در انتظار ترود فتد مہی سے چار  
نہ این طمع بتواند برید از وعدہ      نہ آن جرم بگوید بترک وہ دنیا  
درین تقاضا وہ قطعہ پیش نظم افتد      کہ عرضہ کردن ہر یک ازان بود ناچار  
بس آنکہ از پی دفع صداع آن روزی      فرا کنند کسی را کہ کار او بگذار  
دو نیست نام عطا باشد و ادا پنجاہ      کمینہ غبن ہمین پس دگر ہمہ بگذار

بعض اشعار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو اس معنوی درد و غم کے سوا  
بسمانی تکلیف بھی ستایا کرتی تھی اور وہ اپنے باپ کی طرح درد چشم کی وجہ سے راتوں کو سو  
نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ کہتا ہے:

جانم ز درد چشم بجان آمد از عذاب      یارب چہ دید خواہم ازین چشم در دیاب  
گویند مشک ناب شود خون بروزگار      دیدم پچشم خویش کہ شد مشک خون ناب  
کمال اسماعیل کے متعلق علامہ شبلی اس طرح رقم طراز ہیں: (۱)

”شاعری پر سب سے بڑا احسان کمال کا یہ ہے کہ شاعری کی یہ صنف (یعنی جنو

(۱) - شعر العجم از علامہ شبلی نعمانی، ج ۲، ص ۱۶۔

اور ظرافت) جو انوری اور سوزنی وغیرہ کی وجہ سے بچوں کی زبان بن گئی تھی کمال نے اس کو نہایت لطیف اور پر مزہ کر دیا اور اگرچہ بہتر تو یہی تھا کہ یہ بیہودہ صنف سرے سے اڑادی جاتی لیکن ہجو شعر کا ایک بڑا آلہ تھا جس سے ان کے معاش کو تعلق تھا اس لیے وہ اس سے بالکل دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔

امر اور سلاطین جب صلہ دینے میں لیت و لعل سے کام لیتے تھے تو کمال ہجو اور ظرافت کو بروئے کار لاتا تھا لیکن اس طرح کہ خود اس شخص کو مزا آجائے جس کی ہجو لکھی گئی ہے۔ کمال کو کسی نے برا کہا تھا۔ اس کے جواب میں کہتا ہے:

شخصی بد ما بہ خلق میگفت ما از بد او نمی خراشیم  
مانیکی او بہ خلق گفتیم تاہر دو دروغ گفتہ باشیم

محقق طوسی کا مشہور قطعہ زیرین اسی قطعہ سے ماخوذ ہے:

نظام بی نظام ارکافر م خواند چراغ کذب را نبود فروغی  
مسلمان خوانمش زیرا کہ نبود سزاواری دروغی جز دروغی

ایک رئیس سے تقاضائے صلہ میں کمال نے کیا خوب جدت پیدا کی ہے:

بزرگوارا در انتظار بخشش تو نمانده است مرا پیش ازین شکیبائی  
سہ رسم بود شاعران طامع را یکی مدح و دوم قطعہ تقاضائی  
اگر بداد ثنا و گرداد ہجا ازین سہ گانہ دو گفتم دگرچہ فرمائی (۱)

ہجو گوئی کی ضرورت اور غایت پر کمال نے قطعہ ذیل میں ایک عالمانہ نظر ڈالی ہے:

چہ آن شاعران کو بناشد ہجا گو چہ شیری کہ چنگال و دندان ندارد  
خداوند امساک راہست دردی کہ الا ہجا ہیج درمان ندارد  
چو نفرین بود بولہب را ز ایزد مرا ہجو گفتن پشیمان ندارد  
اگر ہجو گوئی درین گردن من کہ ہرگز زبانی بہ ایمان ندارد  
حروف ہجا گر بخوانند از اول کس اندر جہان خود دبستان ندارد

(۱)۔ یہ قطعہ کچھ اختلاف کے ساتھ دیوان انوری مطبوعہ تہران میں بھی ملتا ہے۔

اشعار ذیل میں کمال نے رفتار زمانہ کی سچی عکاسی کی ہے:

دور دور سفلا کانت و خسیسان جلد باش	وای آن مسکین کہ او قصد معالی میکند
زشت ترکاری درین لیم نیکو کاری است	نیک بخت آنکہ رای بد سگالی میکند
جاہلی رادست می بوسند اندر دست حکم	فاضلی درپای ماچان پایمالی میکند
ہر کجا اسراف نادان در تنعم یافتی	زیر کی آنجا فغان از بی منالی میکند
یوسنی را میکند ہفدہ درم گردون بہا	گرگ بین کہ دعویٰ صاحب جمالی میکند
کاروان اجوان مردان فراوان میرسند	از جوان مردان جہان زان عرصہ خالی میکند

### دیگر

نا نیست درین جہان و آبی	از دیدہ آدمی نہانی
این را صفت است لایذوقون	آن راستم است لن ترانی

### ہجو

زمزد قانی باور کنم اگر گوید	کہ من بخانہ خود می خورم طعام حلال
نہ آنکہ مال حلاست مزد قانی را	کدام مال کہ او دارد و کدام حلال
ولی نہ ممسکی آنگاہ نان خویش خورد	کز اضطراب مراد را بود حرام حلال

کمال کا بڑھاپا تلخی میں گذرا۔ اس عہد کے حکمرانوں نے اس پر بڑی سختیاں کیں۔ شہاب الدین جس کی مدح میں اس کے کئی قصیدے ملتے ہیں جب اس سے ناراض ہوا تو اس پر کچھ جرمانہ عائد کر دیا۔ ضیاء الدین جو اس کا افسر ماتحت تھا اس جرمانے کی وصولیابی میں جبر و تشدد پر اتر آیا۔ کمال نے اس رویہ کے خلاف احتجاج کیا اور کئی معذرتی قصیدے لکھے۔ مگر حکومت کے رویہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ وصولی میں زیادہ سختی ہونے لگی۔ اس کے گھر پر سپاہی متعین کر دیئے گئے۔ کمال نے ایک قصیدہ میں درخواست کی کہ اس ناروا پابندی کو اٹھالیا جائے۔ جب یہ بھی بے اثر ثابت ہوا تو اس نے ایک نہایت شاندار ہجو ضیاء الدین کی لکھی، جس میں اسے چوہا قرار دے کر عجیب و غریب مضمون پیدا کیے:

آدم با حدیث موش کہ او کرد خبث درون خود اظہار



خود بیاندازم از بغل گر بہ  
 گر بہ ای روزہ دار بود آموش  
 موش چون منقلب شود شومست  
 ہر کجا موش اژدہا گردد  
 بخدای کہ او ز عطشہ خوک  
 واجب القتل کرد مو شان را  
 کنم از ماجرای موش اظہار  
 ہم فریبندہ، ہم سبک طرار  
 شومی او اثر کند ناچار  
 عندلیبان شوند بویتار  
 موش را کرد در جہان دیدار  
 و ربود شان درون کعبہ قرار

اس کے علاوہ بھی ضیاء الدین (موش) کی بہت سی ہجوئیں دیوان کمال میں ملتی ہیں۔  
 کہیں اس کے بخل کی ہجو ہے، کہیں اس کے ظلم اور مکرو فریب کی اور کہیں اس کی ظاہر داری اور  
 ریاکاری پر چوٹیں کسی گئی ہیں۔ مثلاً:

شیری کہ مغز چرخ ز بانگش نغان کند  
 شیری کہ مردگان ہمہ از بیم در پند  
 شیری کہ چون ز منقبہ سفلی کشاد یافت  
 شیری کہ زیر دامن چرخ از کند بجور  
 شیری کہ روزگار بدان امتحان کند  
 کز رخ صور صدمت خود را خبان کند  
 در سنگ خارا قوت ز خموش نشان کند  
 شیریش از دماغ زحل خون روان کند

### ہجو خواجہ اسحاق رئیس الوزرا

اگرچہ صد فخر الدین کریمست  
 و لیکن تا بنزد او رسیدن  
 بجز در شہر ری جای ندیدم  
 کہ کمتر بخشش صد گنج باشد  
 ز در باشد مرا صد رنج باشد  
 کریمی را کہ در بان ہج باشد

### مدوح کی بخالت کا تمسخر انگیز پیرایہ بیان

بزرگا سرورا از روی انعام  
 چوندھی کاغذ بہ شاعران را  
 بہ بخشش فرق کن نیک و بد شعر  
 بدہ آخر بہای کاغذ شعر

قطعہ ذیل میں کمال نے ہجو گوئی کا ایک نیا انداز اور تمام ہجو گو شعرا سے انوکھا راستہ  
 اختیار کیا ہے۔ انداز بیان اور اظہار خیال کی فنکاری قابل صد داد و تحسین ہے:

آنکے	از سخت نشد	ہرگز سیر	نہیں	آ	شکم	خواجہ	فلان
وانکہ	بر خیز نشد	ہرگز خیر	نہیں	آ	قلم	خواجہ	فلان
وانکہ	روی از نظر کس نہ نہفت		نہیں	آ	حرم	خواجہ	فلان
وانکہ	چشمش ز طمع لغش	بدید	نہیں	آ	درم	خواجہ	فلان
وانکہ	افزون ز ہمہ جبرانت		نہیں	آ	ستم	خواجہ	فلان
وانکہ	شوم ست بر ارباب هنر		نہیں	آ	قدم	خواجہ	فلان
وانگران	نہیں	مبارک بر ہیچ	نہیں	آ	عدم	خواجہ	فلان

## ہجو

گشت	یکبارہ	حضرت	خواجہ
روز بازار	فضل بود	و شدست	
خیمہ او	مگر ز پار دم	است	
نی غلط	میکنم	کہ حضرت او	
مصر جامع	شده	است	زانکہ درد

## ہجو حاسدان

این چنین	دون و بد گہر	کہ تویی
مردمان	سوی مردمی	یارند
عقل	را جای در دماغ	بود

ایک بار کسی ظالم باشاہ سے ناراض ہوا تو اس طرح بددعا کی:

ای	خداوند	ہفت	سیارہ
تا	درد کوه	را چودشت	کند
عدد	مردمان	بہزاید	

## دیگر

شہی بخوان	تو حاضر	شدم	بماہ	صیام
نخفت	چشم من	آشب	ز اشتیاق	لمعام

ز روز روزه بنود هیچ فرق آتش را  
ز بهر آنکه میفتاد اتفاق طعام  
سحر نیز بوقت خودم نیا وردند  
وصال روزه معین شد از فراق طعام

### دیگر

ای صدری که در یارای دانش  
کند کلک تو دایم در فروشی  
مکن سستی چنین در کار خادم  
چو خواهد کرد با این سخت کوشی  
جوابش بازده تا من نگویم  
جواب احمقان باشد خموشی

### هجو مدوح

قطعه نزد تو فرستادم  
التماس دران حقیر و قلیل  
التماس نداشتی مبذول  
تا تو گشتی خفیف و بنده ثقیل  
قطعه بس مبارکست الحق  
که از دمن گداشدم تو بخیل

### دیگر

ای ز ظلم تو همچو لاله ستان  
گشته از خون تو جهانی سرخ  
شکل تو در قبای سرخ چنانک  
پر که آگنده جامدانی سرخ  
یا چو در جامه کشته و مرده  
کرده آماس ترکمانی سرخ  
در لحاف توهرشی نرسپند  
قجه، زرد و قلتبانی سرخ

### دیگر

همچو ابریت دست خواجه فلان  
خود کراستی آبخان باشد  
بخان ابر کز ترشح آن  
تشنه را قطره در دهان افتد  
لیک ابری گران سایه فگن  
که ازو خلق را زبان افتد  
نور گر آفتاب می زاید  
نگذارد که بر جهان افتد

### دیگر

خواجهگانی که پیش از این بودند  
عرض خود داشتند نیک نگاه

زروسیم جہان ہی دادند      تا نگویند شان حدیث تباہ  
 خواجگانی کہ اندرین عہد اند      باہجا گوئی خویش تنکہ و گاہ  
 بزبان فصیح می گویند      ہر چہ خواہی گوی ہیچ مخواہ

### دیگر

نکشتہ ہیچ مرادی مراز تو حاصل      درلیخ در سرکار تو رفت ہر دو جہان  
 چنانکہ شعر من از خدمت تو ضائع شد      خدای سعی تو ضائع کناد در دو جہان

۱۲۵، ابیات پر مشتمل ایک مثنوی رئیس لبنان شہاب الدین عمرو بن شجاع اللبنانی کی  
 ججو میں کمال نے نظم کی اور جتنی بھی گالیاں ممکن ہو سکتی ہیں یا زبان و قلم جہاں تک یاری  
 کر سکتے ہیں انہیں صفحہ قرطاس پر لانے میں کوئی تاہل نہیں کیا۔ مثنوی کا آغاز ان ادبیات سے  
 ہوتا ہے:

تا زبانی بکام جنبان است      در شای رئیس لبنان است  
 چہ رئیس آن خیس پر تلپیس      مایہ ظلم و سایہ ابلیس  
 آنکہ نامش ز نیک پیدا نیست      در بدی و دلش ہمتا نیست  
 آنکہ او پیشوای دزدان است      سر و سرخیل زن بمزدان است  
 مرد کی زشت روی کندہ بغل      پای تا سرہمہ دروغ دغل  
 طبع او لوم و شکل نامعلوم      قہقہش شوم و سیرتش مذموم .. الخ

اسی طرح ایک مزدقانی کی داڑھی کی ججو میں ایک طویل نظم لکھی ہے جو مطلع ذیل  
 سے شروع ہوتی ہے:

آن ریش فلان مزدقانی      ریش است عظیم پاستانی

ایک قصیدہ میں ممدوح کے لیت و لعل کی شکایت کی ہے، ردیف "ہیچ" ہے اور بڑی  
 بے تکلفی کے ساتھ ادا ہوئی ہے۔ آمد کا اتنا زور ہے کہ روانی میں کوئی فرق نہیں آتا:

صدرا روا مدار کز انعام خود مرا      محروم ماندہ داری و آن را بہانہ ہیچ

هر روز بامداد کنم رو بدرگهت  
چندین هزار تیر معانی و شست طبع  
پنجاه سال خدمت این خانه کرده ام  
گر مستحق هیچ نیم من ، بدین هنر  
از طالع است اینکه من و آفتاب چرخ  
زانم نمیدهی که ترا در خزانه نیست  
بر منج امید من از وعدهای تو  
یک دل پر از امید و پس آنگه شبانه هیچ  
کردم کشاده و ماند از و بر نشانه هیچ  
و امروز نیست همراه من جز فسانه هیچ  
پس نیست مستحق عطا، در زمانه هیچ  
مشهور عالمیم و بر آن آستانه هیچ  
یعنی کریم را نبود در زمانه هیچ  
و اسیست بس شگرف و دران داندانه هیچ

### مذمت فضل و دانش

هر کو به هنر کند مباحات  
از فخر سیاه رو چو کلکست  
باشد چو قلم تہی و عریان  
انگشت محاسبانه دارد  
یا فخر آرد بفضل و خامه  
و ز پشت شکسته همچو نامه  
پشت و شمشک زبان و جامه  
زان باشد رز و رخ شامه

### دیگر

چو عادتست که ابنای دهر در هر قرن  
بدان گرو بپاید گریست کز پس ما  
کرم بلاف ز عهد گذشته واگویند  
حکایتی کرم از روزگار ما گویند

### مذمت منجم

تو بعلم نجوم فخر کنی  
چیت علم نجوم جز ژاژی  
گاه گوئی که آن صولب آمد  
علم شرع است و علم هر چه جز اوست  
نیست خالی منجم از ذلت  
بس عزیز است مرد دانشمند  
گرچه سربفلک برد این علم  
گوئی این اصل علمها آمد  
کالت و سازتر کدا آمد  
گاه گوئی که آن خطا آمد  
حقیقت همه بها آمد  
ورچه مقبول بادشاه آمد  
ورچه درویش و بی نوا آمد  
ورچه با طبع آشنا آمد

حاصلش چست جز شمار دو قرص کز کجا رفت و از کجا آمد

### مذمت اصفہان

اندیشہ بکردم از سپاہان دوزخ بہ چار چیز خوشتر  
انواع عذابہای دوزخ آنجا ہمہ ہست و چار دیگر  
تیار عیال و خرچ بسیار اندیشہ درد و بیم کافر

کمال نے مختلف وزرا و امرا کو ان کے بخل کی وجہ سے مردود و ملعون قرار دیا۔ گھوڑے سے متعلق کمال کی ہجو گوئی اور مزاح آرائی بڑی دلچسپ ہے جو آئندہ اوراق میں بیان ہوگی۔ کمال نے ہجو گوئی میں توازن پیدا کیا اور زہر و شکر کی ہم آہنگی سے اس صنف کو قابل قبول بنا دیا۔ کمال کی ہجویات کے ڈانڈے ابتداء و فحاشی سے الگ ہو کر مزاح اور سچی ظرافت کی سرحدوں سے جا ملتے ہیں، گرچہ اس کے یہاں بھی جا بجا مبتذل اور فحش الفاظ کا استعمال ہوا ہے لیکن عام فارسی ہجو گوئیوں کی مانند ابتداء و رکاکت کی کثرت و فراوانی نہیں۔ گویا کمال نے فارسی ہجو گوئی میں طہارت و پاکیزگی کی نخستین سنگ بنیاد ڈالی۔

## سلجوقی اور خوارزم شاہی عہد کے چند قابل ذکر ہجو سرایان

عہد سلجوقیہ و خوارزم شاہیان میں اشیرالدین آنخسکی، عمیق بخارائی، ادیب صابر، دہقان علی شطرنجی، سدیداعور اور حکیم کوشلکی وغیرہ کی ہجویات بھی قابل توجہ ہیں، چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اشیرالدین آنخسکی رشیدالدین وطواط کا ہم عصر شاعر تھا۔ رشید کی ہجو میں کہتا ہے:

آن منخت رشیدک وطواط      جہل را ہجو و علم را بقراط  
گر بدوزخ حدیث کیرکنند      خویشتن را در افگندز صراط

سدیداعور کی ہجو اس طرح کرتا ہے:

قلب تو ز نور معرفت عور چراست      بنی تو بر روی تو چون کور چراست  
ابلیس اگر نیستی ای مردک زشت      پس راست بگو چشم چیت کور چراست

سدید نے یوں جواب دیا:

گفتی تو مرا کورو ہمہ خالق شنید      گفت تو چہ حاجت هست چون هست پدید  
چشم دگرم کور بدی شایستی      ناروی تو قلتبان نبایستی دید

اشیرافضل الدین طبیب کی ہجو میں کہتا ہے:

افضل الدین ما جناعت طب      نیک داند ہی کثیر و قلیل  
چون رود در وثاق بیماری      ختم یسین ہی رود بدو میل  
او ز در پای نانہادہ برون      کہ در آید ز بام عزرائیل

نجم قزوینی کی ہجو میں اشیر کے اشعار ذیل بڑے ہی دلچسپ ہیں:

احتمی را نسبتی بودی سوی قزوینیان      نجم قزوینی سبل کرد آن سخن بر خویشتن  
گر کسی گوید کہ در طب مرشد قانون کہ ساخت      پیر سالوسی بتر کی یا ہر گوید کہ من  
ور کسی پرسد کہ استاد بنی در خط کہ بود      نجم قزوینی بزانو در جہد گوید کہ من  
اوستوان گر چنین باشند کان ہر دو بزرگ      ریش استادان عالم تازخ در کون من

شہاب الدین عمیق بخارائی نے سوزنی کے ساتھ معرکہ آرائی کی، سوزنی کی ہجو میں کہتا ہے:  
دوش در خواب دیدم آدم را دست ہوا گرفت اندر دست  
گفتم این سوزنی نبیرہ تست گفت ہوا بہ طلاق ارہست

عمیق کو رشیدی سے بگاڑ تھا لہذا اس نے خضر خان بادشاہ کے حضور رشیدی کے اشعار کو بے نمک کہا۔ رشیدی نے جواب دیتے ہوئے کہا:

شعر ہای مرا بہ بی نمکی عیب کردی روا بود شاید  
شعر من ہجو شکرو شہد است و ندرین دو نمک نکوناید  
شلغم و باقلی است گفته تو نمک ای قلتبان ترا باید

خواجہ رشید الدین وطواط کے تعلقات جس طرح خاقانی سے کشیدہ ہو گئے ادیب صابر سے بھی اس کی نہ بن سکی اور یہ لوگ ایک دوسرے کی مذمت اور ہجو گوئی پر اتر آئے، شدید دینی اعتقاد کی وجہ سے علوم عقلی کے ماہروں اور فلسفیوں سے رشید نے دشمنی مول لے رکھی تھی۔ وہ حکمائے یونان کے مقالات پر تہمتا کرتا تھا اور اس کے ان حصوں کو قبول نہیں کرتا تھا جو مذہب سے موافقت نہ رکھتے تھے۔ حکمائے یونان کی کئی ہجویں رشیدی سے منسوب ہیں۔

دہقان علی شطرنجی کو سوزنی کا شاگرد بتایا جاتا ہے۔ اس نے فلسفی کی ہجو میں خوب طبع

آزمائی کی ہے۔ قطعہ ذیل ملاحظہ ہو:

مثل آنکہ او بود احمق مردمان فیلسوف دانندش  
مثل سگ بود کہ باشد کور مردمان جان و چشم خوانندش

روحی و لواجی ہجو گوئی اور ہزل سرائی میں یگانہ زمان تھا اور اس صفت کے ساتھ ات بڑی شہرت حاصل تھی۔ خود کہتا ہے کہ اگر زیر لب میں خدا کا نام ورد کرتا، تو دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ میں ان کی ہجو کہہ رہا ہوں۔ ہزل پیشہ ہونے کی وجہ سے ات سنت تکلیفیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ شرف الدین شفر وہ نے جمال الدین اسفہانی اور مجیر بیلقانی کی رکیک ہجویں لکھی ہیں۔ ان شعرا کے علاوہ حکیم جلال، ناصر ٹمس، وحشی بافقی، فلکی شروانی اور سران الدین اسفراینی بھی اس عہد کے قابل توجہ ہجونگار ہیں۔ تمام ہجو گوئیوں کی روش و سبک ایک ہی مزاج کی حامل ہے۔ اس لیے اشعار نقل کرنا بے محل معلوم ہوتا ہے۔



## ہجوگوئی از اواسط قرن ہفتم تا آغاز قرن دہم ہجری

اس عہد میں اخلاقی، اجتماعی اور معاشرتی ناہمواریاں اور ہجوگوئی

اوائل قرن ہفتم ہجری میں ترکستان کی طرف سے ایران پر استیلانے مغول حملہ چنگیز سے شروع ہوا۔ حملہ مغول سے قبل ہی سلجوقیوں کی سلطنت نے اپنی جگہ خوارزمشاہیوں کو دے دی تھی۔ سلسلہ خوارزمشاہی کا ایک معروف حکمران سلطان علاء الدین محمد خوارزمشاہ میدان کارزار میں ۶۲۸ ہجری میں مغلوں سے شکست کھا گیا اور حکومت خوارزمشاہی کا اختتام ہو گیا۔ مغلوں نے ایران پر اواسط قرن ہفتم تک حکومت کی۔ نصف صدی یعنی آٹھویں صدی ہجری کے نصف دوم میں مغلوں کی سلطنت کے انقراض کے بعد ایران کے مختلف حصوں میں حکمرانوں کے چھوٹے چھوٹے سلسلے وجود میں آئے۔ مثلاً جلایری، سرداری، آل کرت، مظفری اور قوہ قویونلو۔ پھر اوائل قرن نہم ہجری میں تیموریوں نے جو اصلاً مغلوں کے قرابتدار ہیں ایران میں اپنی سلطنت کی بنیاد رکھی اور دسویں صدی ہجری کے اوائل تک فرمان روائی کرتے رہے۔

فتنہ مغول اور حملہ تیمور تاریخ کا ایک جانگداز واقعہ ہے جو نہ صرف ایران میں ظاہر ہوا بلکہ ایشیا اور یورپ کے ایک وسیع حصے کی ویرانی و پریشانی کا باعث بنا۔ شمالی ایران کے تقریباً تمام شہر اور ان کے ساتھ ہزاروں دیہات اور قصبات غارت ہوئے اور ان کے مکینوں کا قتل عام ہوا۔ اس قتل و غارت اور تباہی و بربادی سے علوم و ادبیات کو ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ ان درندوں نے بے شمار علما و فضلا کو تہ تیغ کیا۔ مساجد و مدارس، متبرک و مقدس عمارتیں اور کتب خانے جن میں علوم و آثار کے بے شمار خزانے محفوظ تھے انہیں لوٹ کر نذر آتش کر دیا۔ ہر سمت وحشت و بربریت کا دار و درواہ ہو گیا اور کچھ اہل علم حضرات بچ بچا کر فرار ہو گئے اور روپوشی اختیار کر لی۔

شاعروں کے دواوین اور ادیبوں کے نثر پارے اس عہد کی حقیقتوں کو اہل نظر

پر روشن کرتے ہیں۔ اس عہد کے مذموم واقعات اور شرپسند اخلاقی حرکات نے ان شعرا کو بھی متاثر کیے بغیر نہ چھوڑا جن کی زندگی خانقاہوں یا گوشہ نشینی میں گذرتی تھی اور جنہیں مادی دنیا سے ربط و تعلق کم تھا۔ دل متاثر ہوا، بات نوک قلم تک پہنچی اور حقائق عوام پر منکشف ہوئے۔ دیو خصلت مغلوں نے قتل و غارت گری عام کر دی تھی۔ بیکس و مظلوم عوام کا خون ان کے لیے حلال تھا اور طرح طرح کی ذلیل اور غیر اسلامی حرکتیں انہوں نے عوام پر روار کھیں۔ ایلخان بزرگ کی موت (۷۳۶ھ) کے زمانے میں زندگی ایسی دشوار اور غیر محفوظ ہوئی کہ لوگ شہر و دیہات کو خیر باد کہنے لگے۔ امر او حکام کے اخلاقی فسادات پست ترین مقام تک پہنچ گئے اور تمام اخلاقی قدروں کا فقدان ہو گیا۔ انسانیت سرے سے مردہ ہو چکی۔ ان رنج و الم اور غم و اندوہ کو شعرا نے اپنے کلام میں پیش کیا۔ اس لیے کہ شاعر حساس ہوتا ہے اور باد صبا کا ہلکا جھونکا بھی اس کے قلب و ذہن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے اور اس کی فکر و تخیل میں تموج پیدا کر دیتا ہے۔ کچھ شعرا نے ان واقعات کی تصویریں جدی اشعار میں پیش کیں اور کچھ نے ہجویات، مطالبات اور ہزلیات کی راہیں اختیار کیں اور واقعات و حالات پر تنقیدیں کرتے ہوئے اصلاح کی تمنا کی، سعدی اور عبیدزاکانی نے اس طرح کی کامیاب کوشش کی۔

قتل و غارت اور ہلاکت و بربادی کا اثر سماج کے ہر طبقہ پر پڑا۔ ان کے فکر و خیال، قلب و ذہن اور رفتار و کردار سبھی متاثر ہوئے۔ عوام ان تکالیف یا قیامت صغریٰ کو لب بستہ دیکھتی رہی۔ جو لوگ سیاسی قسم کے تھے اور دنیوی جاہ و مرتبہ کے خواہان تھے انہوں نے حکمراں طبقہ کی ہم رنگی اختیار کر لی۔ ان کے اعمال و حرکات ع ”خواہی نشوی رسوا ہمرنگ جماعت شو“ کے مصداق تھے۔ ایک تیسرا گروہ بھی تھا جو درد کی تاب نہ لا کر تڑپ رہا تھا۔ درد کا بوجھ کہنے سننے سے ہلکا ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ نے تو نصیحت و تبلیغ کی راہ اختیار کی اور پند و موعظت کے ذریعہ دکھ نہ دینے اور دکھ برداشت کرنے کی تلقین کی اور کچھ نے تنقید و تنقیح کا حربہ استعمال کیا اور علی الاعلان طنز و ہزل اور شوخی و کنایہ سے مزین تنقیدیں اور ہجویات لکھنی شروع کیں۔ اس عہد کے استادان فن طبقہ سوم کے گروہ اول اور گروہ ثانی کے زمرے میں آتے ہیں۔ سعدی نے تبلیغ و ہدایت کا کام اپنے ذمہ لیا۔ سعدی کی ہزلیات کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں پر صرف اس کے خالص طنز و ظرافت اور ہجو گوئی کے سلسلے میں چند مثالیں پیش کر کے سعدی کے ہجو یہ میلانات کا اندازہ لگانا مقصود ہے۔ سعدی نے مشرق کی زندگی کا

اچھی طرح مشاہدہ کیا تھا۔ اس نے طنز کی حقیقی افادیت کو محسوس کیا اور طنز و تضحیک کے ذریعہ اپنے زمانے کی بیمار معاشرت کو صحت مند بنانے کی کوشش کی اور پورے طور پر کامیاب رہا۔ سعدی کی حیثیت ایک مصلح قوم و ملت کی ہے۔ اس کی تصانیف 'گلستان و بوستان' پند و نصیحت اور تہذیب و اخلاق سے متعلق حکایات اور مثنویوں پر مشتمل ہیں۔ ان کا مقصد تربیت اخلاق اور تہذیب و تزکیہ نفس ہے۔ گلستان میں جا بجا موزوں اشعار و شواہد بھی نظم ہوئے ہیں۔ گلستان و بوستان میں طنز کے نشتر اور ظرافت کی چٹکیاں موجود ہیں۔ کہیں کہیں نہایت لطیف چٹکے اور لطیفے بھی ہیں جن کے مطالعہ سے خفیف سی مسکراہٹ لبوں پر کھیل جاتی ہے۔ جب شیخ کے وطن شیراز میں امن و امان قائم ہوا تو شام سے عراق و عجم ہو کر شیراز پہنچے۔ قطعہ ذیل میں غریب الوطنی اور مراجعت کی وجہ بہ تصریح لکھی ہے:

ندانی کہ من در اقلیم غربت	چرا روزگاری بکردم درنگی
برون رفتم از تنگ ترکان کہ دیدم	جهان در هم افتاد چون موی زنگی
همه آدمی زاده بودند لیکن	چو گرگان بخونخواری تیز چنگی
چو باز آدم کشور آسوده دیدم	پلنگان رها کرده خوئی پلنگی
چنان بود در عہد اول کہ دیدم	جهان پر ز آشوب و تشویش و تنگی
چنین شد در ایام سلطان عادل	اتابک ابو بکر بن سعد زنگی

### مذمت بداندیش و خود غرض

حرامش باد بد عہد بداندیش	شکم پر کردن از پہلوی درویش
شکم پر زھر مارش بادہ کزدم	کہ راحت خواهد اندر رنج مردم

### مرثیہ 'ہجویہ'

برگ خواجہ فلان ہیچ کم نکشت جهان	کہ قائمت مقامش نتیجہ قابل
بگویمت کہ درو دانشی ست یا فضلی	کہ نیست در ہمہ آفاق مثل او جاہل
امید هست کہ او نیز چون پدر مہر و	ہیک نامی و مقصود امرہ حاصل

## توبہ

حریف عمر بسر بردہ در فسوق و فجور  
کہ توبہ کردم و دیگر گنہ نخواهم کرد  
بوقت مرگ پشیمان همی خورد سو گند  
تو خود دگر نتوانی بریش خویش مخند

شیخ نے فیشن پرست نوجوان لڑکوں کی خوب مذمت کی ہے:

روی زیبا و جامہ دیبا عرق و عود و رنگ و بوی دھوس  
اینہم زینت زنان باشد مرد را کیرد خایہ زینت بس

## ہجو حاکم بی رحم

خلق از برنجند و خدا نا خوشنود  
بی رحم نگوئی کہ چرای زائید  
لعنت بتومی بارد و بر گیرد جہود  
آن فجبہ کہ نہ مہ بتو آہستہ بود

ایک بار معین الدین پروانہ، ملک فخر الدین، نور الدین رصدی اور صاحب دیوان نے مجد الدین ہمگر سے خود اس کے، شیخ سعدی کے اور امای کے اضافی فضائل دریافت کیے۔ ہمگر نے ایک قطعہ میں جواب دیا کہ امای کا کلام نہ صرف اس کے اپنے کلام پر بلکہ شیخ سعدی کے کلام پر بھی قابل ترجیح ہے۔ ع: ہرگز من و سعدی بہ امای نرسیم۔ ہمگر، یہ دعویٰ خلوص نیت پر محمول نہیں کیا جاسکتا بلکہ ضرور کسی ذاتی غرض کی تحریک ہے مثلاً یہ کہ اسے امای کو خوش کرنا اور شیخ کو دق کرنا منظور تھا۔ شیخ کو جب خبر ہوئی تو رباعی ذیل میں اپنے دل کا بخار نکالا:

ہر کس کہ پیا یگاہ سائی نرسد  
ہمگر چو بھر خود نکرد ست نماز  
از بخت بدو سیاہ کائی نرسد  
عاری چہ عجب گر باہامی نرسد

اس رباعی میں ہجو کا نشتر بڑا ہی ملیح اور شدید ہے جو ہمگر کی ایک دوسری صفت کی طرف بھی نشاندہی کرتا ہے۔ رفتار زمانہ پر سعدی نے اس طرح چوٹ کسی:

در میر و وزیر و سلطان را  
سگ و در بان چو یاکند غریب  
بی وسیلت مگرد پیرامن  
این گریبان گرفت و آن دامن

سعدی کا میدان ہجو گوئی نہیں لیکن تربیت اخلاق اور تعلیم تہذیب کے سلسلے میں



کہیں کہیں سعدی ان حدود کو پھاند کر آفاقی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ سعدی کی ہزلیات و مضحکات نثر میں بھی دستیاب ہیں۔ شیخ کے دیوان میں تین مجلسوں میں تقریباً ڈھائی سواشعار پر مشتمل بہت سے لطائف و ہزلیات اور فحشیات بیان ہوئے ہیں۔

حافظ

حافظ کا زمانہ قیامت بدامان اور حشر انگیز تھا۔ حافظ نے اپنی غزلیات میں جا بجا حاکموں کے جور و ظلم اور مردم آزاری کی ہجویں لکھی ہیں۔ احوال کے تغیر پر خواجہ کی مندرجہ ذیل غزل طعن و طنز سے بھرپور ہے:

ہمہ آفاق پر از فتنہ و شرمی پنم	این چه شورست کہ در دور قمری پنم
مشکل اینست کہ ہر روز تبری پنم	ہر کسی روز بھی میطلبد از ایام
قوت دانا ہمہ از خون جگر می پنم	ابلہان را ہمہ شربت ز گلاب و قند است
طوق زرین ہمہ در گردن خرمی پنم	اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان
پسران را ہمہ بدخواہ پدر می پنم	دختران را ہمہ جنگ ست و جدل با مادر
ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می پنم	ہیچ رحمی نہ برادر بہ برادر دارد

قطعہ ذیل ایک قاضی اور ایک حاکم کی شکایت میں ہے۔ قاضی ایک رند ہے اور حاکم بیخرا ہے۔ آصف سے بادشاہ کا وزیر مراد ہے ”مفعول من یراد“ یعنی بد فعلی کرانے کا عادی ہے ”فعال ما یرید“ یعنی اتنا اقتدار حاصل ہو کہ جو چاہے کر گذرے:

آن کیست تا بحضرت سلطان او انکند	کز جور چرخ گشت شتر و گر بہا بدید
رندی نشسته بر سر سجاده قضا	خیری دگر بہ مرتبہ سروری رسید
آن رند گفت چشم و چراغ جہان منم	آن چیز گفت ہچو منی در جہان کہ دید
ای آصف زمانہ ز بہر خدا بگوی	با آن شہی کہ دولت او باد بر مزید
شاہار و امدار کہ مفعول من یراد	گردد بروزگار تو فعال ما یرید

مرد آزار انسان کتے سے بدتر ہے، ہم لقمہ انسان غداری کرے اور کتا وفاداری تو یہ انسان کتے سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔

سگ بر آن آدمی شرف دارد کہ دل مرد مان بیازارد

این سخن را حقیقتی باید  
 آدمی با تو دست در مطعوم  
 تا معانی بدل فرود آید  
 سگ ز بیرون آستان محروم  
 حیف باشد کہ سگ وفادار  
 و آدمی دشمنی روادار

اس عہد میں بہت سے ایسے شعر اپید ہوئے جنہوں نے اوضاع اجتماعی پر تکیہ کی  
 اور تلخ تنقیدیں کیں۔ ایسے شعرا میں ساتویں صدی ہجری کے ایک شاعر سیف الدین محمد  
 فرغانی کا نام قابل ذکر ہے جس نے اپنے کئی قصیدوں میں عوام کے سر پر آوردہ طبقوں کو، جن  
 میں اخلاقی فساد جڑ پکڑ چکا تھا، مورد لعن و طعن قرار دیا۔ ایسا ہی ایک قصیدہ مطلع ذیل سے شروع  
 ہوتا ہے:

چون بگذشت از غم دنیا بغفلت روزگار تو  
 دران غفلت بہ بیکاری شب شد روزگار تو

عوام کے مختلف طبقوں، شاہ سے لیکر درویش تک کے عیوب اور اخلاقی مفاسد کا ذکر  
 اس طرح کیا ہے:

لیا سلطان لشکر کش بشاہی چون علم سرکش  
 نہ دشمن را بریدہ سرچو خوشہ تیغ چون داست  
 خری شد پیشکار تو کہ دروی نیست بکبودین  
 چو آتش بر فروزی تو بہ مردم سو ختن ہر دم  
 چو توبی رای بی تدبیر اور اپیروی کردی  
 باطل چون تو مشغولی ز حق و خلق بی خشیت  
 بشادی میکنی جولان درین میدان نمیدانم  
 لیا ستور ہلمان دش کہ نمرودی شدی سرکش  
 چو مردم سگ سوری کن اگرچہ نیستی زیشان  
 بگرد شہر پیروزی شکاریت استخوان باشد  
 چو تشنہ لب از آب سرد آسان بر نمی گیرد  
 بہ ظلم انگیختی ناگہ غباری و ز عدل حق  
 ز خر طبعی تو مغروری بدین گو سالہ زرین  
 ایا مستونی کافی کہ در دیوان سلطانان

کہ ہرگز دوست یاد دشمن ندیدہ کارزار تو  
 خصمی را چو خرمن کوفت گرز گاوسار تو  
 دل خلعتی از و تنگ است اندر روز بار تو  
 ازان کان خس نہد خاشاک دایم بر شرار تو  
 تو در دوزخ شوی پیشین و از پس پیشکار تو  
 نہ خونی در درون تو نہ امنی در دیار تو  
 دران زندان غمخواران کہ باشد غمگسار تو  
 تو فرعونی و چون قارون بمالست افتخار تو  
 و گر نہ در کیمین افتد سگ مردم سوار تو  
 کہ کہدانی سگی چنداند شیر مرغزار تو  
 دہان از نان محتاجان سگ دندان فشار تو  
 ہمگی خواہیم بارانی بنشانند غبار تو  
 کہ گاؤ سامری دارد امل در اغترار تو  
 بجل و عقد در کار است بخت کامگار تو

چو در دیوان شہ گرد سیہ سر زردہ مار تو  
 کہ بی دینی ست دین تو دبی شرعی شعار تو  
 زن ہمسایہ ای آمن نبودہ در جوار تو  
 ز بی علمی تو چون گادی و نطق تو خوار تو  
 تو د جالی درین ایام و جہل تو حمار تو  
 عزیز تست خوار ما، عزیز ماست خوار تو  
 زبان لغو گوی تو دہان رشوہ خوار تو  
 چو سنگت راسبک کردی گران ز آنت بار تو  
 بازار قیامت در پدید آید خسار تو  
 بنزد ہر روان بازیست رقص خسوار تو  
 چہ گوئی ہچو گل تنہا بر نکست اعتبار تو  
 زدست جبر در بنداست پای اختیار تو

خلاق از تو بگریزند ہچون موش از گر بہ  
 یا قاضی حیلت گر حرام آشام رشوت خور  
 دل بیچارہ ای راضی نباشد از قضای تو  
 ز بی دینی تو چون گبری وزند تو بجل تو  
 چو باطل رادھی قوت ز بہر ضعف دین حق  
 کنی دیندار را خواری و دنیا دار را عزت  
 ترا بنیند در دوزخ بدندان سگان دادہ  
 آیا بازاری مسکین نہادہ در ترازو دین  
 تو گوئی سودھا کردم ازین دکان چو بر خیزی  
 یادرویش رعناوش جو مطرب با سماعت خوش  
 چہ گوئی نی روش لبجا بخرقہ است آبروی تو  
 بہانہ بر قدر چہ نہی قدم در راہ نہ گر چہ

اسی خوش فکر عارف شاعر نے اپنے معاصر شعر اکونالائق امرا کی مدح سرائی سے

اشعار ذیل میں اس طرح روکا ہے:

ہچو رو را کلف و آئینہ را زنگاری  
 بطمع نام منہ عادل و نیکو کاری  
 کمر خدمت او هست ترا زناری  
 خاصہ امروز کہ از عدل نماںد آثاری  
 وررہ راست روی ہچ نیابی یاری  
 اوست چون در نگری صورت معنی داری

مدح این قوم دل روشن تو تیرہ کند  
 ظالمی را کہ ہمہ سالہ بود کارش فسق  
 نیت طاعت او هست ترا معصیتی  
 ہر کہ ازین امرا مدح کنی ظلم بود  
 کثر روی پیشہ کنی جملہ ترا یار شوند  
 صورتند این امرا جملہ ز معنی خالی

سیف فرغانی نے قصیدہ ذیل میں اپنے عہد کے امراء عمال اور حکام پر شدید حملے کیے:

درین طبع پریشان او فقادہ  
 بدست این عوانان او فقادہ  
 چو کافر در مسلمان او فقادہ

غم چندین پریشان حال امروز  
 چو بستہ زیر پای پیل ملکی  
 نہادہ دین یکسو و ز ہر سو

ہمہ در آرزوی مال و جاہند  
شکم پر کردہ از خمر و درین خاک  
توانگر کز پی درویش دایم  
از انگشت سلیمان رفتہ خاتم  
زنان را گوی در میدان و چوگان  
رعیت گو سپندان این سگان گرگ  
زدست و پای این گردن زنانست  
کلاہ عزت اندر پای خواری  
باہ چون تو مظلوم افسر ملک  
بچاہ اندر چو کوران افتادہ  
ہمہ در گل چو مستان او فتادہ  
زرش بودی ز دامان او فتادہ  
ولی در دست دیوان او فتادہ  
زدست مرد میدان او فتادہ  
ہمہ در گو سپندان او فتادہ  
سراسر ملک ویران او فتادہ  
ز سرہای عزیزان او فتادہ  
ز فرق تاجداران او فتادہ

سیف فرغانی نے مغول عمال کے بے شمار ظلم و تعدی پر اس قسم کی بہت سی تند و تیز تنقیدیں نظم کی ہیں۔

خواجو کرمانی (متوفی ۷۵۳ھ) نے بھی اپنے عہد کے امرا پر سخت چوٹیں کیں۔ خواجو کی طنز آمیز تنقیدوں میں ان کے حقیقی حال اور کچے چٹھے کا پول کھلتا ہے۔ خواجو نے ایک قصیدہ میں وضع دوران، رواج ظلم و عدوان بے حساب، حاکمان وقت کے تشدد، مفلسوں اور غریبوں کی گرفتاری و بے چارگی اور گرسنگی و جور اور مواخذتوں کے تحمل و برداشت کی تفصیل و تشریح بیان کی ہے۔ منتخب اشعار ملاحظہ ہوں:

خلق دیوانہ و از محنت دیوان در بند  
خوک شکنند و حدیث از خر عیسیٰ رانند  
ہمچو شیطان ہمہ در غارت ایمان کوشند  
وین عجب ترکہ زد دیوان زردیوان طلبند  
دیو طبعند و ہمہ ملک سلیمان طلبند  
لیک این مان بترست از ہمہ کا ایمان طلبند

خواجو کرمانی نے ایک قطعہ صدر اجل صدر الدین سخا کی ہجو میں لکھا ہے۔ اس کا آخری بیت قابل ذکر ہے:

گشت سلطانی بہ سکبانی عوض شد سلیمانی بہ شیطانی بدل  
اوحدی مراغہ ای جس نے جام جم (مثنوی) نظم کر کے وزیر غیاث الدین محمد کے نام  
معنون کی، اس میں پند و نصیحت کے لباس میں اوضاع زمانہ پر روشنی ڈالی ہے اور امیروں،



وزیروں اور حاکموں کے تنظیم کا ذکر کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مہل ای خواجہ کاین زبون گیران	شہر واژون کنند و دہ ویران
قلمی راست کردہ درپس گوش	چشم بر خوردہ کسان چون موش
ہمہ مارند و مور، میر کجاست	مزد گیرند، دزد گیر کجاست
گوشت دھقان بہر دو ماہ خورد	مرغ بریان چریک شاہ خورد

---

## عبیدزاکانی

کمال الدین اسماعیل خلاق المعانی کے بعد نظام الدین عبید اللہ زاکانی (متوفی ۷۷۳ھ) سے بڑھ کر ایران میں ہزال پیدا نہیں ہوا، گویا خالص طنزیاتی ادب کی تخلیق کا کام فطرت نے عبیدزاکانی کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ عبید واحد مرد میدان ہے جس نے اخلاقی مقاصد کے لیے ہجو و ہزل کے ذریعہ فنکارانہ کامیابی کے ساتھ قلم اٹھایا۔ ہزار سالہ قدیم ایرانی ادبیات کی تاریخ میں کوئی شاعر و نویندہ عبیدزاکانی کے دوش بدوش نہیں کھڑا کیا جاسکتا جس نے اس مقصد کے لیے اس قدر زور طبع اور زور قلم صرف کیا۔

عبیدزاکانی کے مفصل حالات زندگی کم معلوم ہیں۔ براؤن (۱) کے مطابق عبید اصلاً ضلع قزوین کے قریہ زاکان کا رہنے والا تھا۔ اس نے شاہ ابوالحق کے عہد حکومت میں شیراز میں تعلیم پائی۔ مختلف فنون میں کامل دستگاہ رکھنے کی وجہ سے اپنے عہد کے فاضل ترین علما اور ادبا میں اس کا شمار ہونے لگا۔ اس نے رسائل و کتب تالیف کرنے کا کام شروع کیا۔ بعد از قزوین واپس چلا آیا۔ یہاں منصب قضا پر فائز ہوا اور چند نوجوان رئیس زادوں کا اتالیق بھی مقرر ہوا۔ ترکوں نے ایران میں اندنوں کسی بھی ممنوع اور قبیح فعل کو ناکردہ نہ چھوڑا تھا۔ اس کے ساتھ میل جول اور ربط ہونے کے سبب ایرانیوں کی فطرت و سیرت اس قدر متغیر اور فاسد ہو گئی تھی کہ جب عبید نے اس پر غور و خوض کیا تو سخت متغیر ہوا۔ اس نے لوگوں کو اصل صورت حال سے پوری طرح واقف اور ہر طرح خبردار کرنے کی بہر نوع کوشش کی اور اپنے زمانے اور عوام کے اخلاق فاسدہ کی تمثیل کے طور پر ایک رسالہ ”اخلاق الاشراف“ تالیف کیا۔ اس رسالہ کا مقصد محض ہزل نہ تھا بلکہ تالیف کی غرض ایسی ہجو تھی جو شدید اور متین طنز اور حکیمانہ تنبیہات پر مشتمل ہو۔ اس میں زمانہ کے اعلیٰ طبقے کی اخلاقی پستی کا صحیح نقشہ ملتا ہے۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہجو اور طنز کا بے مثال نمونہ ہے۔ پوری کتاب ایک دیباچہ اور سات ابواب: حکمت، شجاعت، عفت، عدالت، سخاوت، حلم و وفا اور حیا و صدق پر مشتمل ہے، یہ ایک شدید اور

(1)- E.G. Browne - A Literary History of Persia, vol.3, p.--

تلخ ہجو ہے۔ ہر باب میں پہلے زیر بحث خالق جمیل کے مذہب منسوخ یعنی مکروہ مسلک کا تصور پیش کیا جاتا ہے، پھر مذہب مختار یعنی معاصر لوگوں کے اختیار کردہ تصور سے بحث کرتا ہے۔ معاصرین کو ان کے نئے انکشافات پر طنز کے پیرائے میں آفریں کہتا ہے:

گر بنی آید و گر نہ، تو نکو سیرت باش کہ بدوزخ نہ رود مردم پاکیزہ سیر

پھر کہتا ہے:

بہ ہر مذہب کہ باشی باش نیکو کار بخشندہ کہ کفر و نیک خوئی بہ ز اسلام و بد اخلاقی

اسی طرح قزویں کے سربر آوردہ اشخاص (جن میں ہر ایک حماقت اور جہالت کا مجسمہ تھا) کے پیمانہ عقل اور درجہ علمیت کی تصویر کھینچنے کے لیے اس نے اپنے ”رسالہ دلکشا“ میں بہت سی حکایتیں نثر میں قلمبند کیں جن میں ہر ایک حکایت ارباب تمیز کے لیے ایک تازیانہ اصلاح کی حیثیت رکھتی ہے۔ اخلاق الاشراف میں اعلیٰ طبقہ (اشراف) کی اخلاقی زندگی کا نقشہ جو کچھ بھی ہے اس سے کہیں زیادہ درمیانی اور نچلے طبقہ کا اخلاقی دیوالیہ ہو چکا تھا جس کی تصویر رسالہ دلکشا میں ہے۔ عبید کی فکر کبھی کبھی وقت سے بہت آگے پرواز کر جاتی ہے۔ وہ طبقاتی نظام کی نا انصافیوں کو دیکھتا ہے اور اپنے باغیانہ تصورات کو اس مختصر سے رسالے میں الفاظ کے پیکر میں ڈھالتا ہے۔ اس رسالہ کی کہانیوں میں زندگی اپنی تمام کمزوریوں اور کٹافتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہو بہو آ جاتی ہے۔ بعضوں کو عبید کی جا بجا فحش گوئیوں سے شکایت ہے لیکن یہ تصویر معاشرت کی اصل اخلاقی زندگی کی عکاس ہے، مصور کی کوئی خطا نہیں۔

عبید کا رسالہ ”صدپند“ اور ”تعریفات“ مشہور بہ ”دہ فصل“ اس کے کمالات، تجربہ، علم و فن اور دنیوی حکمت کے مبلغ ہونے کا کافی ثبوت ہیں۔ صدپند کی تمہید میں کہتا ہے کہ اس تالیف کے محرک افلاطون کے وہ نصائح ہیں جنہیں اس نے اپنے شاگرد ارسطو کے لیے منضبط کیے تھے۔ یہ ایک سو نصیحتوں کا مجموعہ ہے جن میں بعض خالص مزاحیہ ہیں، بعض میں طنز ہے اور بعض میں سنجیدگی بھی۔ مشتق از خرداری:

(۱) سخن شیخان باور مکید تا گمراہ نشوید و بدوزخ نروید (۲) طعام و شراب تنہا مخورید

کہ این شیوہ کار قاضیان و جہودان باشد (۳) در کوچہ کہ مینارہ باشد و ثاق می گیرید تا از دور سر موذنان بد آواز ایمن باشید۔

عبید نے تعریفات میں اپنے زمانے کے معاشرے کے مطابق لوگوں کے اخلاق کا تجزیہ کیا ہے۔ اس تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض ظریف ہی نہ تھا بلکہ اسے اپنے زمانہ کے انسانوں کی اخلاقی کمزوریوں کا بھی پورا پورا علم تھا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) الدانشمند: آنکہ عقل معاش ندارد (۲) القاضی: آنکہ ہمہ اور انفرین کنند (۳) الخسیس: مالدار (۴) الشیخ: ابلیس، ملک الموت (۵) البانگ: آنکہ صوفیان را بوجد آرد (۶) الحجر: آنکہ بریش دنیا خندد (۷) الامام: نماز فروش (۸) الواعظ: آنچہ بگویند و نکلند (۹) العالم: بی دولت (۱۰) الخاتون: آنکہ معشوق بسیار دارد (۱۱) ذوالقرنین: آنکہ دوزن دارد۔

کلیات میں ایک مختصر رسالہ بعنوان ”ریش نامہ“ بھی ملتا ہے۔ اس کے لکھنے کا مقصد غالباً خالص مزاح ہے اس میں کوئی طنزیہ مقصد نظر نہیں آتا۔ رسالے کی ابتدا تو حمد سے ہوتی ہے مگر اصل قصہ کا آغاز اس طرح ہے کہ ایک رات مولانا عبید اپنے معشوق کے خیال میں (درکاشانہ باغم جانانہ) سخت پریشان اور بیتاب تھے کہ ناگہاں گھر کا ایک کوناشق ہو اور وہاں سے ایک ہیبتناک شکل برآمد ہوئی، ایسی کہ خدا خواب میں بھی نہ دکھلائے۔ یہ کون؟ — ڈاڑھی! ایک مصرع میں رنگ و روپ بیان کیا۔ ع:

سرخ و سپید وزرد و کبود و بنفشی و لعل  
چہ ریشی و چہ ریشی و چہ ریشی و چہ ریشی

”ریش نامہ“ میں بڑے استادوں کے اشعار میں تصرف کر کے ان کی خوب مٹی پلید کی گئی ہے۔ خوب رویوں کو ریش سے عارضہ دل خراش اور آفت جانکاہ کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ ڈاڑھی کو حسن و شباب کا فنا کنندہ قرار دیا گیا ہے:

ہر کرا ریش نیست چیزی ہست  
ریش ار نہ زشت بودی اندر بہشت بودی

آدم بہ بہشت بود تا امرد بود  
چون ریش بر آورد بروش کردند

گر ریش را بدی بچہان در فضیلتی  
اہل بہشت را ہمہ دادی خدای ریش

عبید کی یہ تمام تصانیف ہجو و ہزل اور طنز و تعریض کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ ان تمام غیر سنجیدہ نثری تالیفات کے علاوہ عبید نے ایک سنجیدہ رسالہ موسوم بہ ”علم معانی و بیان“ لکھا اور

بادشاہ کے حضور پیش کرنا چاہا لیکن درباریوں اور مصاحبوں نے اس سے کہا بادشاہ کو اس قسم کے خرافات کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر اس نے ایک عمدہ قصیدہ لکھا اور اسے بادشاہ کو سنانا چاہا لیکن اس بار بھی ان درباریوں اور مصاحبوں نے اسے بتایا کہ جہاں پناہ کو یہ پسند نہیں کہ شعر اور روغ، مبالغہ آمیز اور ملال انگیز خوشامد سے ان کو بے وقوف بنائیں۔ عبید نے کہا اچھا یہ بات ہے تو میں بھیجے غیرتی کی راہ پکڑتا ہوں کہ اس کے ذریعہ بادشاہ کی مصاحبت خاص تک رسائی پاؤں اور اس کے درباریوں اور مقربوں میں شامل ہو جاؤں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عبید بے دھڑک انتہائی بے شرمی کے اقوال اور پرلے درجہ کے ناشایستہ اور حد اعتدال سے بڑھے ہوئے ہزل زبان پر لانے لگا اور اس طریقے سے اس نے بے شمار عطیے اور ہدیے حاصل کیے۔ کسی شخص کو جرأت نہ تھی کہ اس کا حریف بنے۔ دربار شاہی میں باریابی سے ناامید ہونے پر عبید کہتا ہے:

در علم و هنر مشو چو من صاحب فن      تانزد عزیزان نشوی خوار چو من  
خواہی کہ شوی قبول ارباب ز من      کنک آور و کنکری کن و کنکرہ زن (۱)

اس کے ایک شناسا نے جب یہ رباعی سنی تو تعجب کا اظہار کیا کہ ایسا قابل اور لائق شخص علم و فضل اور تہذیب کو خیر باد کہہ کر ہزلیات اور خسائس میں مشغول ہو جائے۔ عبید زاکانی نے اسے قطعہ ذیل لکھ بھیجا:

ای خواجه کنن تا توانی طلب علم      کاند ر طلب راتب هر روزه بمانی  
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز      تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

عبید زاکانی کو اپنی ایک ہم عصر ظریف شاعرہ جہان خاتون سے اکثر مشاعرہ و مناظرہ ہوا کرتا تھا، شیخ ابوالفتح کے وزیر خواجہ امین الدین نے اسے بلا بھیجا۔ بڑے ناز و عشوہ کے بعد وزیر موصوف سے جہان خاتون شادی کرنے کے لیے تیار ہوئی۔ عبید نے اس شادی کے موقع پر قطعہ ذیل نظم کیا اور بے جھجک سماع نواز کیا اور وزیر سے بجائے سرزنش کے نوازشات حاصل کیے۔

(۱)۔ کنک امر و قوی جسہ کو کہتے ہیں۔ فرہنگ ناصری میں سند کے لیے سعدی کی جہیات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اسی فرہنگ کی رو سے کنکورہ یا کنکرہ ایک جم چھڑ بھیک مانگے کو کہتے ہیں جو گھر کے باہر کھڑے ہو کر ناقابل برداشت شور مچاتا ہے اور صاحب خانہ اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے اس کو کچھ بھیک دیدیتا ہے۔ کنکر ایک ہندوستانی موسیقی ساز کا نام ہے۔

وزیرا جہان قہر بی وفاست      ترا از چنین قہر تنگ نیست  
بروکس فراخی دگر را بخواہ      خدای جہان را جہان تنگ نیست

ڈاکٹر سید نبی ہادی (۱) نے اپنے ایک پر مغز مقالہ میں ایران کے اخلاقی مفکرین اور عبید زاکانی کے متعلق فرمایا ہے کہ ایران کے اخلاقی مفکرین کی تین قسمیں ہیں: اول خالص اخلاق پرست فلسفی۔ تہذیب اخلاق چونکہ فلسفہ کی ایک شاخ ہے لہذا صرف نصیر الدین طوسی صاحب اخلاق ناصری اور جلال الدین دوانی مولف اخلاق جلالی اس مکتب سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ دوسری قسم حقیقت پرست فلسفیوں کی ہے مثلاً کیکاؤس صاحب قابو نامہ اور سعدی وغیرہ اور تیسری قسم کے اخلاقی مفکرین محض نظری ہیں۔ عبید زاکانی اسی گروہ ثالث سے تعلق رکھتا ہے۔ عبید کو طنز بات و مضحکات کی طرف مائل کرنے میں داخلی اور خارجی دونوں قسم کے حالات کار فرما ہوئے۔ موصوف کی رائے میں نظریات آدمی کی دنیاوی ترقیوں میں ہمیشہ سنگ راہ ثابت ہوتے ہیں۔ علم و فضل کا کمال ثابت ہونے کے باوجود اسے خوشحالی نصیب نہیں ہوتی۔ حرماں نصیبیوں اور ناکامیوں کے شدید احساس کی جھلک عبید کے نفسیاتی پس منظر میں صاف نظر آتی ہے۔ خارجی سبب یہ ہے کہ عبید نے اپنے زمانے کی معاشرت پر افسردگی اور پڑمردگی چھائی ہوئی دیکھی۔ تاتاریوں کے حملہ و فساد اور غارتگری کے نشانات ابھی مندمل نہ ہوئے تھے۔ عبید نے مایوس اور مضطرب تمدن کو ہوش میں لانے اور بیدار کرنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے ملکی و معاشرتی ماحول پر سکوت اور موت کا سناٹا طاری دیکھتا ہے اور اپنے قہقہوں سے اس جمود و سکوت کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ایک فطری رد عمل ہے۔

عبید کی کلیات کے حصہ لفظ میں اشعار جدی اور مثنوی عشاق نامہ (بنام شاہ شیخ ابواسحاق انجم) سے قطع نظر ”موش و گربہ“ اور اشعار ہزلیہ و تضمینات عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ موش و گربہ کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ یہ چوہے اور بلی کی کوئی معمولی کہانی نہیں جو بچوں کے لیے لکھی گئی بلکہ اس میں کوئی خاص مطلب پنہاں ہے جس کو کچھ اس زمانے کے لوگ خوب سمجھ سکتے تھے۔ حال ہی میں سید یوشع صاحب نے مدراس کے سلسلہ اسلامی کے تحت عبید کا دیوان مرتب کیا ہے جس میں تقریباً دو سو صفحات ہیں۔ دیوان حمد و نعت سے شروع ہو کر رسمی قسم کے مدیہ قصائد، قطعات و غزلیات اور رباعیات تک پہنچتا ہے جس کے بعد اصلی متن میں ہزلیات تھیں

(۱)۔ علیگزہ میگزین، طنز و ظرافت نمبر۔

جن کو مرتب نے بقول خود بہت زیادہ فحش ہونے کی وجہ سے مرتبہ دیوان سے حذف کر دیا ہے۔ آخر میں مختصر مثنوی عشاقنامہ اور اس کے بعد مثنوی ”موش و گربہ“ ہے۔ اس کے متعلق موصوف نے آقای غنی زادہ (جن کی زیر ادارت شرکت کاویانی، برلن نے یہ منظوم قصہ موش و گربہ شائع کیا ہے) کے مقدمہ کا اقتباس درج کیا ہے۔ غنی زادہ تحریر فرماتے ہیں:

”این قصہ شیرین و دلچسپ کہ اصلاً معلوم نیست مقصود نویسنده از آن چه بود و شاعر کنایہ ای از وقایع جنگی آن زمان و کشمکشہای پادشاہان کوچک و گردنکشان قبائل متعددہ باہم گربہ باشد“۔

آقای غنی زادہ کا خیال ہے کہ غالباً یہ نظم اس زمانہ یعنی چودھویں صدی عیسوی / آٹھویں صدی ہجری کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کی باہمی جوتہ پیزار اور مقامی امیروں کی خود غرضانہ مناقشوں پر بھاری طنز ہے۔ سید یوشع صاحب صرف اس قدر فرماتے ہیں کہ ”شاید عبید نے بلی کے پردے میں امیر مبارزالدین محمد بن مظفر (۱۳۱۳ء-۱۳۶۳ء) کا خاکہ کھینچا ہے اور جن جن پر اس نے ستم ڈھائے ہیں ان کو چوہوں سے تعبیر کیا ہے“۔

تاریخ گزیدہ میں محمود کتسی نے اپنی طرف سے ایک باب کا الحاق کیا ہے جو کلیتہً مبارزالدین محمد اور اس کی اولاد کے عہد حکومت سے متعلق ہے۔ محمود کتسی اس خاندان کا ملازم تھا۔ اس باب میں مولف نے امیر مبارزالدین کی بے حد مدح سرائی کی ہے اور ضرورت سے زیادہ جانبداری سے کام لیا ہے لیکن امیر مذکور کی سنگ دلی اور خونریزی کے متعلق آخر اسے کچھ کہنا ہی پڑا:

”فاما طبیعتش بر لراقت خون و قساوت قلب و عذر مجبول بود بحسن طالع و

تدبیرات موافق عروس ممالک در کنار مراد گرفت۔ بواسطہ سیاست زیادت

از حد مردم از و متنفر بودند (۱)“

امیر مبارزالدین محمد کا باپ امیر شرف الدین مظفر اپنے ابتدائی زمانے میں سلطان جلال الدین سور غنمش والی کرمان کا ملازم تھا۔ پھر ارغون خان اور گیخاتو کی ملازمت میں رہا۔ سلطان الجبائتو کی تخت نشینی کے بعد مظفر کا مرتبہ بڑھ گیا اور وہ اردستان و کرمان وغیرہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ امیر شرف الدین مظفر نے ۱۳۷۳ھ میں وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا مبارزالدین محمد

(۱)۔ (مقدمہ) دیوان عبیدزاکانی از سید یوشع، ص ۱۱

مامور کیا گیا۔ سلطان ابو سعید دالی بغداد کی وفات کے بعد مبارز الدین محمد کرمان اور یزد کا بادشاہ بن بیٹھا۔ ۷۵۴ھ میں شیراز کے علاقہ پر قابض ہوا اور ۷۵۹ھ تک تبریز اور عراق عجم کو بھی اپنی حکومت میں داخل کر لیا۔

اس سنگ دلی اور خونریزی کے سبب مبارز الدین کو آخر کار اس کے بیٹوں نے ۷۶۰ھ میں گرفتار کر کے اس کی آنکھوں میں سلائی بھرادی (۱) اور پھر شاہ شجاع بن مبارز الدین محمد شیراز میں تخت نشین ہوا۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ شیرازی نے یوں لکھا ہے:

دل منہ بر دنیا و اسباب او زانکہ از وی کس وفاداری ندید... الخ  
عبیدزاکانی نے موش و گربہ کا قصہ ان اشعار سے شروع کیا ہے:

از قضای فلک یکی گربہ بود چون اژدھا بکر مانان  
گربہ دور بین و شیر شکار کبر با چشم و تیز مژگانان

بای کژدم عقاب پیشانی بود پر مکر و پر ز دستانا  
شکمش طبل و سینہ اش چوپر شیر دم و پلنگ چنگانا  
از غریبش بوقت غریدین شیر دژندہ شد ہراسانا  
سر سفرہ چون نہادی پای شیر ازوی شدی گریزانا  
روزی اندر شراب خانہ شدی از برای شکار موشانا

بہت ممکن ہے اس بلی کے پردے میں مبارز الدین محمد ہی ہو اس لیے کہ اس نے اپنے عہد میں تمام شراب خانے بند کر دیئے تھے۔ ایک محتسب کی طرح خود شہر میں گشت لگایا کرتا تھا اور شراب خواروں کو سخت سے سخت سزائیں دیا کرتا تھا۔ پھر ایک چوہے کی زبان سے شعر ذیل کہلوا یا:

سر صد گربہ را بہ بخشم من گاہ بخشش بروز احسانا

ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ ابوالمحق کے کثیر لشکر میں مبارز الدین اپنے سواروں

(۱) - تاریخ آل مظفر تالیف دکتر حسین قلی ستودہ طبع تہران، جلد ۱، ص ۱۱۹۔



سمیت گھس پڑتا تھا اور کشت و خون کے بعد پھر اپنی پوری جماعت کے ساتھ صحیح و سالم اپنے قلع میں واپس پہنچ جاتا تھا۔ ابوالحق کے سپاہی اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے تھے۔ گویا بلیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت چوہوں کے لشکر پر چھاپہ مار کر چلی آتی تھی۔ ابوالحق نے اپنی فراخ دلی سے ایسے اندیشناک دشمن کو مع اس کے سو سواروں کے نہ صرف امان دی بلکہ اس کا سارا علاقہ بھی پھر اسے واپس کر دیا۔ اوپر کے شعر سے اس واقعہ پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موش و گربہ کے قصہ میں عماد فقیہ کرمانی پر چوٹیں کی گئی ہیں جو اس عہد کے بہت مشہور عالم اور شاعر بھی تھے اور جن کی متعدد تصانیف اب تک دستیاب ہیں۔ امیر مبارز الدین محمد، شاہ شجاع اور اس عہد کے تمام وزرا و امرا ان کے بڑے معتقد تھے۔ عوام میں ان کے لیے یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ ان کے تقدس کے اثر سے ایک بلی بھی ان کے ساتھ نماز پڑھا کرتی ہے اور حافظ کا شعر ذیل اس انواہ سے منسوب ہے:

ای کبک خوشترام کہ خوش میروی بناز      غزہ مشوکہ گربہ عابد نماز کرد

امیر مبارز الدین محمد کے شیراز پر قابض ہونے کے کچھ عرصہ بعد عبید شیراز چھوڑ کر چلا گیا اور پھر شاید سلمان ساوجی (ملک الشعرا) دربار بغداد کی وساطت سے سلطان اولیس بن حسن جلایر ایلخانی (۷۵۷-۷۶۷ھ) والی بغداد کی ملازمت اختیار کر لی۔ دراصل یہ نظم اس زمانے کے جماعتی نظام کی بھیانک تصویر ہے۔ طاقتور اور برسر اقتدار طبقہ کو بلی کے نشان امتیاز سے موسوم کیا گیا ہے۔ دوسری طرف محکوم و مجبور چوہے ہیں جن کے دل میں انتقام کا جذبہ موجود ہے۔ اتحاد و تنظیم کی کوشش کی جاتی ہے مگر ناکام انقلاب بغاوت بن کر الٹی تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ شاعر روح عصر کی سسکاریوں کو طنزیہ قہقہوں کے شور میں دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اس کی مصلحت تھی اس لیے کہ وہ دنیا کو محض اس نظریہ پر جما ہوا دیکھتا ہے کہ سیاسی مسائل رموز مصلحت ہیں اور بادشاہوں کے علاوہ عوام کو زبان کھولنے کا ہر گز حق نہیں۔

ہندوستانی راج بالکوں اور قدیم ایرانی شاہزادوں کو علم سیاست پڑھانے والی کتاب پنج تنزاجس کا تیسری صدی ہجری سے لیکر اکبر اعظم کے وقت تک پچاس سے زیادہ مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا بظاہر صرف بلی، کتے، گیدر، لومڑی کی کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ بالکل اسی طرح یہاں بھی شاعر کو اپنا ر مز بلی چوہے کی کہانی بنا کر پیش کرنے میں خیریت نظر آئی حالانکہ نظم شروع

کرنے سے پہلے اور ختم کرنے کے بعد یہ خیال ظاہر کیا ہے:  
 جان من پند گیر ازین قصہ تا شوی در زمانہ شادانا  
 غرض از موش و گربہ بر خواندن مدعا فہم کن پسر جانا

پروفیسر علیم الدین سالک کی رائے میں نظم موش و گربہ ریاکار زاہدوں پر ایک بڑی کامیاب اور واضح طنز ہے۔ اگر موصوف کی رائے کو درست تسلیم کیا جائے تو نظم ہذا کا تاریخی واقعہ سے کوئی تعلق ظاہر نہیں ہوتا لیکن پر جور و فساد زمانہ کے تاریخی حوادث اس کے ثبوت ہیں کہ نظم تاریخی واقعہ کی تشریح اور ان پر طنز ہے۔ اقبال آشتیانی نے کلیات عبید کی تصحیح کر کے اسے شائع کیا ہے، مقدمہ میں لکھتے ہیں: (۱)

”... لیکن درست معلوم نشد کہ نظر عبید در نظم آن داستان بچہ واقعہ ای بودہ است۔“

شعر میں سلمان ساوجی عبید کا حریف تھا جس کے دو شعر عبید زاکانی کی ہجو میں بہت مشہور ہیں:

جہنمی ہجا گو عبید زاکانی مقرر است بہ بی دولتی و بیدینی  
 اگرچہ نیست ز قزوین و روستا زاد است ولیک می شود اندر حدیث قزوینی (۲)

عبید ایک رند مشرب شاعر تھا چنانچہ اپنی ایک سنجیدہ نظم میں بھی جو عمید الملک کی تعریف میں لکھی تھی یہ کہنے سے باز نہ رہ سکا کہ:

خدایا دارم از لطف تو امید کہ ملک عیش من معمور داری  
 بگر دانی قضای زہد از من بلائی تو بہ از من دور داری

کلیات میں شعر ثانی اس طرح درج ہے:

بگردانی بلائی زہد از من قضای تو بہ از من دور داری

(۱)۔ کلیات عبید زاکانی، ترتیب و تصحیح اقبال آشتیانی، طبع تہران — مقدمہ۔

(۲)۔ ایران کے بذلہ سنج اہل قزوین کو احمق، اہل خراسان کو گدھا، اہل طوس کو گائے، اہل بخارا کو رپیچہ اور اہل ماوراء النہد کو مشہدی یعنی رافضی کہتے ہیں اور یہ تمام نسبتیں تحقیری قسم کی ہیں۔

ذیل کے دو شعر جو اس نے کسی طبیب کے ہجو میں لکھے تھے قابل توجہ ہیں:  
 در عمر خود این طبیبک ہرزہ مقال      بیمار ندید تا نکشتش در حال  
 دیشب ملک الموت در آمد گفتش      یکر دوز بخر آنچه فروشی ہمہ سال

عبید کو زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کرنے کا نہ تو دعویٰ ہے اور نہ اس کا آرزو مند ہی ہے۔ ہزلیات عبید طبع قسطنطنیہ (۱۸۸۵ء مشتمل بر ۲۰۰ صفحات) میں تقریباً تمام ہزل آمیز اور تحریف شدہ نظمیوں شامل کی گئی ہیں۔ تمام ایرانی شرفا آج انہیں نفرت اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مزید برآں ان میں نکتے کی بات یہ ہے کہ بڑی استادی سے مقدم یا معاصر شعرا کے سنجیدہ اشعار تحریف کر کے انہیں پست معانی کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ عبید کی تحریفات بیشتر نچلی درجہ کی ہیں۔ ہجویات و ہزلیات عبید جو فحش سے خالی ہیں اور قابل اعتراض نہیں ان میں چند ایک ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

شاعر کے نصیب میں افلاس و قرض داخل معمول تھے:

مردم بعیش و شادی و من در بلای قرض	ہر یک بکار و باری و من بتلای قرض
خرجم فزون ز غایت و قرضم برون ز حد	فکر از برای خرج کنم یا برای قرض
فرض خدا و قرض خلائق بگردنم	آیا ادای فرض کنم یا ادای قرض
از هیچ خط نتابم غیر از اجل دین	وز هیچ کس نتالم غیر از گواہی قرض
در شہر قرضدارم و اندر محلہ قرض	در کوچہ قرض دارم و اندر سرای قرض
از صبح تا بشام در اندیشہ ماندہ ام	تا خود کجا بیابم ناگہ رجای قرض
مردم زد دست قرض گریزان و من بصدق	خواہم پس از نماز و دعا از خدای قرض
عرضم چو آبروی گدایان بباد رفت	از بسکہ خواستم ز درہر گدای قرض
گر خواجہ تربیت نکند نزد پادشاہ	مسکین عبید چون کند آخر دواہی قرض
خواجہ علای دولت و دین آنکہ جز گفتش	ہرگز کسی نداد بگیتی سزای قرض

دیگر

دای بر من کہ روز و شب شدہ ام	دائماً ہمنشین و ہمدم قرض
مدتی گرد ہر کسی گشتم	بوکہ آرم بدست مرہم قرض

آخر الامر ہچکس نکشاد پای جانم ز بند محکم قرض  
دیگر

مرا قرض هست و دگر هیچ نیست فراوان مرا خرج و زر هیچ نیست  
هنر خود ندانم دگر نیز هست چو طالع نباشد ہنر هیچ نیست  
عنان ارادت چو ازدست رفت غم و فکر بو کہ دگر هیچ نیست  
بدرگاہ او التجا کن عبید کہ این رفتن در بدر هیچ نیست

### عابدوں پر طنز

قوی ز پی مذہب و دین می سوزند قوی ز برای حور و عین می سوزند  
من شاہدومی دارم و باغی چو بہشت ویشان ہمہ در حسرت این میسوزند

### خان ومان سے بیزار می

دل خستہ ہمیشہ از زن و فرزندم یارب کہ در این بند بلا پسندم  
گر روزی ازین بند خلاصی یا بم ای بسکہ بریش کد خدایان خندم

### اپنی بے سروسامانی کا ذکر

درخانہ من ز نیک و بد چیزی نیست جز بگی و پارہ نمد چیزی نیست  
از ہر چہ پڑند نیست غیر از سودا وز ہر چہ خوردند جز لکد چیزی نیست

عبید انتہا درجہ شوخ اور ظریف الطبع تھا اور اسی طبعی شوخی کے سبب ہزل اور فحش کی طرف مائل ہوا اور اسے انتہا تک پہنچا دیا۔ سات بندوں پر مشتمل ایک ترجیع بند میں جلق زنی کے فوائد بیان کرتے ہوئے اس مذموم عمل کے ارتکاب کی ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے اور مختلف پیرایوں میں شادی اور فطری طریقہ پر شہوانی خواہش کی تکمیل سے متنفر کرایا گیا ہے، ہر بند اس بیت پر ختم ہوتا ہے:

جلق می زن کہ جلق خوش باشد جلق در زیر دلق خوش باشد

عبید زاکانی نے صرف تفریح طبع یا ادائے تکلیف یا تائین وجہ معاش کی غرض سے

گا ہے گا ہے شاعری کی ہے، یہ اپنے جدی تالیفات و آثار اور اشعار کے تحفظ سے بے اعتنا تھا۔ اقبال آشتیانی کے مطابق یہ عبید کی بد قسمتی ہے کہ ایران کا نابغہ جو بہت حد تک فرانسیسی عظیم نویسندہ و الٹیر (Voltaire) کے ہم پلہ ہے اسے کچھ ہزل پرست اور کوتاہ بین لوگوں نے ہز آل مشہور کر دیا اور اسے ہجاگو اور جہنمی شمار کیا گیا، حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ نہ تو عبید ایسا بے مثل ہجو گو ہے اور نہ ہی اس کے رسائل و مطاببات کی ترتیب و تنظیم سے اس کی یہ خواہش تھی کہ وہ لوگوں کی آبروریزی کرے یا جلب منفعت کے لیے تازیانے لگائے اور مادی و شخصی کامرانیاں حاصل کرے بلکہ اس کا مقصد بہت اعلیٰ تھا۔ اس کی ہمت کا شہباز کوتاہ بینوں کی نظر سے دور افتق کی بلندیوں میں پرواز کرتا تھا۔ جس سوسائٹی کی اکثریت غیر تعلیم یافتہ ہو، اخلاق و عادات کی روشنی سے فیضیاب نہ ہو اور فتنہ و فساد، جور و ظلم کی وجہ سے فقر و فاقہ کی حالت میں ہو، لازمی طور پر وہاں انتظام و امور مملکت کی باگ ڈور چند مقتدر، طرار، خود رائے اور خود غرض لوگوں کے ہاتھ ہو جاتی ہے جن کا مقصد سوائے زراندوزی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ مطلق العنان حکمرانوں کی یہ جماعت اپنے پست نفسانی خواہشات کی وجہ سے کسی اخلاقی قید کی پابند نہیں ہوتی اور فضیلتوں کی نگہبانی نہیں کرتی بلکہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد زبردستوں پر استبداد اور غضب کا بازار گرم کر کے ان کی جان و مال اور عزت و ناموس کے خریدار بن جاتے ہیں اور جس کسی کو بھی اخلاقی فضائل پر گامزن یا اس کی تبلیغ و اشاعت کرتا ہوا دیکھتے ہیں، ان کے دفعیہ کے لیے اقدام کرتے ہیں یا اسکی توہین و تحقیر پر کمر بستہ ہوتے ہیں اسلیے کہ ان کے عادات و اطوار ان کے مذہب مختار کے منافی ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اہل فضل و تقویٰ یا تو ہجرت اختیار کر لیتے ہیں یا جان کے خوف اور روٹی کی امید میں صاحبان اقتدار کے مذہب مختار کو قبول و تسلیم کر لیتے ہیں اور اس طرح رفتہ رفتہ اخلاقیات و فضائل منسوخ ہوتے جاتے ہیں اور انہیں مذہب منسوخ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علما و قضاة شحنے و حاکم جو عوام کو راہ راست پر لاتے ہیں اور آمرین معروف و ناہیان از منکر ہوتے ہیں سلاطین و امرا کے مذہب مختار کے گردیدہ ہو جاتے ہیں اور اس قول پر عمل کرتے ہیں الناس علی دین ملوکھم اور عبید کے مطابق صدق الامیر پر گامزن ہوتے ہیں۔ انہیں اس کی بالکل پورا نہیں ہوتی کہ کوئی انہیں لعن و طعن کرے گا یا ان کی راہ و روش کو گذشتہ بزرگان کے اخلاق و عادات اور سیرتوں کے خلاف شمار کرے گا کیونکہ اس گروہ

کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی منزل مقصود یعنی مادی آسائشوں اور نفسانی خواہشات کی تکمیل میں ایسے طریقے مدد و معاون ہوتے ہیں اور ظلم و ناانصافی، بد عہدی و بیوفائی، تضاد قول و فعل بذات خود کامیابی کے زینے ہیں۔ ان کے نزدیک صلحائے قدیم کے اقوال اور آنے والی نسلوں کے تنقید و تبصرے کوئی وقعت نہیں رکھتے بلکہ اس مذہب کے پیروکار تنہائی میں ان اقوال پر خندہ زنی کرتے ہیں اور بزرگان قدیم کو سخافت عقل، توہم پرستی اور رجعت پرستی وغیرہ صفتوں سے متصف کرتے ہیں۔

تاریخ ایران میں ایلخانی سلسلہ کے آخری تاجدار سلطان ابو سعید اور امیر تیمور گورکان کے حملہ کا درمیانی زمانہ آشوب اور فتنہ و تباہی کی ایک طویل غمناک داستان ہے۔ اس دور میں متعدد حکومتیں قیام پذیر ہوئیں اور ختم بھی ہو گئیں۔ حکومتوں کے بننے بگڑنے اور جنگ و جدل کی وجہ سے عوام کو بربادیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ زندگی اتنی آشفٹہ حال اور پریشان ہو گئی کہ صالح انسان بھی امیر تیمور جیسے خون کی ہولی کھیلنے والے شخص کی آمد کو باعث خیر و برکت سمجھ کر جان و دل سے اس کے لیے دعائیں کرنے لگے۔ آفاقی شاعر خواجہ حافظ نے ان ناقابل برداشت اوضاع و احوال سے تنگ آکر بے صبری میں اشعار ذیل نظم کیا:

سو ختم در چاہ صبر از بہر آن شمع چکل      شاہ ترکان فارغست از حال ما کور ستمی

..... الخ

اقبال آشتیانی نے اس عہد کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے: ایسے پر آشوب دور میں جب کہ ایک بادشاہ کی ماں اعلانیہ طور پر فسق و فحش میں آلودہ ہوتی ہے، ایک بیوی اپنے فاسق شوہر کو جس نے اسے قید کر دیا تھا بستر خواب پر بڑے ذلیل اور سوگوار طریقے پر قتل کرتی ہے، ایک امیر کی بیوی اپنے بھائی سے شادی کرنے کی آرزو میں اپنے شوہر سے قطع تعلق کر لیتی ہے، ایک بادشاہ اپنے ہاتھوں سے باپ کو اندھا کر دیتا ہے اور ماں کے ساتھ زنا کرتا ہے، ایک بادشاہ اعلانیہ طور پر اپنے امرا کو حکم دیتا ہے کہ اپنی بیویوں کو طلاق دیدیں اور ان سے عشق کرنے کے لیے غزل سرائی کرتا ہے، کسی بھی وزیر کی سالم نعش قبر میں نہیں جاتی گرچہ فضل و دانش اور تدبیر میں رشید الدین فضل اللہ اور ان کے لڑکے غیاث الدین محمد کے ہم پلہ ہو جائے، برادر کشی و دزدی اور الزام و بہتان جیسے نقائص اپنی بلندی پر ہوں تو اکثر شعر اور ناما بھی باقتدار فاسق طبقہ کی خوشامد میں لگ جاتے ہیں اور ان کے اطوار و اعمال کو فضیلت و تقویٰ

کے عین مطابق تسلیم کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں جن لوگوں کو ان کی ذاتی عفت اور فطری پاکیزگی نے ان عزائم سے الگ رکھا، کیسی تکلیف دہ زندگی گزارنا پڑی ہوگی اور کیسی افسردہ خاطر کی ویر آشفنگی کا سامنا کرنا پڑا ہوگا؟ قیاس کرنا ممکن نہیں۔

عام طور پر ایسے پاکباز انسانوں کی افسردگی دو صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے یا تو وہ اخلاقی قدروں کی موت پر گریہ و زاری کرتے ہیں یا اپنے معاصرین کی کوتاہ بینی اور حماقت پر خندہ ریز ہوتے ہیں اور ان کے تمام ذہنی و خارجی افعال و حرکات پر تمسخر انگیز اور استہزائیہ نگاہ ڈالتے ہیں خصوصاً جب وہ کسب فضائل میں اپنی طولانی ریاضت کو فساد کے سامنے شکست خوردہ دیکھتے ہیں۔ ان کے فضائل و کمالات اس لائق بھی نہیں ہوتے جن سے ایک روٹی بھی حاصل کی جائے۔ پھر وہ دنیا اور تمام علاقہ دنیوں کو بے اعتبار اور کم ثبات تصور کرتے ہیں اور ایک خفیف مسکراہٹ کے ساتھ ان کے خیال کو دوسرا رخ دے دیتے ہیں۔ یہ مسکراہٹ رضامندی و موافقت کی نہیں بلکہ خندہ ترحم و استہزا ہوا کرتا ہے جس میں سر تاپا انتقام جوئی کا احساس کار فرما ہوتا ہے۔

زندگی غم سے تعبیر کی گئی ہے۔ ایک خوشی ملی کہ غم اس کا پیچھا کرتا ہوا آجاتا ہے۔

اور بقول شاعر:

کہ جو خوشی ہے یہاں اک امانت غم ہے

اسی لیے حکما و عقلا نے شادی و خوشی کو ہر قیمت پر خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا، یہاں تک کہ مستی اور بے خبری کے لیے عقل و علم بھی نچھاور کرنا گوارا کیا۔ عبید نے اپنے مطاببات کے ذریعے افسردہ خاطر لوگوں کو خوش کرنے اور اوضاع زمانہ کے اصلاح کی کوشش کی ہے اور اس عمل سے اپنی اور اپنے جیسوں کی دلی تسلی اور تسکین خاطر ڈھونڈنے کی سعی بلیغ کی ہے اور بلا تردید کہا جاسکتا ہے کہ کامیاب رہا ہے۔ اس کے دیگر معاصرین حافظ و سعدی وغیرہ نے بھی یہی کام کیا ہے لیکن طریقہ کار جدا اور لائحہ عمل الگ ہے۔

## کاتبی نیشاپوری

عہد مغول و تیموریہ میں سلمان ساوجی، خواجو کرمانی، ناصر بخاری، مجد الدین ہمگر، امامی، روحانی سمرقندی، برندق بخاری، عباس نشاطی وغیرہ نے بھی ہجو گوئی و ہزل سرائی کی ہے۔ کسی میں کوئی خاص ایسی بات نہیں جو گذشتہ شعرا کے فکری اور فنی میلانات سے ممتاز ہو۔ تقریباً تمام شعرا کی ہجویات عامیانہ اور پست درجہ کی ہیں۔ مثال کے طور پر کاتبی نیشاپوری کی ہجو گوئی کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔

کاتبی نیشاپوری اپنے خطاط استاد سیسی کے حسد کی وجہ سے نیشاپور سے ہرات، استر آباد اور پھر شروان آیا۔ بعدہ آذربائیجان آکر ترکمان حکمران اسکندر ابن قرا یوسف کی شان میں ایک بلخ مدحیہ قصیدہ نظم کیا۔ لیکن سلطان نے کاتبی کی کوشش کی کوئی قدر نہ کی اور نہ اسے کوئی صلہ ہی عطا کیا۔ کاتبی نے برا فروختہ ہو کر قطعہ ذیل میں اسکندر کی بڑی فحش ہجو لکھی اور اصفہان کا قصد کیا:

زن و فرزند ترکمان را گاد ہجو مادر سکندر بد رای  
انچہ ناگاہ ماندہ بود ازوی داد گاون بہ لشکر چغتای  
قطعہ ذیل میں کاتبی نے کمال کی ہجو لکھی ہے۔ ممکن ہے یہ کمال بخندی ہو۔ لیکن زیادہ امکان ہے کہ یہ کاتبی کا ہم عصر کمال الدین غیاث فارسی شیرازی ہے اور خسرو و حسن ہندوستانی شاعر ہیں۔ قطعہ:

گر حسن مانی ز خسرو برد نتوان کرد منع زانکہ استادست خسرو بلکہ ز استادان زیاد  
وز معانی حسن را برد از دیوان کمال هیچ نتوان گفتن اورا دزد برد ز دافتاد  
ذیل کا قطعہ شمس علانامی ایک شاعر کی ہجو ہے۔ قطعہ عبید زاکانی کی ایک مشہور نظم کے تتبع میں لکھا گیا ہے:

رفت آخر از جہان شمس علا آنکہ گم گم در شاری آمدی  
او برفت و ماند از دیوان شعر ”ہم نماندی گربہ کاری آمدی“



عبید کی نظم اس مطلع سے شروع ہوتی ہے: (۱)

پیش ازین از ملک ہر سالی را خردہ از ہر کناری آمدی  
کاتبی نے عبید کی نظم کے آخری شعر کا مصرع ثانی من و عن نقل کر دیا ہے:  
غیر من در خانہ ام چیزی نماند ہم نماندی گر بکاری آمدی  
کاتبی نے اپنے خطاط استاد سیسی پر سرتے کا الزام لگایا ہے:

میان شہر نیشاپور سیسی چو اشعار یلیح کاتبی دید  
بمشہد رفت و برنام خودش بست نمک خورد و نمکدان را بدزدید  
قطعہ ذیل میں سرقہ کرنے والے شاعروں کی مذمت کی گئی ہے:

شاعر نباشد آنکو ہنگام بیت گفتن ز اشعار استادان آرد خیال در ہم  
ہر خانہ امی کہ اور از خشت کہنہ سازند مانند خانہ نونبود بناش محکم

(۱)۔ کلیات عبیدزاکانی، ترتیب و تصحیح اقبال آشتیانی، ص ۶۴۔

## ہجو گوئی از او اسط قرن دہم تا او اسط قرن سیزدہم ہجری

تیمور کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں نے ایران میں سو سال تک حکومت کی لیکن ان کی نااہلی کی بنا پر حکومت زوال پذیر ہوتی گئی۔ جلایریوں نے پھر سر اٹھایا اور قرہ قویونلو اور آق قویونلو حکمران خاندان نمودار ہوئے۔ یہ ایران کے مختلف حصوں پر چھاپے مارنے لگے۔ اسی دوران اسماعیل نامی ایک دلیر و فہمند جوان نمودار ہوا جس نے اوزون حسن آق قویونلو کے ساتھ جنگ کی اور ۹۰۵ھ میں تبریز میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ اسماعیل، شیخ صفی الدین اردبیلی کی اولاد میں تھا۔ ان ہی بزرگوں کی نسبت سے وہ اور اس خاندان کا سلسلہ صفوی کے نام سے موسوم ہوا۔ صفوی سلطنت جس کی بنیاد اسماعیل صفوی نے ڈالی تقریباً دو سو چالیس برسوں تک ایران میں قائم رہی۔ آخری صفوی بادشاہوں کے زمانے میں افغانوں نے ایران پر حملہ کیا اور ان کے پایہ تخت اصفہان پر قبضہ کر لیا۔ ان ہی ایام میں نادر شاہ افشار نے ظہور کیا اس نے افغانوں کو ملک سے نکال باہر کیا اور صفویوں کی حکومت کا خاتمہ کر کے ۱۱۴۰ھ میں تخت سلطنت پر جلوس کیا اور سلسلہ افشاریہ کی بنیاد رکھی۔ نادر شاہ افشار نے تین سال کی قلیل مدت میں بغداد سے لیکر دہلی تک تمام ملکوں کو ایرانی سلطنت کا ایک جزو بنا دیا۔ کریم خان زند (۱۱۶۳ھ-۱۱۹۳ھ) نے افشاریوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور چند سالوں کی جنگ و پیکار کے بعد ان قاچاریوں نے خاندان زند کا خاتمہ کر دیا۔ صفوی حکومت کے ختم ہونے کے بعد افغانوں کے حملے افشاریوں کی سلطنت اور زندیوں کے اقتدار کے ہنگامہ خیز زمانہ کی مدت نصف صدی سے چند سال زیادہ ہے۔ آقا محمد خان قاچار نے ۱۱۹۳ھ میں تخت سلطنت پر جلوس کیا اور ایک بار پھر ایران کو طوائف الملوکی کی کشمکش سے نجات ملی۔ قاچاری خاندان نے تقریباً ایک سو پچاس سال تک ایران پر حکمرانی کی۔

صفوی بادشاہ متعصب اہل تشیع تھے اس لیے انہوں نے اپنے مسلک کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا۔ اس عہد میں دینی ادبیات کو خاصہ فروغ نصیب ہوا۔ صفوی دور کو بحیثیت مجموعی ایران کا ادبی انحطاط کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ دراصل مغلوں اور تیموریوں کے دور

کی بربادیوں نے علم و ادب کے میدان میں آئندہ صدیوں میں اپنا اثر دکھایا اور فارسی نثر و شعر کے سرمایہ میں گراں قدر اضافہ ہوا۔ اس عہد میں شعرا کی تعداد کثیر تھی اور صائب، وحشی، کلیم، عرفی، ہاتف، نظیری وغیرہ معروف شعرا نے اسی عہد میں زندگی بسر کی۔

دور صفویہ میں گرچہ مذہبی تبلیغ و اشاعت اور مضبوط و قابل حکمرانوں کی وجہ سے زندگی خوش حال ہو گئی تھی اور بہت حد تک عوام کی اخلاقی اصلاح بھی ہو چکی تھی اس کے باوجود اس عہد میں ہجو گوئی کی خوب گرم بازاری رہی۔ اس دور کے بہت کم ایسے شعرا ہوں گے جن کا دامن ہجو کے خارزار میں نہ الجھا ہو لیکن یہاں بھی ہمیں عہد گذشتہ کی مانند سنجیدگی اور وقار کی حد سے دور فحش و رکاکت کی سرحدیں پھاندی ہوئی ہجویات نظر آتی ہیں۔ حکیم شفقانی نہایت متین اور فاضل شخص تھا مگر وہ بھی اس حمام میں نہکا نظر آتا ہے۔

## حکیم شرف الدین حسین شفقانی اصفہانی

حکیم شفقانی (متوفی ۱۰۱۳ھ) علوم عقلی اور نظری میں یکتائے روزگار تھا۔ علمی فضیلت کی وجہ سے شاہ عباس حسینی صفوی کے نزدیک اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اس کے مزاج پر ہجو کا غلبہ تھا۔ شاہ عباس اس کا بڑا عقیدت مند تھا اس کے باوجود اسے بھی اس کی ہجو گوئی کی شکایت تھی۔ اپنی جوانی میں اس نے خوب ہجو گوئی کی اور اپنے بیشتر معاصرین کی ہجووں سے زبان و قلم کو آلودہ کیا۔ صاحب تذکرہ مجمع الخواص (۱) لکھتے ہیں ”ولی بسکہ متکبر و خود پسند است اگر کسی در حال نزع باشد نمی خواهد باور جوع کند“۔ شاعری کے لیے شفقانی نے بہت موزوں اور مناسب طبیعت پائی تھی لیکن اشعار میں بڑی خود ستائیاں کرتا تھا اس لیے لوگ اس کی طرف راغب نہیں ہوتے تھے۔ شفقانی کی ہجو گوئی کے متعلق تذکرہ نگاروں کی رائیں:

میر باقر داماد شفقانی کے متعلق لکھتے ہیں:

”شاعری فضیلت شفقانی را پوشیدہ و ہجاشعر اور اینہان ساخت“ (۲)

تذکرہ نصر آبادی میں اس طرح مذکور ہے: (۳)

”ہجاکہ بر طریقہ فریضہ بر شاعر واجب میشود مانع شہرت او شدہ“۔

صاحب تاریخ عالم آرای عباسی (۴) رقم طراز ہیں:

”بسیار لوند مشرب و شوخ مشرب از تنگ حوصلگی اندک ناملایمی بر طبیعتش

گران می نمود و از ظریفی و شوخی ہموارہ زبان بہ ہجو ستیزہ کاران میکشاد“۔

اس کے دیوان میں ہزل آمیز اور ہجویہ اشعار کی بڑی فراوانی ہے۔ سوزنی اتنا بڑا

ہزال ہونے کے باوجود شفقانی سے پیچھے نظر آتا ہے۔ شفقانی اپنے علمی استعداد کے ثبوت میں

ذیل کا شعر لکھ کر عوام پر یہ بات ظاہر کر دینا چاہتا ہے کہ وہ چونکہ اسرارور موزدنیوی سے واقف

(۱)۔ تذکرہ مجمع الخواص، ص ۲۰۴ (۲)۔ تذکرہ آثار الکرام، ص ۷۷، تذکرہ شمع انجمن، ص ۲۲۶ و

تذکرہ نشتر عشق ص ۹۵۲ (۳)۔ تذکرہ نصر آبادی، ص ۲۲۹۔

(۴)۔ شعر و ادب فارسی، تالیف زین العابدین مومتمن، ص ۲۰۸

ہے اس لیے ہزل سرائی کرتا ہے اور کوتاہ بین اسے برا سمجھتے ہیں:

آن شیخ کہ از خانہ بازار نمیرفت      مست است بخدیکہ رہ خانہ نداند  
 ”ہجو مومنا“ کے عنوان سے ایک سوا سی اشعار پر مشتمل ایک ترجیع بند شفافی سے  
 منسوب ہے۔ ترجیع بند کا آغاز بیت ذیل سے ہوتا ہے:

ای بی مصرع بی معنی دیوان دیوٹی      القاب تو زینت وہ عنوان دیوٹی  
 خوب جی کھول کر شفافی نے اسے گالیاں دی ہیں۔ چند منتخب اشعار نقل کیے جاتے ہیں:  
 ای گندہ تر از فعل بد تو سخن تو      پروردہ در آغوش عقوبت دهن تو  
 آرزوی تو در ہیضہ فتد تا بقیامت      ہر موکہ نہ دانستہ دماز ذقن تو  
 پشت کسی از گندہ دہانت نہ نشیند      دندان تو زان کردہ وداع دهن تو  
 دیگر

گفتم کہ ترا شہرہ بازار نہ سازم      در چشم و دل عالمیان خوار نہ سازم  
 در کون کلاغت نہ نہم سیر مکافات      وز تیغ ملامت دل افکار نہ سازم  
 سرپای تعرض نہ زخم بر در کونت      در بند ترا مفلس رہوار نہ سازم  
 از تیغ ہجا خون وقار تو نہ ریزم      از کنگرہ طعنہ نگون سار نہ سازم  
 دیگر

زان قوم فرد مایہ تو بسیار رشیدی      از شومی مروان یزیدی و پلیدی  
 دیگر

چون لحن عروسی بود نوحہ شیون      کی صورت زغن صدیکہ دستن ہزل است  
 بارستم دستان نبرد رخس بمیدان      آنکس کہ بہ بوزینہ بزباز سوار است  
 در ہجو تو بر ہجو ستم کردم و واغم      کین مایہ تعظیم تو تا روز سمار است  
 ناخیل گس شیر شکاران نہ ستیزد      گردان جہان خون سگ و گرہ نریزند  
 آخری بند کے بیشتر اشعار رواں اور رکاکت سے پاک ہیں:

ای از تو برودت دم کافور گرفتہ      تنگی ز معاش تو دل مور گرفتہ  
 تلخی زنداقت سخن زہرہ بودہ      از بخت تو ظلمت شب و بچور گرفتہ  
 انگشت زہار از دهن پشت مکیدہ      بر چنبر دف نغمہ طنبور گرفتہ

عموی تو پای ملخ از مور گرفته  
خوش زوددلت از نمود بور گرفته  
زان کل زسگ و نیش ز زنبور گرفته  
سرتاسر جو قش ہمہ ناسور گرفته  
این کار غلامی است کہ مزدور گرفته

اشعار ذیل میں ایک نامعلوم شخص کا ہجو یہ تعارف ہے:

کسی کہ موی زہارش بود چنارستان  
خمیر مایہ الوند آورد ہمدان  
زگر بہ دم ز شتر لب ز اژدہا دندان  
نفس دراز تراز قصہ خوان کالادان  
دہان کشادہ بسان مغارہ کرمان  
کہ نیم لقمہ سازد مماس کام و دہان  
ہزار کرہ شترگر چرا کنند دران

اشعار ذیل روحی کی ہجو میں موزوں ہوئے ہیں:

کہ برو خندہ زنانند ہمہ حلق جہان  
فحش ناخواستہ از سوی دل آید بزبان  
شوی او بگریزند نفوس از ابدان  
بہر خونریزی او خنجر کین زد نفسان  
گر کشی نقش بہ صحن چمن و لالہ ستان  
متصل قطرہ اوبار بجای باران  
ہر کہ نامش برد از سہو بہ پیش ایمان  
نکند فرق نوارا ز سرود خران  
آن قدر رنج کشد طبع کہ دل از ہجران  
کہ از دوزن بود دور چوز خم از خونان  
لاف چیزی کہ نداری چہ زنی پیش کسان

بابای تو موش از دھن گر بہ ربودہ  
حیف است کہ پالان کنی از مخمل و اطلس  
از مشمت فلان ریختہ آلات گزندش  
از طعن دیوٹی دلش از بسکہ فگار است  
از عہدہ خاتون نتواند بدر آمد

کسی کہ غاشیہ و سعتش کشد انبان  
کسی کہ دفع جرب را چوشافہ ساز شود  
کسی کہ ہست زہر جانور درو چیزی  
کسی کہ گاہ ثنا گستری کیر بود  
کسی کہ بہر فرود بردن نوالہ بود  
کسی کہ بلع کند حاصل وجود و عدم  
کسی کہ تا بقیامت دچار نیم شوند

کیست آن مسخرہ مضحکہ کون جنبان  
کیست آن قاتل دشنام کہ نامش چوبری  
کیست آن مایہ تفریق کہ چون باد آمد  
کیست آن مستعد قتل کہ جلاد اجل  
کیست آن ریش یکہ بستہ کہ از سنت او  
کیست آن ابر فلاکت کہ ازومی بارد  
کیست آن کافر بی دین کہ دھد صد دشنام  
کیست آن تازہ مصنف کہ ز بسیاری جہل  
کیست آن نادرہ شاعر کہ ز شعر بد او  
گر خطائی نلگم روحی ناموزون است  
آری کیری تو کجا شعر کجا درک کجا

کہ سمندی نتواند خر زیر پالان  
زاغ کج نغمہ چو خواهد کہ شود خوش الحان  
میل دارم کہ دعای تو برانم بہ زبان

بروای ابلہ و آزار خود و خلق مکن  
میشود مضحکہ مجلس اطفال چمن  
اندرین حالکہ دل گرم شاخوانی تست

### ممدوح مسک کی ہجو

می روم بر سرکاری کہ تمنا کردی  
چکنم ترک رضای تو خلاف ادب است

قابل ہجو نئی لیک پی مشق سخن  
بر سر خدمت فرمودہ زبان ہجو بست

### دیگر

جنس صدرنگ ازین مایده ارزان نکنم  
خاطر جمع بہ فکر تو پریشان نہ کنم  
بکی بیت جگر سوز پشیمان نکنم  
تاترا نام زد آتش سوزان نکنم  
قصہ خوانان نہ بیان بر سر میدان نکنم  
چون رضای تو درین است کہ پنهان نکنم

بذلہ و طعنہ و دشنام نریزم در ہم  
مصرعی چند بہ ہجو تو نسازم ضایع  
گفتم از کیسہ پشیمان شوکر زندگیت  
گفتمت دامن تحریک برین شعلہ مزین  
آن حکایت کہ بلب لبی طلب آید از ذوق  
بعد ازین ماہمہ کس در ہمہ جا خواہم گفت

### بخیل کی ہجو

پاک و ناپاک چو آتش ہمہ را پاک خوری  
گرفتد زہر بدست تو چو تر پاک خوری  
نخل از ریشہ کنی برگ و بر تاک خوری  
گل و ریحان بگذاری خس و خاشاک خوری  
کردہ مہر مہ از سفرہ افلاک خوری  
فین و فینی بخود اندازی و تبناک خوری  
صورت شخص در آئینہ ادراک خوری  
سنگ بر آتش جوع افگنی و خاک خوری  
بر سر سفرہ خود قلبہ امساک خوری

چہرہ و چہر کس و تر و خشک تو بیباک خوری  
تلخ و شیرین چو بر ذائقہ ات یکسانست  
باغبان سر بر ریاضت چو دہد لبی افسار  
گاؤ در خرمن صحرا چو کنی ہجو شتر  
بیم آنست کہ بر چرخ دھن باز کنی  
سر بالانہ کنی گرہمہ خنجر بارد  
با چنین جوع چوبی خواست در آئی بخیاں  
تو کہ با سردی تریاک حنای کہ بذوق  
بر سر خوان کسان میکنی این بد مستی

ایک بخیل جو خود نہیں کھاتا ہے اس کے بھوک کی آگ سے دنیا کے جل جانے کا

خطرہ ہے:

فکری بحال خویش بکن ورنہ این دوروز عالم شود ز آتش جوع تو خام سوز

کسی نے شفائی کے اشعار چرا لیے۔ دزد کی خوب خبر لی گئی ہے:

بی حیا چند شعر ما دزدی	شعر یاران آشنا دزدی
چون بگنجد بنظر حوصلہ ات	در شگفتم کہ خود چرا دزدی
چشم ابرام چون سفید کنی	سرخی از چہرہ حیا دزدی
گر چو طاعون بخانہ افقی	از نہانخانہا ہوا دزدی
چون شود خانہ از ہوا خالی	امتناع از بر خلا دزدی
در دلت چون گرہ شود حسرت	آہ در جان بتلا دزدی
چون کند رخصت برون حمدان	پارہ در میان پا دزدی
غبن داری کہ طول نتوانی	از قد خط استوا دزدی



## شیدا، آگہی، عرتی

شفائی کے علاوہ اس عہد میں شیدا فتح آبادی، آگہی خراسانی اور عرتی کی ہجویات بھی قابل ذکر ہیں:

شیدا فتح آبادی نے ہجو گوئی اور طنز نگاری کو اپنا پیشہ قرار دیا، اس نے قدسی کے ایک قصیدہ پر منظوم اعتراض کیا اور کہیں کہیں پھبتیاں بھی کہیں مگر یہ پھبتیاں ایسی ہیں کہ ان پر اخلاق کے نقطہ نظر سے حرف گیری نہیں ہو سکتی، مثلاً:

ای سخن سنج ہنرمند باندیشہ بسنج	نقد ہر حرف بمیزان خرد بی کم و کاست
نالہ در سینہ ہو ایست کہ بی قصد رود	چونکہ از سینہ ہو آگیر شد از جنس ہواست
عالم از دی نشود تنگ و لیکن ز ملال	خلق عالم گر از و تنگ نشیند بجاست
خود گرفتیم کہ جهان تنگ شد از نالہ تو	کہ ز تنگی نظر از چشم نیارد برخاست
نیست ترتیب دو مصرع بہم ربط پذیر	کہ سیاق سخن از ہر دو باندیشہ جداست
تنگی عالم از نالہ نہ کیفیت اوست	کہ جهان تنگ ز اندوہ شدہ برد لہاست
تنگی جا ز کجا تنگی اندوہ کجا	پیشتر از تن و جان تفرقہ ای ہم پیدا است

یہ اعتراضات قدسی کے اس شعر پر ہیں:

عالم از نالہ من بی تو چنان تنگ فضاست	کہ سپند از سر آتش نتواند برخاست
طالب آملی کی ہجو میں شیدا کہتا ہے:	
شب و روز مخدومنا طالبا	پی جیفہ دنیوی در تنگ است
مگر قول پیغمبرش باد نیست	کہ دنیاست مردہ طالب سگ است

اس عہد کے دوسرے نامور شاعر آگہی خراسانی کی ہجو گوئی بھی اہمیت کی حامل ہے۔  
خواجہ مکیال کی ہجو میں آگہی خراسانی نے قطعہ ذیل موزون کیا:

بر معین از بس نشانہای نجاست صد ہزار  
 روئی ز شتس از کثافت مطبخ نمود را  
 اختر بد ز آبلہ بر روی آن بد اختر است  
 کہنہ کف گیرست لیکن لایق خاکتر است

مولانا احمد طبسی جو مولانا احمد آتون کے نام سے مشہور ہے، صاحبقران کا معلم تھا، بالآخر نمک حرامی کی، آستان عالیشان سے روگرد ہو اور روم چلا گیا۔ امیر خان نے جو اس وقت حاکم ہرات تھا صاحبقران سے شکایت کی کہ اس نے آپ کی اور پورے ہرات کی ہجو لکھی ہے۔ اس عداوت کی وجہ سے آگہی خراسانی نے ایک شہر آشوب میں احمد آتون کے لیے شعر ذیل موزون کیا:

احمد آتون گہی شیعہ گہی سنی بود  
 چون غلیو اجی کہ شش مہ مادہ شش مہ تراست

براؤن لکھتے ہیں (۱) کہ میرے پاس ایک عجیب و غریب کتاب ”کتاب السفرہ فی ذم الریا“ (مصنف کا نام ترکی شیرازی بتایا گیا ہے اور یہ چھوٹی سی کتاب ۲۸ صفحات پر مشتمل بہمی میں لیتھو پر ۱۳۰۹ھ میں چھپی) کا ایک نسخہ ہے جس میں میزبانوں کی خود نمائی و نمود اور مہمانوں کی طمع اور دست درازیوں پر خوب نمک مرچ لگا کر فقرے چست کیے گئے ہیں۔ اشعار ذیل میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ خبریں کہ کس کی مجلس میں ترمال زیادہ ہو گا کس طرح مشہور ہوتی ہیں:

کنون بشنو از من یکی داستان	کہ رنگین تراست از گل بوستان
کسانیکہ گیرند عزای حسین	بجلس نشیند باشوروشین
برای جگر گوشہ فاطمہ	سیہ پوش گردند یکسر ہمہ
نمایند برپا عزا خانہ ہا	بگیرند عزای شہ کربلا
بہر گوشہ بزی مہیا کنند	یکی مجلس لغز پر پا کنند
مفرش نمایند صحن و اطاق	منقش نمایند طاق درواق
ہمہ گسترانند فرش لطیف	بچینند اسبابہای ظریف
گردہی ز مردان اشکم پرست	نہ جام طمع جملہ بی خویش دست
بایشان طمع کردہ ز انسان اثر	کہ مانند سکہ بر روی زر
پیشانی خویش بہادہ داغ	نمایند ازین گو نہ مجلس سراغ

(1)-A Literary History of Persia by Browne, E. G. vol -iv- p. 280

پسندیدہ یاران کار آگہان  
 سوی بزم آن شخص سبزی فروش  
 بجز چاہی و قہوہ چیزی دگر  
 بجز ہانی و پیک دو تن روضہ خوان  
 کہ بی قند و چاہی ندار صفا  
 کہ در مجلس شربت قند نیست  
 فلان جاست بزمی چو بزم شہان  
 یقین دانم آن مجلس بی ریاست  
 ہمیش قند یزدی بجای شکر  
 کہ یا بددل از قلقل دی سرور  
 درخشد بر آتشش چون سہیل  
 بجز شربت قند ولیموں و برف  
 زہر کشوری ذاکری انتخاب  
 کہ گویند اور روضہ خوان باشی است  
 کہ دریای آواز را کشتی است  
 ز شیراز و از شو شتر و اصفہان  
 بود دیگران قشرو ایشاں چو مغز  
 بجان شمارفتن آنجا رواست  
 بدان بزم یکسر کنند اجتماع

یکی زان میان گوید ای ہمرہان  
 من و حاجی عباس رفقیم دوش  
 نبود اندر آن مجلس مختصر  
 ندیدیم آنجا کس از مردمان  
 نشستن در آن بزم نبود روا  
 خداوند از آن بندہ خرسند نیست  
 ولیکن بروزی دہ انس و جان  
 عجب مجلس خوب و راحت فریاست  
 در آن بزم چاہی بود آق پر  
 زنی بیچ قلیانہای بلور  
 رود عطر تنباکولیش چند میل  
 نخواہد در آنجا شود آب حرف  
 نمودہ است بانی عالیجناب  
 یک از ذاکران میرزا کاشی است  
 دگر زان کسان ذاکر رشتی است  
 ذکر مان و از یزد بکرمان شہان  
 ہمہ موسیقی دان و خوش صوت و نعر  
 حقیقت عجب مجلس بی ریاست  
 چویاران کنند این سخن استماع

عہد صفویہ میں آل بابر کی سرپرستی میں جو ادب پیدا ہوا اس میں فحاشی بہت کم ہے۔  
 قطعہ ذیل میں عربی اپنے ان مخلص اور غیر مخلص دوستوں کی ہمدردی کا خاکہ پیش کرتا ہے جو  
 اس کی علالت کے زمانہ میں عیادت کے لیے آئے تھے۔ منافقین جس انداز سے اسکی عیادت  
 کرتے تھے اس سے عربی کو بہت تکلیف ہوتی تھی اس نے اس قطع میں واقعے کی جو منظر کشی کی  
 ہے وہ نہایت عمدہ اور کثافت سے پاک ہے:

کہ باشدت بفتاق معاشران رہبر  
 مریض کردہ تنم را عداوت داور  
 کہ مستحیل شود آفتاب را جوہر  
 کہ بہر دوزخیان شربتی برد بسقر  
 ز نسخہ ہای اطبا نہادہ صد دفتر  
 بدور بالمش بستر نہادہ صد ممبر  
 کہ روزگار وفا باکی کرد جان پدر  
 کجاست دولت جمشید و ملک اسکندر  
 بجز خدای کن از ہرچہ ہست قطع نظر  
 کند شروع و کشد آستین بدیدہ تر  
 تمام راہ روایم و دہر راہ گذر  
 کہ ای وفات تو تاریخ "انقطاع ہنر"  
 کہ نظم و نثر تو من جمع میکنم یکسر  
 بدعای تو دیباچہ ای تو درج گہر  
 چنانچہ ہستی مجموعہ ای صفات و سیر  
 اگرچہ خضر کمال تو نیست حد بشر  
 کہ این منافقان راچہ آورم بر سر

فسانہ ای بشنو عرفی از من بیمار  
 ز عاطفت بمکافات معصیت دوسہ زور  
 حرارت لبتم از عاریت کند شاید  
 گرفت مالک دوزخ متاع قارورہ  
 زرفہ یکسر مودرد بر سر بالین  
 من او فنادہ بدین حال و دوستان فصیح  
 یکی بریش کشد دست و کج کند گردن  
 بجاہ و مال فرو مایہ دل نشاید بست  
 محل رفتن دل با خدای داشتن است  
 یکی نبری آواز و گفتگوی حزیں  
 کہ جان من ہمہ را این رہبت باید رفت  
 یکی بچرب زبانی سخن طراز شود  
 فراہم آی و پریشان مدار دل زینہار  
 پس از نوشتن و تصحیح میکنم انشاء  
 چنانچہ ہستی فہرست دانش و فرہنگ  
 کہ نظم و نثر در آویزم و فروریزم  
 خدای عز و جل صحتم دہد بیند

عرفی کی نمایاں ذاتی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مغرور، کم بین اور خود ستا تھا اس کے باوجود  
 نہایت حاضر جواب اور ظریف الطبع تھا۔ عرفی کی ظہوری سے اکثر خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ  
 ظہوری نے کشمیر کی شال تحفہ میں بھیجی، غالباً شال معمولی درجے کی تھی، عرفی نے جواب میں تین  
 رباعیوں پر مشتمل ایک رقعہ لکھا جو شال کی ہجو میں تھیں۔ ایک رباعی ذیل میں نقل ہوتی ہے:

آیات رعوت مرا تفسیر است  
 صد رخنہ بکار مردم کشمیر است

این شال کہ وصفش نہ حد تقریر است  
 نامش کنی قماش کشمیر کزو

عربی نے ایک مرتبہ اکبر کے عطا کردہ گھوڑے کی ہجو بھی لکھی جس کا ذکر آئندہ اوراق میں آئے گا۔ باوجود بد مزاجی اور غرور کے عربی نے کسی کی ہجو سے اپنی زبان کو آلودہ نہیں کیا۔ بہت ممکن ہے وہ کسی کو اس لائق ہی نہیں سمجھتا ہو، اس لیے کہ کسی کی مذمت کرنا اس کی اہمیت کو منفی طور پر تسلیم کرنا ہے۔ ایک قصیدہ میں بہت جل کر کہا ہے تو صرف اس حد تک اکتفا کیا۔ ع  
 بامن از جہل معارض شدہ نامنفعلی

## ہجو گوئی از او اسط قرن سینر دہم تا او اسط قرن چہار دہم ہجری

زندگی کی طرح ادب بھی ایک نامیاتی حقیقت ہے جو ماحول اور زمانہ کے مطابق مختلف طرز و روش اختیار کرتا رہتا ہے۔ صفوی دور میں زندگی چونکہ پر تکلف اور وضع دار تھی لہذا ادب میں بھی تکلفات کو شعوری طور پر بروئے کار لانے کی کامیاب کوشش کی گئی یہاں تک کہ یہ ایک خاص طرز بن گئی اور اس طرز خاص کو سبک ہندی کے نام سے موسوم کیا گیا اس لیے کہ اس کی داغ بیل ہندوستانی ماحول میں اور ہندی مزاج کے مطابق پڑی تھی۔ لیکن عہد صفویہ کے اختتام کے بعد تقریباً پچاس ساٹھ سالوں تک عبوری دور رہا، پھر جب سلسلہ قاچار یہ کی حکمرانی ہوئی تو ایرانی ادبیات نے ایک نئی کروٹ لی۔ مغلوں کے عہد کی طرز اور سبک پر زوال آنے لگا۔ شاعروں اور مؤلفوں نے متقدمین استادان فن مثلاً منوچہری، فردوسی، عنصری، فرخی، انوری اور خاقانی وغیرہ کے افکار اور اظہار کے طرز و روش کا اتباع کرنا شروع کیا۔ پر تکلف سبک کارواج تیموری عہد میں ہی ہو چلا تھا لیکن صفوی دور کی مضمون آفرینی، نکتہ سنجی اور جملہ بندی جو سبک ہندی کے نام سے مشہور ہوئی تھی ماند پڑ گئی اور ایران میں قدما کے اسلوب کی طرف رجوع کرنے کی تحریک شروع ہوئی جو ادبی بازگشت کہی جاسکتی ہے۔

گذشتہ ادوار کی مانند اس عہد میں بھی ہمیں چند آفت خوردہ شعرا کی آوازیں شعر میں ملتی ہیں۔ ایسے شعرا میں ایک وصال شیرازی ہے جسے فتح علیشاہ نے بر بنائے کسب کمال افراط و ہزار تومان عطا کیا اور ایک سو چالیس تومان نقد اور پچاس خروار گندم سالانہ مستمر وظیفہ کے طور پر مقرر کر دیا۔ کچھ برسوں تک یہ وظیفہ وقت معینہ پر ملتا رہا لیکن بعد اس میں تاخیر ہونے لگی (۱)۔ تاخیر مستمری کی شکایت میں کئی شکوائی قطععات لکھے جن میں ایک یہ ہے:

حکومت معتمد اولہ واحسان وزیر	گر بے ساخت گرفتہ است خدایا تو مکیر
روز برنائیم از خوان عطا پروردی	شاید امروز بہ بخشی کہ شدم عاجز و پیر
رزق ہر روز زد یوان تو دارم وانگاہ	زیب دیوان من از مدح امیرست و وزیر

(۱)۔ نہضت ادبی ایران در عصر قاچار، تالیف ابراہیم صفائی، طبع تہران، ص ۷۷۔

پھر ایک قطعہ میں دفتر و طیفہ کی ہجو لکھتا ہے:

ای دفتر و طیفہ نہ، ای نام بی نشان  
نقش تو در میان نہ، و نام تو بر زبان  
من بست وعدہ تو طلبگار را نفس  
چونان کہ مژدہ ات زن و فرزند را زبان  
اکنون اگر برات تو افتد بدست کس  
ہرگز کسش زد دست نگیرد بر ایگان

وصال شیرازی (متوفی ۱۲۶۲ھ) نے اپنے دوست اور ہمکار قآنی کی مثل شیراز کے لوگوں کی شکایت لکھی۔ یہ ہجو یہ اشعار اس کی اخیر زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ وصال شاکی ہے کہ شیراز کے لوگوں نے اس جیسے دانشمند بزرگ اور شاعر معروف کی قدر نہ کی اور حاسدوں نے اسے تکلیف پہنچانے کی کوشش کی:

چہ شد پارس کاہل وفائی ندارد  
منہ دل بر آن کاشنائی ندارد  
مروگر توئی اہل دانش در انجا  
کہ کالای دانش روئی ندارد  
بہ مرزی چہ پوئی کہ مردی نہ بینی  
دہش نیز اہل دہائی ندارد  
ز شیراز ماتم انسان نروید  
بلی ہر زمین ہر گیائی ندارد  
بجز خود پرستی حسودی نزاید  
بجز شور بختی گدائی ندارد

وصال کا وظیفہ روک دیا گیا تھا لیکن پھر اس کا اجرا ہوا۔ اس کی اخیر زندگی میں سوائے وظیفہ کے اور کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہ تھا اور اس میں بھی کچھ نہ کچھ رخنہ اندازیاں ہمیشہ ہوا کرتی تھیں۔ جب تک شجاع السلطنہ فارس میں رہا وظیفہ وقت پر ملا کیا اور جب وہ خراسان چلا گیا تو محمد شاہ صاحب دیوان وزیر فارس کے زمانے میں بھی وظیفے میں تاخیر نہیں ہوتی تھی لیکن اس کے بعد خصوصاً معتمد الدولہ منوچہر خان گرجی کے عہد حکومت میں بہت تاخیر ہونے لگی۔ اس کی شکایت وصال نے محمد شاہ، حاجی میرزا آقاسی اور والی فارس تک کی۔ معتمد الدولہ کے زمانہ حکومت میں شاعری کی شکایت کرتا ہوا وصال کہتا ہے:

کس نیست کہ گوید بمن ای بیہدہ گفتار  
ای زشت بگفتار و بکردار و برفتار  
گشتی ادب آموز و بدین گونہ یہ روز  
گشتی سخن آرا و بدین گونہ شدی خوار  
چندانکہ ترا کاست ہنر بیش فزودیش  
ای برہمہ خواری ہنر مند سزاوار  
دیوان تو اپناشتہ از مدح بزرگان  
در کیسہ نہ در ہم بودت یچ نہ دینار

زین پیش گروہی پی این کار برقتند  
 شاید تری کس نہ چو ایشان برشاہ  
 امروز چوبازار ادب سرد بہ بنی  
 سود ہمہ زین پیشہ و نفع ہمہ زین کار  
 بایستہ تری کس نہ چو این قوم بدربار  
 آخر بچہ روگرم بتازی تو بہ بازار؟

آئندہ اوراق میں اس عہد کے دوسرے معروف ہجوگویان قائم مقام فراہانی، قاآنی  
 اور ینغالی جندقی پر روشنی ڈالی جائے گی۔



## قائم مقام فراہانی

میرزا ابوالقاسم قائم مقام فراہانی (متوفی ۱۲۵۱ھ) متخلص بہ ثنائی میرزا عیسیٰ قائم مقام فراہانی (جو مرزا بزرگ کے نام سے مشہور تھے) کا بیٹا تھا۔ اس عہد میں ایران و روس کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں اور ایران کو بھاری نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ ۱۲۳۸ھ میں میرزا بزرگ کا انتقال ہو گیا۔ فتح علی شاہ کے حکم سے میرزا ابوالقاسم کو اپنے باپ کے تمام امتیازات حاصل ہوئے۔ اسے بھی سیدالوزرا اور قائم مقام کا لقب دیا گیا۔ ابوالقاسم کو نائب السلطنہ ولی عہد کی وزارت ملی لیکن حاسدوں اور بدخواہوں نے اس کی جڑیں کریدنا شروع کیں۔ ایک سال کی وزارت کے بعد بدخواہوں کی سازشوں، ذاتی خودداری اور بعض امور میں ولی عہد سے نظریاتی اختلاف ہونے اور روس سے دوستی پیدا کرنے کے اتہام میں فتح علی شاہ کے وزیر عباس میرزا نائب السلطنہ کبیدہ خاطر ہو گئے اور میرزا ابوالقاسم کو معزول کر دیا گیا۔ تین سال تک تبریز میں بیکار بیٹھا رہا۔ اس نے شاہ اور ولی عہد کو اپنی بیگناہی کے اعذار میں خطوط لکھے لیکن بدخواہوں کی وجہ سے اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس عہد میں کئی شکوائی قصیدے بھی ابوالقاسم نے نظم کیے۔

تین سال کی معزولی کے بعد ۱۲۴۱ھ میں دوبارہ نائب السلطنہ کا وزیر، ولی عہد کا پیشہ اور آذربائیجان کا پیشکار مقرر ہوا۔ ۱۲۴۲ھ میں فتح علی شاہ روس کے ساتھ اعلان جنگ کی تجویز پر عوام کی رائے لینے کے لیے تہران سے آذربائیجان گئے اور عوام و خواص کی ایک بڑی مجلس میں روس کے ساتھ جنگ یا صلح کی تجویز پیش کی گئی۔ عوام کا ہر طبقہ اور خواص کا ہر درجہ جنگ آزمائی کی حمایت میں تھا۔ جب بادشاہ نے قائم مقام کی رائے معلوم کرنا چاہی تو اس نے اظہار رائے سے پہلو تہی کی لیکن بادشاہ کے اصرار پر عوام کے خیال و تصور کے خلاف اور طاقت، مالی قوت و انتظام کے پیش نظر روس و ایران کی باہمی جنگ کو ایران کے لیے نقصان دہ ثابت کیا اور کہا کہ ایران کو روس کے ساتھ صلح کر لینی چاہیے۔ قوم کے نظریہ کے خلاف رائے زنی کرنے کی وجہ سے لوگوں نے اس پر اعتراضات کیے اور اس کے رویہ کو روس کے ساتھ پوشیدہ دوستی بڑھانے پر محمول قرار دیا گیا اور اسے اس قدر متہم کیا کہ شاہ کا ذہن بھی پھر

گیا اور شاہ نے اسے برطرف کر دیا۔ اس طرح قائم مقام دوبارہ معزول ہوا اور چونکہ اس زمانہ میں ایران کی روس کے ساتھ جنگ تھی لہذا قائم مقام کا تبریز میں رہنا مصلحت وقت کے خلاف سمجھا گیا اور اسے خراسان بھیج دیا گیا۔ قائم مقام مشہد میں مقیم ہو گیا۔

جب جنگ ہوئی تو قائم مقام کی پیش گوئیاں درست ثابت ہوئیں اور روس کی فوج تبریز پر بھی قابض ہو گئی۔ شاہ نے قائم مقام کو بلا بھیجا۔ پھر ایک صلح نامہ ولی عہد اور روس کے درمیان تیار کیا گیا۔ قائم مقام کو ولی عہد کے پاس بھیجا گیا کہ وہ جنگ بندی کا اعلان کر دیں۔ اب قائم مقام کو تیسری بار وزارت ملی اور آذربائیجان میں نائب السلطنہ کے ساتھ تمام امور میں شریک رہا۔

فتح علی شاہ کی موت (۱۲۵۰ھ) کے بعد محمد شاہ نے تخت شاہی پر جلوس کیا۔ قائم مقام کو محمد شاہ نے ایران کی صدارت عطا کی۔ قائم مقام اپنی اہم سیاسی مصروفیات اور ملکی خدمات و اصلاحی اقدامات کی وجہ سے درباریوں سے باہم اختلاف نہ رکھتا تھا جس کی وجہ سے شاید انہیں کچھ خسار نہیں ہوتا تھا۔ قائم مقام نے اپنی بلند فکری اور مغرور طبعی کی وجہ سے کسی کی پروا نہیں کی اور تملق و چاپلوسی سے جو ایران کا شیوا رہا ہے ہمیشہ دور رہا۔ درباری اس کے خلاف ہوتے گئے اور بادشاہ کا کان بھرتے رہے۔ شروع میں تو اس کا کوئی اثر نہ ہوا لیکن جب قائم مقام ایک دوبار بادشاہ کی مجلس سے صرف اس بنا پر اٹھ گیا کہ وہ امور مملکت سے واقف نہیں تو اس حرکت سے بادشاہ کو قائم مقام کے بدخواہوں اور مخالفوں کی باتوں پر یقین آ گیا۔ روز بروز بدگمانی بڑھتی گئی اور بالاخر مخالفوں کی تحریک و تلقین پر بادشاہ نے اسے اپنے غلاموں کے ذریعہ ۲۳ صفر ۱۲۵۱ھ کو قتل کروادیا۔

قائم مقام کی زندگی ہمیشہ پریشانیوں اور بدخواہوں کی عیب جوئی کی وجہ سے صعوبتوں کا شکار رہی۔ اس کے اشعار میں اس قسم کی جویں ملتی ہیں۔

قصیدہ ذیل زمانہ انفصال اور معزولی میں قلم بند کیا گیا۔ اس تین سال کی مدت میں ہم ظرف لوگوں نے شاہ اور ولی عہد کو قائم مقام کا سخت دشمن بنا دیا۔ اشعار ذیل میں زمانہ دوستوں کی فتنہ جوئی اور حکام عراق اور ولی عہد و شاہ کی شکایت و مذمت کی گئی ہے۔ قصیدہ مطلع ذیل سے شروع ہوتا ہے:۔

ای بخت بد ای مصاحب جانم ای وصل تو گشتہ اصل حرانم

چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں:

چون خواب گرفته سخت دانا نم	چون طوق فشرده تنگ حلقوم
بر خوان جفای چرخ مہمانم	عمریت کہ روز و شب ہمیداری
ہر شام چرا کنی ہراسانم	ای شعبده گر فلک بشب بازی
زان تربت آستان خدانا نم	گر رای تو بود اینکہ من یک چند
زان روز کہ بود عزم تہرانم	بایست بمن نہفتہ فرمای
رسوائی فرنگ و روم و ایرانم	نہ اینکہ بکام دشمنان سازی
درکار جہان چو طفل نادانم	افسوس کہ پیر گشتم و ہمباز
نہ عالم افترا و بہتانم	نہ سالک راہ و رسم تزویرم
نہ درس ریا و سمعہ می خوانم	نہ فن فساد و فتنہ می ورزم
نہ مفتی رازہای پنهانم	نہ منشی کارہای مذموم
نہ قاطع رزق جیش سلطانم	نہ مانع برگ عیش درویشم
آید بسر از جفای دورانم	زانست کہ ہر زمان بلای نوع

### مذمت عمال آذربایجان

مرا تبریز تمیز است و لب از شکوہ لبریز است  
 چه آذر ہا بجان از ملک آذربایجان دارم  
 چنان منت کشم از عامل سہلان و اسفہلان  
 کہ گوئی کشور کاشان و ملک اصفہان دارم  
 ز سربازان آتش باز خصم انداز تبریزی  
 ہزاران عرچی در ہر گذر از ہر کران دارم  
 ہمہ جاراہا در چنگ و آتشیارہا در جنگ  
 کہ پیش حملہ شان پولاد را چون پرنیان دارم  
 بہ جنگ من کند آہنگ آن سرہنگ بی فرہنگ  
 کہ ہم عارست و ہم ننگ آنکہ نامش بر زبان دارم

علی مردان مردودان کہن نامرد نامودود  
 کہ در اوصاف او صدداستان از باستان دارم  
 برات فوج شیران زان بمن شد درہمہ ایران  
 کہ بہر طعمہ پندارند مشتی استخوان دارم

میرزا ابوالقاسم ہمدانی کی ہجو کرتا ہوا کہتا ہے:

من در تعب از اینکہ طعییم لعین است  
 اور در طرب از اینکہ صنعییش سنیع است  
 فرق است میان دو ابوالقاسم کورا  
 احرار قرین این را اثرار قرلیع است  
 اور وزو شب اندر بر خدام وجیہہ است  
 این دمبدم اندر دم صمصام وقیع است

معزولی کے زمانہ میں زمانہ اور بد خواہوں کی شکایت میں کہتا ہے:

بہر جاباشی و صد بد بہ بنی این بتر نبود  
 کہ این جا خاتم جم را بدست اہر من بنی  
 نہال خدمت و کالای قدمت را درین کشور  
 پشیمانی ثمریابی پریشانی ثمن بنی

ہجو زاہد و حاج میرزا آقاسی:

زاہد چہ بلائی تو کہ این رشتہ تسبیح  
 از دست تو سوراخ بسوراخ گریزد  
 حرف از دهن تست کز این سان بچہ تیز  
 یا تیز کہ از معدہ نفاخ گریزد  
 من از تو گریزانم زیرا کہ روانیست  
 گر صاحب تقوی نہ زاد ساخ گریزد  
 در مذہب من از سگ گر بہ بشد کمتر  
 شیری کہ چو گادش بزند شاخ گریزد  
 آن غوک غدیر است کہ از رودہ بترسد  
 دہان موش بیابان کہ ز سلاخ گریزد.. الخ

آصف الدولہ اور تمام فوجی افسران کی ہجو جو جنگ روس میں مقابلے کی تاب نہ لا کر

میدان جنگ سے بھاگ چلے تھے:

بگریز بہنگام کہ ہنگام گریز است  
 رودر پی جان باش کہ جان سخت عزیز است  
 جانست نہ آنست کہ آسائش تو ان داد  
 شناس کہ آسان چہ ود شوار چہ چیز است  
 ای خان نان و نمک شاہ و ولی عہد  
 حق نمک شاہ و ولی عہد گریز است

از رودز کم آمده تادیزج و دیز است  
بل تازه عروس ست و پی جمع جہیز است  
نہ مرد نبرد است زنی فجبہ و ہیز است  
باللہ نہ غلامست اگر ہست کنیز است  
بادشنہ چو بین کہ نہ تند است ونہ تیز است  
در قدر و بہا بین کہ نہ فلس ونہ پیشیز است

آن آہوی رم دیدہ کہ در یک شب ویکروز  
نہ دشمن روس ست ونہ در جنگ و جہلاست  
آن صلح بہم برزن و از جنگ بدرزن  
گوید کہ غلام در شاہنشہم اما  
حاشا کہ توان آہن و پولاد بریدن  
در عز و غنائین کہ بالف و بکرو راست

### دیگر

تاچہ بود اقتضای رای ولی عہد  
ہیچ نبودند آشنای ولی عہد  
قدر و جود گران گران بہای ولی عہد  
نہ زولی عہد و نہ زخدای ولی عہد  
دوست جان خود و عطای ولی عہد

ما ہمہ سہ بر کفیم و گوش بہ فرمان  
پشت بدادند آن چنان کہ تو گوئی  
طائفہ بی بہا کہ ہیچ ندانند  
وای بر آن ناکسان کہ شرم نکردند  
دشمن مال خدا و دین پیبر

عباس میرزا ولی عہد کے مہر دار حاج حیدر علی خان شیرازی کی ہجو:

کہ پشت چرخ گردوں پیش خدام تو خم باشد  
بعین ہیچو عم در ملک شاہان بل اعم باشد  
ز بیخ مردہ شو شاخی کہ روید شاخ غم باشد  
بدست دیوزادی بد نثرادی مہر جم باشد  
تراز حمت پیاپی در دو محنت دمبدم باشد  
کہ نحسی در سقر خوشتر کہ سعدی در سقم باشد  
کہ باجی خوشقدم بہتر ز حاجی بد قدم باشد  
کہ خادم بی جہت محروم و خائن محترم باشد  
کہ شہد از دست اوز ہرست و او بدتر ز سم باشد  
کدامی جانور رانز نہیب شیر ز باشد  
مگر باید کہ صید تو ہی صید حرم باشد

جہاندارا خدیوا آن توئی امروز در عالم  
کجا باشد سکون آن ذات مفسدرا کہ افشاندش  
اگر از تخم اسلاف خود است این ناخلف لاشک  
وگر از دیگران است الحق انصاف این بود کہ اکنون  
از آندم کین جہود بد قدم رابطہ پیداری  
بیا این سفلہ را ہالک کن و دستور مالک کن  
سپیدی نر کہ داری با سیاہ مادہ سودا کن  
مرا زین درد بی درمان بود زین آستان حرمان  
چرا از دست زشت بد سرشتی زہر غم نوشم  
نہ تنہا من ز بیم چون تو سلطانی رمی دستم  
چرا مارا کشی رود دشمن دین خدا را کش

## دیگر

شکوہا دارم اما ز فلک زانکہ فلک  
مسجد و منبر و محراب بہ حجاج دھد  
نہد دولت و شغل و عمل آن را ہرگز  
مثل بندہ و این پیر مشعبد گوئی  
یارب این زہد ریائی چہ بلائی بودست  
آنکہ شہ کشت و شش کشت شہان را باید  
ملک خود ایمین ازین بد کن کہ اکنون  
یار او باش شود یاور او غاد بود  
گوشہ گیری ہمہ با سید سجاد بود  
کہ نہ در صنعت اخذ و عمل استاد بود  
مثل زال فریبده فرہاد بود  
کاین بلاہا ہمہ در خرقہ زہاد بود  
حذر از ہر کہ ز تخم بد او زاد بود (۱)  
ہچو صید یست کہ در ہنچہ صیاد بود

شاعر متخلص بہ بدیع کی ہجو جو غیر مانوس و سخن الفاظ کو فصاحت کی سند کے طور پر

استعمال کرتا تھا:

ای بدیع آہستہ تر و بس بدیعت اینکہ تو  
من چنان گویم کہ حرف زشت را زیبا کنم  
گر بسد لفظ اندرون یک حرف من باشد خطا  
ورچہ ناید در عدد خط و خطاہای تو لیک  
جرم یدان چیست ہر جا خود تو از نا بخردی  
ہچنان کہ ہرچہ در شہنامہ گفت استاد طوس  
توبہ کن استغفر اللہ کفر محض است اینکہ تو  
ہر خطائی را خطائی فاش تر آری دلیل  
خود چرا در سلک نظم و قید وزن آری سخن  
گر گنہ کردند ثابت کن و گرنہ بی ثبوت  
چون دگر خربندگان از فعل و مقود بازگو  
تا کجا جہل مرکب ای بدیع آخر چرا  
مردانا را بد آید زین سخنہا زینہار  
شعر چو من شاعری را شاہد خود میکنی  
تو چنان گوئی کہ لفظ خوب را بدی کنی  
تو بیک لفظ اندرون خبط و خطا صد میکنی  
سجہ صد دانہ را بردار اگر عدی کنی  
زشت را گرد آوری مقبول را ردی کنی  
اکتفا بر لفظ جمشید مشد می کنی  
ثاذا حق را قیاس از راز احمدی کنی  
راست گوئی وضع فاسد را بافسدی کنی  
ظلم محض است اینکہ مطلق را مقیدی کنی  
بی گناہان را چرا جس مویدی کنی  
تو چہ حد داری کہ نعت تاج و مندی کنی  
تو بدین ترکیب بحث از ذات مفردی کنی  
روزبان در کام در کش گر خوشامدی کنی

(۱) - حاج حیدر علی خان کے باپ حاجی ابراہیم خان شیرازی اعتماد الدولہ کی طرف اشارہ ہے جس نے  
بادشاہ زند کا قتل کیا۔ فتح علی شاہ نے اسے آگ پر چڑھے دیگ میں کھولتے ہوئے پانی میں ڈلوادیا۔

ہجو

شیطان توئی ای حاجی و عیار توئی      بیرون کن بوالبشر ز گلزار توئی  
 اما کہ درین کارزیان کار توئی      کو مالک خلد و ہالک نار توئی

رشتی علی ای وای کہ بدنام شدی      باز میچہ کودکان حمام شدی  
 رفتی کہ کنی رام خودت رام شدی      با این ہمہ پنچنگی چراخام شدی

قائم مقام کا ایک غلام مسمی جلا یر تھا۔ قائم مقام نے ایک ہزار ابیات پر مشتمل ایک مثنوی اسی غلام کی زبان میں نظم کی ہے جو ہزل آمیز، عامیانہ اور لغت و قوافی و عروض کی رعایتوں سے عاری ہے۔ اس مثنوی کی نظم و ترتیب کے محرکات میں اول یہ ہے کہ معاہدہ ترکمان کے بعد عوام میں خادم و خائن کی بحث چھڑ گئی۔ قائم مقام نے اس مثنوی میں خادم اور خائن کو عوام سے متعارف کر لیا ہے۔ دوسرے یہ کہ محمد میرزا ولی عہد نے علی شکر کی قلمرو کو قائم مقام کے جملہ املاک کے ساتھ غارت کر دیا اور روس کے ساتھ صلح ہونے پر تبریز آ گیا۔ تیسرے عباس میرزا کی خدمات اور مزاحم سے فتح علی شاہ، تمام اولیائے سلطنت اور عوام الناس کو اس مثنوی کے ذریعہ واقف کرانے کی سعی کی ہے۔ ”جلا یر نامہ“ کے ابیات بہت زیادہ فحش اور گالی گلوچ سے پر ہیں۔

## قاآنی شیرازی

میرزا حبیب اللہ ۱۲۲۲ھ میں شیراز میں پیدا ہوا۔ شروع میں حبیب تخلص کرتا تھا لیکن جب شجاع السلطنہ محمد علی شاہ فرزند فتح علی شاہ کاندیم و غشی مقرر ہوا تو شجاع کے دوسرے لڑکے اوکتائی قاآن میرزا سے انس و الفت بڑھنے لگی۔ اس شاہزادہ نے بھی غایت محبت کا اظہار کیا۔ حبیب نے اسی اوکتائی قاآن میرزا کے نام کی مناسبت سے اپنا تخلص قاآنی اختیار کیا۔ قاآنی کی زندگی میں بھی ایسے واقعات ملتے ہیں جس نے اسے ہجو گوئی پر آمادہ کیا۔ یہ شیراز سے ایک طویل مدت تک دور دور رہا۔ شیراز کے قدیم دوستوں نے اسے بلایا۔ قاآنی واپس آیا اور کچھ دنوں تک اس کی زندگی خوش و خرم طور پر گزری لیکن دو تین سال بعد شیراز کے خواص اور دوسرے ارباب و شعرا اس سے جلنے لگے۔ ان کی اس حرکت سے قاآنی کی لطیف و نازک طبیعت کو بڑی تکلیف پہنچی۔ پھر ان ہی دنوں فارس کا حاکم بھی تبدیل ہو گیا اور اس کی جگہ پر معتمد الدولہ منوچہر خان گرجی مامور ہوا۔ یہ علم و ادب اور شعر و شاعری سے بے بہرہ تھا اور فضل و دانش سے بھی متصف نہ تھا۔ شاہ نے قاآنی کا جو وظیفہ مقرر کر رکھا تھا اسے گرجی نے معطل کر دیا لیکن بہت سعی کرنے کے بعد بازیافت ہوئی۔ قاآنی ان دنوں بہت پریشان رہا اور نہ صرف سامان معیشت سے تنگ حال تھا بلکہ اس تنگ حالی کی بنا پر اس دو شیزہ کو بھی طلاق دیدینا پڑا جس سے اس نے شیراز میں شادی کی تھی۔ ملک پارس اور یہاں کے عوام کی مذمت کرتا ہوا کہتا ہے:

گر تاج زر نہند ازین پس بسر مرا	بردر گم امیر نہ بینی دگر مرا
ادباز تیز پنجه و من صعوة ضعيف	روزی بہم فروشنند بال و پر مرا
چون عقدہ دلم نکشاید بملک پارس	باید کشید رفت سوی کا شغیر مرا
از صد ہزار غصہ یکی باز گوئمت	خوانی مگر بہختی لختی جگر مرا
خواند مرا امیر امیران بہ کاخ خویش	ناخواندہ پاسباش راند ز در مرا
فراش آستانش افشاند آستین	ہست آستین ازان روبر چشم تر مرا



مانم چرا پارس کہ نبود در آن دیار  
از روز و شب گریزم اگر بہر روشنی  
نی آب و خاک نی شتر و گاؤ خر مرا  
باید کشید منت شمس و قمر مرا

کلام میں قافیا کی سی سلاست و روانی اور لحن موسیقی بہت کم شعرا کو نصیب ہوئی۔ قافیا نے جا بجا منظر کشی بھی کی ہے۔ ان میں کہیں بہار و خزاں کے نقشے ہیں کہیں ایرانی حمام کا ذکر ہے اور کہیں واعظوں پر چوٹیں ہیں، کہیں عشق و عاشقی کی بزم آرائی ہے اور کہیں دیگر واقعات۔ ان سب میں بے تکلفی کے ساتھ ہجو و ظرافت کے نقش و نگار بھی ہیں۔ واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ تمام جزئیات کو ادا کرتا ہے لیکن سلاست و صفائی اور روانی میں فرق نہیں آتا۔ ایک قصیدہ میں مزاح کے پیرایہ میں ہجو کے نیش پوشیدہ ہیں۔ ادائے مضمون میں بڑی بے تکلفی پائی جاتی ہے۔ تمہید کتاب میں ذیلی عنوان (د) "اقسام ہجو" کے تحت پورا قصیدہ نقل کیا جا چکا ہے۔ یہاں پر چند اشعار بطور قند مکر درج کئے جاتے ہیں:

ماہ رمضان آمد، ای ترک سمن بر  
واسباب طرف را بر از مجلس بیرون  
وان مصحف فرسودہ کہ پارینہ ز مجلس  
باز آر و بدہ تاکہ بخوانم دوسہ سورہ  
می خوردن این ماہ روانیست کہ این ماہ  
در روزہ حرام است بہ اجماع و لیکن  
بیش از دوسہ ساغر نتوان خورد کہ تا صبح  
یا خورد بدان گو نہ بہاید کہ ز مستی  
من مذہم این است ولی وجہ میم نیست  
ناچار من و مصحف و سجادہ و تسبیح  
برخیز و مرا سجدہ و سجادہ بیاور  
زان پیش کہ ناگاہ ثقیلی رسد از در  
بردی بہ شب عید و نیاردی دیگر  
غفران پدر خواہم و آمرزش مادر  
فرمان خدا دارد ویر لینگ پیہبر  
رندانہ توان خورد بہ شب یکدوسہ ساغر  
بولش رود از کام و خمارش رود از سر  
تا شام دگر بر نتوان خاست ز بستر  
وین کار نیاید بجز از مرد تو نگر  
وال دود شبان روزی و آن ذکر مقرر

اس کے بعد ایک واعظ صاحب کے مسجد میں آنے کا نقشہ کھینچتا ہے۔ ان کی سچی تصویر کے پیشکش میں طعن و طنز نمایاں ہیں۔ ریاکاری و ظاہر داری پر بڑی شدید چوٹ ہے:

دی واعظی کہ آمد در مسجد جامع  
چشمیش بسوی چپ و چشمی بسوی راست  
چون برف ہمہ جامہ سپید از پاتا سر  
تا خود کہ سلا مش کند از منعم و مضطر

آہستہ خرامیدی و موزون و موثر  
زان سان کہ بود قاعدہ در مذہب جعفر  
بنشست و قرآن خواند و بجنبانند ہی سر  
بر جست چو بوزینہ و بنشست بہ منبر  
بس عشوہ بیارود و سخن کرد چنین سر

زان سان کہ خرامد بر سن مرد رسن باز  
در محضر عام آمد و تجدید وضو کرد  
باری بہ شبستان شد و در صف نخستین  
فارغ نہ شدہ خالق ز تسلیم و تشہید  
وانگہ بر سر و گردن وریش و لب و بینی

### ہجو اہل فارس

بار خران چہ می بری ای اسپ تیز گام  
ہر گز نبودہ گاہ تو از آخر لنام  
و ندر طویلہ خوردی و خفتی علی الدوام  
واصل نگشت نعمت و حاصل نگشت کام  
نہ زخم کس ز دار و شان دیدہ التیام  
جز بوی کبر شان نرسد ہیچ بر مشام  
آن رنج ناشرمدہ سخن می خود تمام

گاہ خسان چہ می خوری ای رخش رہ نورد  
ہر گز نبودہ آب تو از منہل حسان  
دہ ماہ شد کہ خوی گرفتی بنای و نوش  
نفرین کنم پارس کہ از ساکنان او  
نہ ریش کس ز مرہم شان جتہ اندمال  
جز باد عجب شان نمد ہیچ دردماغ  
رنجی مراکز ایشان گرز انکہ بشرم

قطعہ ذیل میں حمام کی ہجو لفظ ہوئی ہے۔ مزاح کا عنصر غالب ہے۔

شدم بجانب حمام باشتاب تمام  
و سبع تر ز بیابان نجد و وادی شام  
تہی ز امن و سلامت لبالب از درودام  
زہر طرف مترانم در او سوام و صوام  
محال بود درو بی عصانہادن گام  
تمام جتہ صداغ و تمام کردہ ز کام  
ز خوف جان نہ شدی شخص بی سان و حسام  
ہدیدگان متحرک ہی نمود مدام  
چو کودکی کہ بردن آید از مشیمہ مام  
بسان خانیہ علاج رعشہ در اندام

بگاہ بام چو بر شد غریوکوس از بام  
پس از ورود بہ حمام عرصہ دیدم  
نعوذ باللہ حمام نہ بیابانی  
زہر طرف مترانم در و وحوش و طیور  
فضای تیرہ اش از بسکہ پر نشیب و فراز  
ز گند آب کہ یاج از برازی طلبد  
بہ صحن او کہ بدی پر زہر و شیر و پلنگ  
ز کثرت وزع و سوسمار دیوارش  
ہنورہ خانہ اش اندر جماعتی ہمہ عور  
قتضیب در کف و از غایت برودت شان

زبسکه پرده زعیب کسان در افگندی کسی نیافت که حمام بود یا تمام... الخ

هجو ممدوح

آن کلاه نامرادی بر سردانا نهد  
 گاه آن بر خواری دانا دو صد بهتان زند  
 در بر دانا اگر بیند لباس عبقری  
 بر تن نادان اگر یا بد پلاس دیلی  
 مگر بکین ناصر خسرو فرو بندد کمر  
 مگر سعادتها کند در باره مسعود سعد  
 مگر نماید انوری را صحرة او باش بلخ  
 مگر کند فردوسی فردوس فکر ت را غمی  
 چون کند کفران نعمت آنکه در ده سال واند  
 گر سگی یک هفته بر خوانی نیابد استخوان

این قبای کامرانی در بر نادان کند  
 گاه این بر پارگی نادان دو صد برهان کند  
 تار تارش را به سختی ازه و سوهان کند  
 موی مویش را بنری تو زوی و کتان کند  
 تامل او را در بد خشان مجلس از میکان کند  
 تامل او را در بهادر سکنه در زندان کند  
 تیره رای روشنش را چون شب تاران کند  
 تاملان میمندی ناپاک را شادان کند  
 مدح بی انعام گوید شکر بی احسان کند  
 از بی تحصیل ستخوان ترک آن سامان کند

هجو

دوستی گفت عیب من با غیر  
 چون وی آهسته عیب من میگفت  
 گویدم گر هزار عیب دگر  
 آفریدش خدا بصورت هجو  
 ند هم شرح مختصر گویم  
 من خود از عیب خود ابا نکنم  
 من همه اش عیب بر ملا نکنم  
 طبع بر عیب او رضا نکنم  
 هجو او بنده چون خدا نکنم  
 من هجارا دگر هجا نکنم

هجو

نفس با عقل آشنا نه شود  
 سفله را گر هزار گنج دهی  
 زاغ را نفرت ست از طوطی  
 نشود رام جز که با لوطی

هجو ممدوح

ای کاش وعده های تو در صدق و راستی  
 بودی چو شعر های من اندر شای تو

اکنون مرا رسیده به خاطر لطیفه ای  
جاوید تاکه همت بدیوان روزگار  
وارونه کلاه که گفتم برای من  
بگذشتم از کلاه و قبا چون شد آکتاب  
اعدات از جفای تو یارب چه میکشند  
از وعده دروغ کلاه قبای تو  
نام و نشان مدح من و مرحبای تو  
وارونه قبا که ندادی برای تو  
کش و صف کرد فکرت معجزنمای تو  
گر این بود وفای تو با اولیای تو

## دیگر

هفته ای می رود که چشم امید  
بعد عمرت دراز گم زکرم  
از توام مانده همچنان در راه  
چون زبان قصه ام کنی کوتاه

## هجو یغما جنتی

هفت اختر زن قبه و نه گنبد دوات  
آن شاعر زن قبه که یغماش ستایند  
گوئی همه زن قبه از خویش گگوئی  
زن قبه تو زن قبه تری از همه مردم  
پرگشته ز زن قبهی مرشد اشرار  
شعرش همه زن قبه و زن قبهی شکار  
فانی همه زن و از خود نه خبردار  
عالم همه زن قبه مجهول و تو مختار

عکس تو فاده در آئینه عالم  
زن قبه محالست که دست از تو بدارم  
زانست که آید همه زن قبه پدیدار  
تا آنکه بزنی قبهی خود کنی اقرار

## هجو

هر که دستار بسریک و جب است  
پیر ما هر دو صفت را دارد  
گر نظام العلما و الفضلاست  
او مگر نیز نظام العلماست

مسجد میں ایک زاہد کی عبادت گذاری کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ مذاہبہ المرزانداز،  
ملزبہ اظہار خیال اور چہیتی ہوئی ہجو گوئی قابل ملاحظہ ہے:

دوش چون سلطان چرخ گشت بمغرب بکین  
دیدم در پیش صف پاک گہر زاہدی  
سجہ ای صد دانہ اش منطقه آسمان  
جانب مسجد شدم از پی اکمال دین  
چون قمرش تافہ نور ہدی از جبین  
خرقہ ای صد پارہ اش مقنعه ای حور عین

حلقہ زنان چون افق از بر چرخ برین  
 بلکہ اولیس قرن نیز نبودش قرین  
 من شدہ تقلید جواز سر صدق و یقین  
 مرغ صفت زد صفیر از پی اشباع شین  
 از زیر بسملہ تا بہ سر نستعین  
 یکدوسہ ساعت کشید مدو لا الضالین  
 مخرج ضاد غلیظ چون دل ارباب کین  
 پاس دگر ماندہ است پاس نگہ دار بین  
 نفس بیکسو نہاد حرمت دین مبین  
 رختم واپس کشد واہمہ پیش بین  
 آمد و شد مر مرا جای گزین بریمین  
 صرفہ باخلاق جفت شرطہ بغایت عجین  
 نزد چنین شرطہ ای کوس شدہ شرمگین  
 بلغم بنی و حلق پاک کنان ز آستین  
 جبہ ای تاریک او تا بزخ جملہ چین  
 لیک لب از روزہ ام تشنہ ماہ معین  
 پیرز پروردگار ملتس حور و عین  
 راست چو تیر از کمان خواست اجل از کمین  
 وز رہ حلقوم پس زد نفس و اسپین  
 من شدم ازوی خلاص اوز تکالیف دین

رشتہ تحت الحنک از بر عمامہ اش  
 راستی اندرو را بود اولیس قرن  
 اوشدہ تکبیر گواز پی عقد نماز  
 از پی تکمیل فرض بسملہ را داد عرض  
 بر سمت قاریان پنج محل وقف کرد  
 نیز از آنجا گذشت تا بہ علیہم رسید  
 مدہ لین دراز چون عمل اہل آرز  
 گفتیم از شب دو پاس صرف یک الحمد شد  
 موعد تریاک شد جیب سکون چاک شد  
 بودم دل دل کنان کز صف پیشین چلان  
 ناگہ پیرنزار پیرتزاز روزگار  
 صرفہ کنان دمبدم شرطہ زنان پی بہ پی  
 پیش چنان صرفہ ای رعد شدہ شرمسار  
 از پی تلمیس خلق بر کف افگندہ دلوق  
 ہیکل باریک او تا بقدم جملہ کج  
 من ز تخیر شدہ خندہ زنان زیر لب  
 من شدہ از کردگار مرگ و را خواستگار  
 ناوک نفرین من شد ز قضا کارگر  
 ناگہ مانند قیر گشت سیہ رنگ پیر  
 پیر بدان شرطہ مُرد رخت ازین درطہ برد

قاآنی نے گلستان سعدی کے جواب میں کتاب ”پریشان“ لکھی۔ پریشان کے مطالعہ سے اس وقت کے بگڑے ہوئے معاشرے کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس میں ہجو و ظرافت کے بہترین نمونے ہیں۔ گرچہ اس کا بیشتر حصہ فحش ہے لیکن چند قطعے فحشیات سے پاک ہیں اور بڑی خوبی کے ساتھ قاآنی کی نثر نگاری میں نظم ہوئے ہیں:

## ہجو خواجہ

ای خواجہ اگر پیر و ارباب سلوکی  
سالوس کنی از پی ناموس و لیکن  
پادامن سالوس پرستان مدہ از دست  
گر تشنہ آبی چہ روی جانب آتش  
برخیز و بدر پردہ سالوس علی روس  
سالوس تو آخر بدر پردہ ناموس  
یا بر سر میدان فنا خیز و بزن کوس  
ور طالب فقری چہ روی از پی سالوس

قطعہ ذیل میں ایک حسین عورت کی مذمت کی گئی ہے جس کے سرین کوہ الوند کی  
چوٹی کے مانند تھے اور وہ ایسے لباس زیب تن کرتی تھی جس سے سرنیوں کی نمائش ہو سکے:  
گل نہادست بسرکین رخ گلگون من است  
کوہ الوند زدشت ہمدان دزدیدہ  
سر و بگرفتہ بسرکین قد موزوں من است  
زیر شلوار نہان کردہ کہ این کون من است

قطعات ذیل میں ریاکاروں، ظاہر پرستوں اور مذہب کے جھوٹے دعویداروں کی  
مذمت کی گئی ہے:

ای بساکس کز برون باشد چو سیمین خوش عیار  
ہر زمان از بہر سالوس و ریادرنزد خلق  
چون کسی گوید بدو کاخرچہ گوئی زیر لب  
پشمگان مخمور سازد پس بصد غنج و دلال  
دزدرو مانند سیم قلب سر تا پا غش است  
سجہ دردست و زبان در کام او در جنبش است  
این چہ ذکر جانفزاو وین چہ ورد دلکش است  
سر بچباند کہ یعنی دم مزن دروی خوش است

## دیگر

چون زبانت نیست بادل آشنا  
زشت باشد پارسائی خود پرست  
لاف ایمان محض کفر است و دغل  
سجہ اش دردست و مینا در بغل

ای دیو ز کوی اہل توحید  
ترسم کہ بجای پانہی سر  
چیزی نہری بزرق و دستان  
در خانقہ خدا پرستان

ای کہ گفتی مبین بصورت خوب  
گوش اگر نشود حکایت یار  
صورت خوب بہر دیدارست  
بربنای گوش مردمان بارست

بر من مست چند طعنه زنی  
 گر عبادت بمردم آزاری ست  
 من ز دریا روم تو از خشکی  
 نفس بیدار گفت دارم شیخ  
 آخرای زاہدین چه آزار است  
 زان عبادت خدای بیزار است  
 بسوی کعبہ راہ بسیار است  
 نہ چنانست نقش پندار است

## دیگر

زہد ازان زاہدان بود بیزار  
 فرقہ حیلہ باز و زشت و فضول  
 شرع را دام مکر و شیر کنند  
 ہر یکی خلق را ز خبث تمام  
 نسبت لعنت دہند بخلق  
 تاکہ عای بدان قرآت شوم  
 کہ رسانند خلق را آزار  
 کردہ تضحیح شرع پاک رسول  
 تاکہ آزار عمر و زید کنند  
 بقرآت ہی دہد دشنام  
 عین ملعون او کنند بخلق  
 گاہ سر کرد شان کنند ہجوم

## یغمای جندقی

میرزا ابوالحسن جندقی اپنی فحش ہجووں میں لفظ ”زن فجبہ“ بہت استعمال کرتا تھا اسی لیے زن فجبہ ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یغما کچھ زمانہ تک ایک بد مزاج اور بد زبان امیر ذوالفقار خان سمنانی کے یہاں منشیوں میں نوکر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے فحش کلام کا مجموعہ ”سرداریہ“ کے نام سے مشہور ہے جو اسی امیر کے اشارے سے مرتب ہوا تھا اگرچہ یغما کے دیوان میں سنجیدہ اشعار کی بھی خاصی تعداد دستیاب ہے اور فارسی نثر میں بھی لاجواب مکتوب ملتے ہیں لیکن یغمای جندقی کی شہرت یار سوائی تمام تر اس کی ہزلوں کی وجہ سے ہے۔

کلیات یغما کا پہلا حصہ نثر ہے۔ دوسرا لظم کا جو مندرجہ ذیل حصوں پر مشتمل ہے:

(۱) غزلیات قدیم (۲) غزلیات جدید (۳) سرداریہ (۴) قصابیہ (۵) کتاب احمد (۶) خلاصۃ الاقتصاح (۷) صکوک الدلیل (۸) مراثی ائمہ (۹) ترجیع بند و ترکیب بند (۱۰) قطعات اور (۱۱) رباعیات۔

بالترتیب ۲، ۱ اور آٹھ یعنی غزل قدیمہ و جدیدہ اور مراثی بس یہی یغما کے سنجیدہ کلام کا حصہ ہے۔ یعنی کل کلام کا تیسرا حصہ۔ بقیہ کلام بجز صکوک الدلیل کے فحشیات اور گالی گلوچ ہے۔ مہکڑو و فحاشی میں زن فجبہ کا لفظ یغما کا تکیہ کلام ہے۔ گرچہ یہ لفظ بھی کچھ ایسا مہذب نہیں ہے لیکن جیسی اور جس قسم کی باتیں اس کے اشعار میں موجود ہیں ان کے مقابلہ میں تو یہ لفظ ثقات مجسم معلوم ہوتا ہے۔ یغما اور قاآنی جیسے دو فحش گو شعرا کے دل میں شہدائے کربلا کا درد اور ان میں اس گہرے مذہبی جذبہ کا وجود ایک حیرت انگیز بات معلوم ہوتی ہے۔

سرداریہ، قصابیہ اور کتاب احمد میں بالترتیب سردار، قصاب اور احمد <sup>تخلف</sup> رکھنا گیا ہے۔ خلاصۃ الاقتصاح ایک مثنوی ہے جس میں شرمناک قصہ بیان ہوا ہے۔ ترجیع بند و ترکیب بند اور قطعات و رباعیات اکثر و بیشتر فحش ہیں۔

دیوان یغما جندقی کے طابع و ناثر نے ایک تمہید لگائی ہے اور رائے زنی کی ہے کہ ہزل آمیز زبان میں یغما نے اصالح کی غرض پوشیدہ رکھی ہے، کسی کو تکلیف دینا اس کا مقصد



نہیں بلکہ طعن و تشنیع کے ذریعہ نادانوں کو نصیحت کر کے راہ راست پر لانا چاہتا ہے۔ ہجو کے مقصد کی روشنی میں یغمائے جندقی کا مقصد مذکورہ بالا کوئی نئی بات نہیں، ہر ہجو نگار کا اولین مقصد اصلاح و تربیت ہی ہونا چاہیے۔ ذیل میں کلیات یغمائی کی کتاب سرداریہ سے کچھ ہجو یہ اشعار نقل کیے جاتے ہیں تاکہ یغمائی کی ہجو گوئی کے معیار کا اندازہ لگایا جاسکے:

شش جہت زن قجہ بڈاست گوئی نیست ہست	واندرون زن قجگی کارست گوئی نیست ہست
گر بدست است باد کلہ زن قجہ شیخ	کیر خزرانیز دستارست گوئی نیست ہست
سیم خود پدرفت و سنگ افگند بر صونی کول	واعظ زن قجہ عیارست گوئی نیست ہست

دیگر

من نگویم آفرینش سربہ سر زن قجہ اند	جنس حیوان خاصہ ناطق بیشتر زن قجہ اند
------------------------------------	--------------------------------------

دیگر

ازین نرماگان مردی وزین زن قجگان مردم  
شگفت آرم ز معجز بار غرساران کلہ داری

دہد خاک ارہمی مردی و بارد مردی گردون  
نخواہی دید ازین زن قجہ مردم غیر غرسازی

دیگر

صونی یکی زن قجہ و بابی ازو زن قجہ تر	این مسلمی زن قجہ خشک آن کافری زن قجہ تر
زن قجہ اند این مردمان یعنی زنان مردمان	دان کز پی اینان چنان زینان ہمی زن قجہ تر
باقطب و صونی مرمر احرفست کامیزش فند	من مردم این زن قجہ سگ من آدم زن قجہ خر
دانی کبود آسمان دین خاک و شغل ہر دو آن	این افعی زن قجہ خوار آن رعی زن قجہ کر

دیگر

ہن گو صونی ہمین دراعہ و دستار داشت	فضل را آگہ نیم زن قجگی بسیار داشت
شیخ را منصف ستاید این خلاف راستی ست	بارہا دیدم کہ از زن قجگی انکار داشت

## دیگر

ہمہ زن فجبہ نہاد آنچه زنوع بشراند  
 کازمودم ہمہ زن فجبہ وزن فجبہ ترند  
 در باخلاق کم افزون بکمال هنرند  
 در حقیقت ہمہ بازان معانی شکرند  
 در غنی عرض گدایان بمناعت نبرند  
 راست چون آب رزان خون برلور بخورند  
 در فراخای جهان و آنچه درو جانورند  
 کاین حریفان ہمہ زن فجبہ وزن فجبہ خرند

غیر ارواح مکرم کہ برون از شمرند  
 بمگونست ہفتاد و دولت بہ قیاس  
 خود باخلاق فزون گربزاید اندک  
 در بصورت اگر ت زاغ نمایند و اسیر  
 گر گدا رنج تقاضا بتوانگر نہدند  
 بسکہ زن فجبہ کہر در پی سلاخی مام  
 من چنین پرو ز زن فجبہ ندیدم بخدای  
 گوہر خود بخردار دگر کش سردار

یغمانے تمام بنی نوع انسانی کے کردار و گفتار اور اقوال و اعمال پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ اسے ہر طبقہ، ہر پیشہ، ہر قوم، ہر ذات اور ہر عمر و جنس کے انسانوں میں خامیاں نظر آئیں۔ وہ ان کی تمام خامیوں کو حساب و شمار میں لائے بغیر سمجھوں کو ”زن فجبہ“ بمعنی فاحشہ و بدکار عورت کا لقب دیتا ہوا گذر گیا ہے۔ ہجو گوئی کا یہ ایک نیا طریقہ ہے کہ مخاطب اپنی خامیوں پر خود غور کرے کہ ہم پر کیوں ایسا یریمارک دیا گیا اور وہ کون سے عیوب ہیں جنہیں شاعر نے لفظ زن فجبہ میں پوشیدہ کر رکھا ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں کسی طبقہ و جنس کے تمام عیوب کا پول نہیں کھلتا اور ان میں سے بیشتر عوام کی نگاہ سے پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔ اگر مورد ہجو گوش جان سے باتوں کو سنے اور ان پر عمل کرے تو بلاشبہ معاشرے کی اصلاح ممکن ہو سکتی ہے۔

مثنوی ”صکوک الدلیل“ سید قنبر روضہ خوان کی ہجو ہے۔ موصوف ذوالفقار خان سردار کے وزیر میرزا بزرگ کی بیوی کے بھائی تھے اور بعد میں نواب مستطاب امجد والا بہاء الدولہ بہمن میرزا کے وزیر رہے۔ اس کتاب کی شان نزول اس طرح بیان ہوتی ہے کہ یغمانے ایک کتاب سید قنبر کی معرفت میرزا بزرگ مذکور کو کا شان سے بھیجی۔ سید قنبر نے مرزا بزرگ کو کتاب نہ بھیجوائی اور نہ خود ہی جا کر ان کے حوالے کی۔ یغما کو جب اس کی خبر ملی تو اس نے ایک طویل ہجو لکھ ماری اور سید قنبر کا لقب ”رستم السادات“ مشہور کر دیا۔ سید قنبر اس لقب سے بہت گھبرائے اور پریشان ہوئے۔ یغمانے مثنوی، صکوک الدلیل کا ایک نسخہ جو

ظاہر امدح اور باطناً ذم ہے سید قنبر کے پاس بھیجو ادیا۔

یہ مثنوی دس بندوں پر مشتمل ہے۔ اول سات بندوں میں سید قنبر کے رستم السادات ہونے کے ثبوت میں براہین پیش کیے گئے ہیں۔ پھر تین تلہینوں میں سید قنبر کی خصوصیات کو بالشریح و تفصیل نظم کیا ہے۔ مثنوی کا آغاز ذیل کے دو بیت سے ہوتا ہے:

چرا گفتمہ ای رستم گفتمہ ای ازین گفتمہ مانا کہ آشفتمہ ای  
باندیشہ در سخن سفته ام تودانی بہ برہان سخن گفتمہ ام  
پھر برہان اول کا آغاز اس بیت سے ہوتا ہے:

اگر رفت رستم بماند ران بہ تیغ و کند و بگرز و سنان  
تلیس اول بیت ذیل سے شروع کیا گیا ہے:

پس از عہد شش سال مہر و وداد ز طبع سخا پیشہ و خلق راد  
وزیر سمنان کی ہجو میں کئی ترجیع بند اور ترکیب بند دیوان یغما میں ملتے ہیں۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

وی صدر صدارت از تو دروا	ای دست وزارت از تو درپاہ
از خون یتیم خوان یغما	در تاخت چنانکہ می ندانی
در کاوش ما معین رعدا	بانصرت ما مخالف دوست
با ذوق گس چہ گوہ چہ حلوہ	ایذا شناسی از محبت
زن قتبہ تر از سپہرینا	در روسیہی و زرد کوشی
کز ہجو سگی کشیدن ایذا	آزاد پلنگ و شیر خوشتر
این پردہ زخم نہان و پیدا	نالم بخدا و غایت از خلق
بر کون زن وزیر سمنان	کیر غنی و فقیر سمنان

دیگر

خود را داند بدی و محبوب	با پیکر زشت و خلق نا خوب
از کرم کشید آنچه ایوب	بر من رسد از گزند این مار
مردم آغال و کشور آشوب	آقا رنجان و نوکر آزار

عربش چو ہلاک زشت و زیبا  
دیوانہ از و بتاب و عاقل  
طرزش ہمہ ست و طور ناقص  
او از تن خویش بانظام است

مرکش چو حیات بار مطلوب  
بیگانہ از د برنج و منسوب  
قولش ہمہ خام و فعل معیوب  
زانکشت حصار کیر و دزکوب

ذیل میں یغما کی کچھ ہجویہ رباعیاں اور قطعے نقل کیے جاتے ہیں:

ہجو خواجہ

سقط شد خواجہ بیباک و غم نیست  
بآب صوفی سستند و بادش  
زعیمی گفت ازین حوضش مشویند  
بدو گفتم کہ ای شیخ مقدس  
گر آب چاہ نهرانی نہ پاکست

جہانی زندہ شد گروہی ہلاک است  
در آتش تانسان از باد و خاک است  
کہ صوفی خود نجس و آبلش نہ پاک است  
کہ تا گوشت دھان دریاوہ چاک است  
جہود مردہ می شوئی چه باک است

ہجو ممدوح

مرا سردار پشمنی جبہ ای داد  
ز فرط کهنگی بگذشتہ از آنک  
بخود گفتم نگیرم ازوی آن گرگ  
یکی از دوستانم گفت بتان

نہ آن را آستر اما زروی  
پذیرد یک سرسوزن رفوی  
نزین سگ کہنہ انی خواہم ننوی  
مگر نشیدہ ای از خرس موی

خامہ را گفتم سرت کردم بپا ہجوی گو  
گفت من ہین قلدن را ہرچہ گویم حدت است

آنچنان ہجوی کہ باید صادق فرارش را  
گفت فرض انکار مدحت گرزنی ادبش را

یکی پرسید از خواجہ کہ ای پیر  
جوابش داد پیر خوش تکلم

عروست از چه با بیگانہ جفت است  
کہ گس در خانہ ای خواجہ بمفت است

ناصح بکتابی و کتاب من و تو  
تو مردہ کوشی و من زندہ می

سنگ است و صراحی انتساب من و تو  
مشکل کہ بیک جو رود آب من و تو

صوفی صفت بدر کی آخر تاکی  
بر فرض حلال است گرفتہ نہ حرام

در صورت مردم سگی آخر تاکی  
در کیش تو زن قہجی آخر تاکی

گرناصح خر زخوی خود برگردد  
خود شرع و طریق را چہ نقصان چہ کمال

با صوفی سگ سیاق دیگر گردد  
گر زانکہ سگی خشک و خری تر گردد

## ہجو نگاران عصر حاضر

نئے فارسی ادب سے مراد وہ ادب ہے جو ایران میں ناصرالدین شاہ قاجار کے قتل (۱۸۹۶ء) سے لیکر محمد رضا شاہ پہلوی کی حکومت کے موجودہ دور تک بسیط ہے۔ یہ خالص دور مشروطیت یا انقلاب ایران کی پیداوار کہی جاسکتی ہے۔ یہ ایران کی تاریخ اور اجتماعی زندگی کی آئینہ دار ہے۔ نئے ایرانی ادب میں بالعموم اور جدید فارسی شاعری میں بالخصوص ایران کی سیاست اور معاشرتی زندگی پر طنزیات اور ہجویات ملتے ہیں۔ ایران میں ہجویات کی تاریخ میں نئے رجحانات کی وضاحت کے لیے اس عہد کی تاریخ کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

سلسلہ قاجاریہ کے فرماں روا ناصرالدین شاہ قاجار (۱۳۶۴-۱۳۱۳ھ) کی حکومت درباری تھی۔ حکمرانوں اور امر کی عیاشی اور ان کے ظلم و استبداد نے عوام کے لیے تباہیوں اور بربادیوں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ مغربی تہذیب و تمدن کی برکتیں ایرانی عوام تک چھاپہ خانوں کے قیام اور اخبارات و رسائل کے اجرا نیز ترجموں کے ذریعے پہنچنے لگیں۔ عوام میں بیداری آنے لگی اور تحریکیں شروع ہوئیں۔ حکومت کے استبداد اور اجتماعی خرابیوں کی اصلاح کے لیے قوم کے درد مند رہنماؤں نے اپنے کو سرفروشی کے لیے آمادہ کیا اور عوام کو بغاوت پر اکسایا اور میرزا رضا کرمانی نے ۱۸۹۶ء (۱۳۱۳ھ) (۱) میں ناصرالدین شاہ کو قتل کر دیا۔ اس کے جانشین مظفرالدین شاہ (۱۳۱۳ھ-۱۳۲۴ھ) سے اہل مدک نے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں لیکن اپنی کمزوریوں اور نالائقی اور جاہل و بے بصیرت درباری امر کی وجہ سے غیر ملکی حکومتوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا اور دوبارہ عوام میں حکومت کے خلاف غم و غصے کی لہریں اٹھنے لگیں۔ صدر اعظم امین السلطان روسی سیاست کی طرف مائل تھا۔ شاہ نے اس کو معزول کیا اور میرزا علی خان امین الدولہ کو منصوب کیا۔ درباریوں کی سازش سے اسے بھی معزول کرنا پڑا۔ امین السلطان پھر آیا۔ بادشاہ کے تین بار یورپ کا سفر کرنے سے حکومت کو قرض لینے کی نوبت آگئی۔ شاہ نے روس سے قرض لے کر شمالی ایران کے محاصل چینی کوٹرو رکھ دیا اور انگریزوں سے قرض لے کر جنوبی ایران کے تارڈاک اور چینی محاصل گرو رکھ دیئے

(۱) - نیازی ادب تاریخ - ڈاکٹر ظہور الدین احمد، ص ۱۰۔

اور بیرونی سلطنت ملک کے سیاسی و اجتماعی مسائل میں دخیل ہو گئی۔ امین السلطان کے خلاف علما اور تجار نے احتجاج بلند کیا تو سلطان مجید مرزا عین الدولہ صدراعظم بنا۔ اسی عہد میں مشروطیت خواہوں کا زور بڑھنے لگا۔ صدراعظم کی جانب سے جور و استبداد زیادہ ہونے لگے۔ رہنماؤں کو قید بامشقت کی سزائیں دی گئیں۔ آخر عین الدولہ بھی معزول ہو اور میرزا نصر اللہ خان مشیر الدولہ نائبی صدارت کے لیے منتخب ہوئے۔ لیکن سامراجی حکومت کو ختم کرنے اور ملکی و شخصی آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد اور زیادہ زور پکڑتی گئی۔ جگہ جگہ احتجاج اور مظاہرے ہونے لگے۔ حکومت میں عوام کو شریک کرنے کا مطالبہ زور پکڑتا گیا اور مظفر الدین شاہ کو جمہور کی طاقت کے سامنے جھکنا پڑا۔ ۵ اگست ۱۹۰۶ء مطابق ۱۳۲۴ھ کو ایرن میں مجلس شورا ای ملی یعنی پارلیامنٹ کا وجود عمل میں آیا۔ مجلس شورا ای ملی نے قانون اساسی پاس کیا اور شاہ نے فرمان مشروطیت پر دستخط کر دیئے۔ (۱)

پارلیمانی حکومت کے وجود میں آنے کے بعد بھی ملک کو امن و سکون میسر نہ ہو سکا۔ فرمان مشروطیت پر دستخط کرنے کے پانچ دن بعد مظفر الدین شاہ کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹے محمد علی شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اس نے بھی وہی رویہ اختیار کیا جو اس کے آباؤ اجداد کا تھا۔ مجلس ملی اس کی نگاہوں میں بری طرح کھٹکتی تھی۔ چنانچہ اس نے مجلس کے ممبروں کے اختیارات پر دست درازی شروع کی۔ مشیر الدولہ کو معزول کر کے پھر امین السلطان کو مقرر کیا جو ایک آزادی خواہ کے ہاتھوں اسی سال قتل ہو گیا۔ اس کے بعد میرزا ابوالقاسم خان ناصر الملک صدراعظم بنے۔ مجلس کے نمائندوں کے دباؤ پر اس نے مشروطیت کے استقلال کے لیے کوشش کرنے کا وعدہ کیا لیکن بادشاہ نے اس کو قید کر دیا۔ آخر کار جمہور کا ایک گروہ تشدد اور دہشت پسندی پر اتر آیا اور قتل و خون ریزی کا بازار گرم ہو گیا۔ اس خونخوارے کا عروج اس وقت ہوا جب ۲۳ جون ۱۹۰۸ء (۱۳۲۶ھ) کو بادشاہ نے روسی قزاق خانہ کے افسر لیاخوف کی مدد سے مجلس پر بمباری کی اور پارلیامنٹ کو یکسر نیست و نابود کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن انقلاب کے سیلاب کو روکنے میں اس مرتبہ بھی حکومت کا میاب نہ ہو سکی اور شاہ کے استبداد سے بغاوت کی لہر دوڑ گئی۔ آزادی خواہ مجاہدین نے تبریز پر قبضہ کر لیا پھر آزاد فوج اکٹھا کر کے کرج کے مقام پر شاہی فوج کو شکست دیکر تہران پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ بھاگ کر روسی

(1)- The Press and poetry of Modern Persia by Browne E.G. p.1313.

سفارت خانہ میں پناہ گزین ہوا۔ آزادی خواہوں نے محمد علی شاہ کے بارہ سالہ بیٹے احمد میرزا کو بادشاہ منتخب کر لیا اور مجلس ملی دوبارہ قائم ہوئی۔ محمد علی شاہ کو ۵۷ ہزار سالانہ وظیفہ دیکر روس چلے جانے کو کہا گیا۔ لیکن انہوں نے خراسان اور استر آباد کے راستے لوٹ کر روسی امداد کے ذریعہ دوبارہ تخت پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اس کا وظیفہ موقوف کر دیا گیا اور اسے یورپ بھاگنا پڑا۔

احمد شاہ کی تاج گذاری ۱۳۳۲ھ میں ہوئی۔ اس کے عہد حکومت میں داخلی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ قبائل نے مرکز سے انحراف کرنا شروع کیا۔ روسیوں کی دست درازیاں بھی بڑھتی ہی گئیں۔ جنگ عظیم اول (۱۹۱۳-۱۹۱۸ء) کے دوران روسیوں اور امریکیوں نے بالترتیب ایران کے شمال و جنوب کے علاقوں پر اقتدار جمایا اور ایران میں مقیم جرمن اور آسٹریا کی فوجوں سے نبرد آزما ہوا۔ اغیار کی فوجوں سے ایرانی عوام پامال ہو گئی۔ ۱۹۱۹ء میں انگریزوں کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا جسے قرارداد شوم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے مطابق مالی، فوجی اور محاصل جنگی کے تمام امور انگریز مشیروں کے تحت انجام پانے لگے۔ معاہدہ کی مخالفت ہوئی اور امریکہ کے اثر سے یہ معاہدہ منقطع ہو گیا۔

اسی درمیان ایران کے شمالی جانب سے رضا خان نے (۱۲۹۹ش) اپنی فوجوں کے ذریعے تہران پر حملہ کر دیا اور سید ضیاء الدین وزیر اعظم کی مدد سے حکومت پر قبضہ حاصل کر لیا۔ رضا خان ۱۳۰۳ش میں وزیر اعظم و وزیر جنگ ہوئے۔ مجلس شورای ملی نے ۱۳۰۴ش میں احمد شاہ کو معزول کر کے رضا خان کو شہنشاہ تسلیم کر لیا اور بادشاہت کو ان کے خاندان میں موروثی تسلیم کر لیا گیا۔ گرچہ رضا شاہ کا عہد ترقیات کا عہد ہے لیکن اسے تشدد اور مطلق العنانی کا عہد بھی شمار کیا جاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹-۱۹۴۶ء) میں ایران گرچہ جرمن کے ساتھ تھا لیکن روسیوں اور انگریزوں نے زبردستی ایران میں فوج لار کھی اور بادشاہ کو ۱۳۲۰ش میں ملک چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اسی سال ان کے بیٹے محمد رضا شاہ پہلوی تخت نشین ہوئے اور اب تک حیات ہیں۔

اخلاقی اور تمدنی اعتبار سے عہد قاجاریہ پس ماندہ تھا۔ امر اعیاش تھے اور عوام مفلوک الحال، اقتصادی حالت بہت خراب تھی۔ رشوت عام تھی۔ عوام توہم پرست تھے۔ عورتوں میں حجاب کی سخت پابندی تھی۔ مذہبی اقتدار ملاؤں، واعظوں اور روضہ خوانوں کے ہاتھوں میں تھا۔ منشیات کا استعمال عام تھا۔ نیا ادب ان تمام عیوب و نقائص کے خلاف ایک صدائے احتجاج اور فرسودہ نظام حکومت کے خلاف ایک بغاوت ہے۔ سیاسی حوادث و واقعات پر بھی



تنقیدیں ملتی ہیں۔ شعرا نے داخلی اور خارجی سیاست پر رائے زنی کی ہے۔ عورتوں نے بے حجابی اختیار کی تو بے حیائی کی حد تک فیشن پرست ہو گئیں۔ ازدواجی اور جنسی تعلقات نے انوکھے انوکھے روپ اختیار کیے۔ عورتوں پر نئے ادب میں کثرت سے ہجویں اور طنزیں ملتی ہیں۔ شادی کے طور طریقوں، ہوس کاریوں اور بے راہ رویوں کو بھی ہدف طنز بنایا گیا ہے۔

عہد جدید کے شعرا تین مختلف روشوں کے پیرو ہیں۔ ایک وہ جو متقدمین شعرا کی پیروی کرتے ہیں۔ دوسرے گروہ نے مغرب کی تقلید میں ہیئت و معنی دونوں میں نئی راہیں ڈھونڈ نکالی ہیں اور تیسرا گروہ پرانے جام میں نئی شراب پیش کرنے کا قائل ہے۔ یہ ہیئت پارینہ کی پیروی کرتے ہوئے جدید افکار و میلانات پیش کرتے ہیں۔

ایرانی فطرتاً مزاج نگار ہوتا ہے۔ عہد جدید کے ایرانی شعرا نے وطنی اشعار میں بھی مزاج سے کام لیا ہے جن میں وہ طنزیہ طور پر ایرانی عوام یا حکومت کو پین چھانے اور ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جدید دور ابتلا میں ایران میں متعدد جرائم و مسائل کا وجود عمل میں آیا جنہوں نے جبر و استبداد کے خلاف اہل وطن کے دلوں میں بغاوت کی آگ بھڑکادی۔ اس عہد کے بعض شعرا نے اپنے حصول مقاصد کے لیے طنز و ظرافت سے بھی کام لیا۔ یہ حربہ بہت کامیاب ثابت ہوا اور متعدد مزاحیہ جرائم و مسائل شائع ہونے لگے جن میں آذربائیجان، کشکول، تنبیہ، بہلول، شیدا وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ صور اسرافیل کا مزاحیہ کالم ”چرند و پرند“ بھی اپنی بے پناہ طنزیات کی وجہ سے مقبول ہوا جو مرزا علی اکبر خان کے قلم کار ہیں منت تھا۔ ان کے علاوہ عہد جدید میں بعض خالص مزاحیہ روزنامے مثلاً حاجی بابا، توفیق، بابا شمل اور چنگیز منصہ شہود پر آئے۔ لیکن اب یہ روزنامے بند ہو چکے ہیں۔

ان جرائم میں ملکی حکومت کے ظلم و استبداد اور سامراجی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کو طشت از بام کیا گیا ہے ساتھ ہی ملک کے معاشی، معاشرتی اور عمرانی مسائل کو بھی طنز و مزاح اور ہجو کے پیرایہ میں بڑے موثر طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

عہد جدید کی تنقیدوں، طنزیات اور ہجویات کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جو سیاسی امور، حکومت، سرکاری اداروں اور سیاست سے وابستہ افراد سے متعلق ہیں جبکہ دوسرا حصہ معاشرتی و معاشی مسائل، رجحانات اور اجتماعی زندگی کو اپنا موضوع بناتا ہے۔ عہد جدید کی ہجویات و طنزیات کے دو مختلف رجحانات پر الگ الگ روشنی ڈالی جائے گی۔

## (الف) سیاسی مسائل سے متعلق ہجویات

جہاں تک ایرانی شاعری کا تعلق امرایا سلاطین کے درباروں اور ان کی شخصی حکومت سے ہے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رکھی جاسکتی کہ یہ نضاظنریات کے لیے موزوں نہ تھی۔ اس کے اسباب ظاہر ہیں لیکن جب سے ایران کی شخصی سلطنت معرض زوال میں آئی اور مشروطہ کی پذیرائی کے لیے ایران بغاوت اور انقلاب کا گہوارہ بن گیا لوگوں میں آزادی فکر کا عنصر پیدا ہو گیا اور مختلف ہمسایہ قوتوں نے اپنی اپنی ریشہ دوانیوں سے ارض ایران کو ورطہ کشاکش میں ڈال دیا۔ ایران کی شاعری میں زندگی اور نمو کے آثار پیدا ہونے لگے۔ اس کا اثر خود قافلی کے کلام میں ملتا ہے۔ گو اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جہاں تک ہجو و ہجاء کا تعلق ہے قافلی کا کلام بھی اس کے پیشروں کی مانند پست اور رکیک ہے۔

اقوام کے طبائع میں جب کبھی تضاد و تصادم پیدا ہوا اور ان میں بیداری کے آثار نمایاں ہوئے تو خیالات کا جمود اور قدامت دوستی یکلخت مفقود ہو گئی ہے۔ ایران کی موجودہ شاعری کسرو انکسار کا نتیجہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ بیداری ملک و ملت کی تاریخ میں ایک جدید اور روشن باب کا اضافہ کرتی ہے۔ گو اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ لطافتیں، وہ نازک خیالات اور حیات لطیف کی وہ مرقع کاری جو قدامت اور متوسطین کا طرہ امتیاز تھا دور حاعر کی شاعری سے تقریباً ناپید ہے۔ لیکن موجودہ شعر و شاعری میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ قوم کی خوابیدہ حمیت کو بیدار کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ شعرا کبھی کبھی فرسودہ راستوں کو اختیار کرنے سے اجتناب بھی کریں۔

شیخ فضل اللہ مشہور استبدادی مجتہد (جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے قوم کی آزادی کو سب سے زیادہ دام لگانے والے کے ہاتھ فروخت کر ڈالنے کا ارادہ کیا تھا) کا ایک شاعر نے جو خاکہ کھینچا ہے اس کے چند اشعار ذیل میں درج کئے گئے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ نظم ۱۲ جولائی ۱۹۱۹ء کو شائع ہوئی جس روز کہ سپہدار کی کمان میں رضا کاران ملی کا داخلہ تہران میں ہوا ہے:

حاجی بازار ہراج است ہراج کو خریدار ہراج است ہراج  
 می فروشتم ہمہ ایران را عرض و ناموس مسلمان را  
 رشت و قزوین و قم و کاشان را بخرداین وطن ارزان را  
 یزد خوانسار ہراج است ہراج  
 کو خریدار ہراج است ہراج

طبل و شپور علم را کی میخاد شیر و خورشید رقم را کی میخاد  
 تخت عجم را کی میخاد تاج کی مسندجم را کی میخاد  
 اسپ و افسار ہراج است ہراج کو خریدار ہراج است ہراج

گویند مردمان اروپا کہ کذب و شید  
 باطینت اہائی ایران سرشتہ اند  
 ہستند اگر نفوس اروپا چومور نارد  
 ایرانیان بہ نسبت ایشان فرشتہ اند

ملک الشعرا بہار نے سر اڈورڈ گرے کو یوں مخاطب کیا ہے:  
 سوی لندن گذرای پاک نسیم سحری سخنی از من برگوبہ سر اڈورڈ گری  
 کای خردمند وزیری کہ پروردہ جہان چون تو دستور خردمند وزیری ہنری  
 نقش پیطرز بفکر تو نقش بر آب رای بزمارک بہر رای تورائی سپری  
 بر کشودی در صد سالہ فرو بستہ ہند بر رخ روس و نتر سیدی زدر بدری  
 زہی آن خاطر دانای رزین تو زہی فری آن فکر توانای متین تو فری  
 جرمنی کے باب میں ایرانیوں کو غلط فہمی تھی کہ یہ مسلمانوں کا دوست اور روس کا  
 دشمن ہے لیکن ایرانیوں کے معاملات میں اس کی مداخلت بیجانے سارا نقشہ پلٹ دیا اس ناخواندہ  
 مہمان کی پذیرائی یوں کی گئی ہے:

مہمان تازہ وارد ایران خوش آمدی بالای چشم جای تو المان خوش آمدی  
 ایران بخون ماند و بیگانگان بضیف ناخواندہ میہمان سر این خوان خوش آمدی

از بہر صید مرغ دل عاشقان زار  
باد عوی حمایت اسلام و مسلمین  
رندانہ یا بہانہ دار الفنون و بانک  
در دست دام و دانہ بدامان خوش آمدی  
گشتی دخیل حوزہ دزدان خوش آمدی  
ناکل شدی بمقصد پنهان خوش آمدی

مرزا آقا خاں نے ناصر الدین شاہ قاجار کے خلاف ایک ہجو (غالباً) فردوسی کی نظم  
(ہجو) پیش نظر رکھ کر لکھی تھی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ نظم فردوسی کی نظم سے کہیں  
فروتر ہے:

اگر شاہ را بود حسی نہان  
چو در خون او جوہر شرک بود  
مرا ہم دادی کہ در اردبیل  
ز کشتن نترسم کہ آزادہ ام  
مرا ساختی بی نیاز از جہان  
ز توحید اسلام شمش فروز  
تم را بزنجیر بندی چو پیل  
ز مادر ہی مرگ را زادہ ام

ایرانی شاعری کا موجودہ دور جس کے علم برداروں میں اشرف، مرزا، اکبر علی، بہار  
مشہدی، عارف قزوینی، پور داؤد، مرزا حسین کمال کا نام لیا جاسکتا ہے اور جن کے کلام کا جتہ  
جتہ نمونہ پیش کیا گیا ہے متقدمین اور متوسطین کی کہنہ شاہراہ سے علیحدہ نظر آتے ہیں۔ لیکن  
باوجود ان تمام امید افزا توقعات کے جو اس دور کے ساتھ وابستہ کی جاسکتی ہیں پروفیسر براؤن کا  
یہ مقولہ بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا:

”یہ نظمیں اپنے اوصاف اور خوبیوں میں مختلف اور متنوع نظر آتی ہیں اور  
گوان میں سے بعض ایسی ہیں جو محمد علی کے عزل کے بعد اور اس کے  
صغیر السن فرزند سلطان احمد کی تخت نشینی کے دوران میں لکھی گئی ہیں۔ بہ  
حیثیت مجموعی یہ قدیم طرز شاعری کی ترجمان ہیں اور ان نظموں میں جو ہجو  
اور ہزل سے متعلق ہیں زبان کی وہی رکاکت پائی جاتی ہے جو قدیم ہجویات و  
ہزلیات میں نمایاں ہے (۱)۔“

سید اشرف الدین دور مشروطیت کے مایہ ناز شاعروں میں سے ہیں۔ روزنامہ ”نسیم  
شمال“ انہیں کی ادارت میں شائع ہوتا تھا اور اسی مناسبت سے ان کا نام بھی عرف عام میں ”نسیم

(۱)۔ طنزیات و مضحکات تالیف رشید احمد صدیقی ص ۴۴

شمال“ مشہور ہو گیا۔ دور مشروطیت میں اشرف کا قلم اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں سیاسی ریشہ دوانیوں اور استبدادیت کا پردہ بے باکانہ انداز میں چاک کرتا ہے۔ ایک نظم میں شیطان استبدادیت کی شکست پر ماتم اور غم و غصے کا اظہار کر رہا ہے، ایک بند:

گفت شیطان دغا، آخ چکنم واخ چکنم  
گشت مشروط بپا، آخ چکنم واخ چکنم  
مرغ مشروطہ بہ گلزار وطن شہرزد  
معدلت بررگ شریان ستم خنجرزد  
نام مشروطہ بہ چشم ظلمہ خنجرزد  
مستبد گشت فنا، آخ چکنم واخ چکنم

۱۲ جون ۱۹۰۹ء کو قومی رضا کاروں کی ایک جماعت سپہدار کی کمان میں تہران میں داخل ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے ایک نظم نسیم شمال میں اسی دن شائع ہوئی۔ اس میں شیخ فضل اللہ مشہور رجعت پسند مجتہد کی وطن فروشی کا حال اس کی زبان سے ظاہر کیا گیا ہے۔

دشمن فرقه احرار منم قاتل زمره احرار منم  
شیخ فضل اللہ سمسار منم دین فروشندہ بازار منم  
مال مردار ہراج است ہراج کو خریدار ہراج است ہراج

از اشعار سیاسی اشرف الدین در بدیہی از اوضاع:

چه خوش بود مشروطہ برپا نمی شد  
درین مملکت شور و غوغا نمی شد  
چه خوش بود از خون پاک جوآنان  
چنین سرخ این کوہ و صحرا نمی شد  
چه خوش بود در پارلمان بہر ملت  
وکیل طمع کار پیدا نمی شد  
چه خوش بود از مجتہد ہای نامی  
بجز حرف حق آشکارا نمی شد  
چه خوش بود از صاحبان مناصب  
بجز حفظ و اصلاح پیدا نمی شد  
چه خوش بود در رشت و تبریز و قزوین  
نفاق از رفیقان ہویدا نمی شد  
چه خوش بود در خانہ ہای خرابہ  
خن از فرنگ و اروپا نمی شد

خطاب بہ فرنگیان

اے فرنگی من مسلمانیم جنت مال ماست  
در قیامت حور و غلمان ناز و نعمت مال ماست

ای فرنگی اتفاق و علم و صنعت مال تو  
 عدل و قانون و مساوات و عدالت مال تو  
 نقل عالم گیری و جنگ و جلادت مال تو  
 حرص و بخل و کینه و بغض و عدوت مال ماست  
 خواب راحت عیش و عشرت ناز و نعمت مال ماست  
 ای فرنگی از شہاد آن عمارات قشنگ  
 افتتاح کارخانہ اختراعات قشنگ  
 با ادب تحریر کردن آن عبارات قشنگ  
 جہل بی با شور و غوغا فحش و بہت مال ماست  
 خواب راحت عیش و عشرت ناز و نعمت مال ماست

گرزنی بی سیم از دریا با حل تلگراف  
 گر کنی خلق غرامفون و سیم تو گراف  
 ورنمائی بہر خود از اطلس و مخمل لکاف  
 سندس و ستبرق اندر باغ جنت مال ماست  
 خواب راحت عیش و عشرت ناز و نعمت مال ماست  
 ای فرنگی کشتی جنگی دریائی ز تو  
 راہ آہن علم طی الارض صحرائی ز تو  
 در ہوا بازور زیلین عرش پیائی ز تو  
 در زمین بی عاری و جہل و فلاکت مال ماست  
 استراحت خواب راحت عیش و عشرت مال ماست

اختراعات جدید و علم و صنعت زان تو  
 از زمین بر آسمان رفتن زہمت زان تو  
 مکتب و تشویق بر اطفال ملت زان تو  
 غوطہ خوردن اندرین در بای ذلت مال ماست  
 خواب راحت استراحت ناز و نعمت مال ماست  
 شیخ عبدالقادر از ماشافعی از ما بود  
 بو حنیفہ بو حریرہ رافعی از ما بود  
 اختلاف اعتقادات جماعت مال ماست  
 خواب راحت استراحت ناز و نعمت مال ماست

شیخی از ما بابی از ما پطروناپلیون ز تو  
 و ہری از ماصوفی از ما مکتب و قانون ز تو  
 خرقة و عمامہ از ما کشتی و بالون ز تو  
 گم شوی احمق مجاز از تو حقیقت مال ماست  
 حور و غلمان باغ رضوان عیش و عشرت مال ماست  
 آن شنید ستم حسین کرد با جنگ نہر  
 شد روان از اصفہان ہندوستان رانچ کرد  
 در فرنگستان کجا دارد چنین شیران مرد  
 رستم و گودرزیل با آن شجاعت مال ماست  
 خواب راحت استراحت ناز و نعمت مال ماست

گرچہ در ظاہر مسلمانیم باطن کافریم  
 مال موقوفات را چون شیر مادری خوریم  
 فکر حق خصم دین غافل ز روز محشریم  
 با وزیران گفتگوی رمز و خلوت مال ماست  
 باغ رضوان حور و غلمان ناز و نعمت مال ماست

مثنوی ذیل بہ عنوان ”ملت فروش“ میرزا حسن خان وثوق الدولہ رئیس الوزرا کی  
 جہو میں ہے جو ایران و انگلینڈ کے درمیان قرارداد کا عاقد تھا۔

یکی را ز تن جامہ در دزدگاہ  
 پس آن گاہ آن روز تا شب دوید  
 بشد در سرای خداوند ده  
 کہ تا پوشد اندام خود این غلام“  
 کہ آن خواجہ خدمت گذاران بخواست  
 سحر کہ بازارش اندر برید  
 چو آن بی نوا این سخن بر شفقت  
 بگفتم غلام کہ تن پوشیم  
 دلم بس بکردار آن خواجہ سوخت  
 نوشتم من این قصہ را یادگار  
 بکنند از کفش پاتا کلاه  
 کہ تا بردھی نیمہ شب در رسید  
 کہ ”چیزی مرا ای خداوند ده  
 بد اندر دہانش هنوز این کلام  
 بگفتا: ”کنون کین غلامی ز ماست  
 فروشید و نقدینہ اش آورید“  
 سر از جیب حیرت برون کرد و گفت  
 نگفتم غلام کہ بہ فروشیم  
 کہ مارا بنام غلامی فروخت  
 کہ تا یاد دارد و را روزگار

عشق کی ایک مشہور نظم ”آیدال عشقی“ ہے۔ یہ نظم ان دنوں لکھی گئی جب عوام  
 میں بیداری عام ہو چلی تھی اور عوام جمہوری نظام میں اپنا سربراہ رضا خان کو چاہتے تھے۔  
 ”آیدال عشقی“ تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں ایک دیہاتی لڑکی کو ایک تہرانی  
 امیر زادے کے ذریعہ اغوا کر لیے جانے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ دوسرا حصہ معصوم لڑکی کی  
 خودکشی کے احوال سے متعلق ہے اور آخری حصہ میں اس وقت کی ایرانی معاشرتی بد حالی اور  
 اخلاقی پستی و ذلالت سے بیزاری اور منافرت کے جذبات کو اغوا شدہ لڑکی کے باپ کی زبان  
 میں ادا کیا گیا ہے۔

عشق نے ایک جہو بہ عنوان ”جمہور نامہ“ لکھی جس میں سیاسی نظام سے بے زاری  
 اور اختلاف کا اظہار ہے۔

عشق کی نظمیں سماجی استبداد کے خلاف ایک بغاوت اور برکشتگی ہے۔ غریبوں اور ناداروں کو تکلیف میں دیکھ کر اس کا دل دکھتا ہے۔ ایک مختصر نظم ”عید کارگران“ اس کے ثبوت میں کافی ہے:

برکارگر نہ کار بیکار      نوروز بود بلای جان سوز  
 ہر روز کہ یک غنی بہ میرد      فیروز و مبارکت آن روز  
 گر جملہ اغنیا بہ میرند      گردد ہمہ روز عید نوروز  
 عوام نے مشروطہ سے خوش حالی و فارغ البالی کی جو امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں اور ملک میں افلاس، غربت، بیکاری اور ناداری بدستور قائم رہی۔ منارہ خانم نے ملک کی بد حالی کا ذکر اپنی ایک نظم ”ہوپ ہوپ“ میں کیا ہے جو لوک گیت ہونے کی وجہ سے عام بول چال کی زبان میں لکھی گئی ہے۔ ایک بند:

نہ نہ جان خوب بودم خواب دیدم      ماہ رمضان شد نہ نہ جان  
 .....  
 خواب من دروغ بود نہ نہ جان      ہر چہ دیدم دروغ بود نہ نہ جان

استبدادی حکومت کے رکن شراب و کباب میں مست ہیں اور جیبیں بھرنے کی فکر میں مبتلا۔ ہر طرف خود غرضی و نفس پرستی کا دور دورہ ہے۔ اشرف کادل اس افسوسناک حالت پر کڑھتا ہے اور ”خبردار“ کے عنوان سے ایک نظم لکھتا ہے:

بعد از نماز یا شیخ مشغول ذکر خود باش      ہر کس بفکر خویشہ تو ہم بفکر خود باش  
 در روزگار ہر کس مشغول کار خویش است      بلبل بہ نغمہ خولی، عقرب بہ فکر نیش است  
 ریشو بفکر بی ریش کو سہ بفکر ریش است      ہر کس بفکر خویشہ تو ہم بفکر خود باش

معزول شدہ محمد علی شاہ دوبارہ تخت حاصل کرنے کی کوشش میں بری طرح ناکام ہوتا ہے۔ ایک رجز میں اس کے جذبات کی ترجمانی طنزیہ انداز میں کی گئی ہے:

منم مرد مشہور، بی ننگ و عار      کہ بودم ہمیشہ بنخواب و شمار  
 اگرچہ پراگندہ گشتہ شکم      ولی گردنم آب شد دنبہ دار  
 اگر سوی تہران نمایم گذار      کنم جملہ را شقہ قصاب دار



بہار مشہدی کی مندرجہ ذیل نظم حافظ یا کسی کلاسیکی شاعر کی غزل کی پیروڈی ہے۔  
مجازی رنگ کے باوجود طنز اور سیاسی تلمیحات قابل غور ہیں:

دل فریبان کہ بروسیہ دل جا دارند	مستبدانہ چرا قصد دل ما دارند
دلبران خود سر و ہر جائی و روسی صفتند	ورنہ درخانہ غیر از چہ سبب جا دارند
گاہ لطف است و خوشی گاہ عتاب است و خطاب	تا ازین ہمہ پولیتک تقاضا دارند
خوب رویان اروپا زچہ مردان ما	حیلہ سازند گر اعجاز میجا دارند
گرچہ در قاعدہ حسن سیاست جمال	مسلک آنست کہ خوبان اروپا دارند

مجلس ملی یعنی پارلیمنٹ کے ممبروں کی خود غرضی اور نفس پرستی پر روحانی نے ذیل کی رباعی میں بڑے ظریفانہ انداز میں تنقید کی ہے:

گر کار مجلس و کلام کم کردند	در آخر کار کار حاتم کردند
بانج و خرد اسپ و گاورا بخشیدند	آسایش نوع خود فراہم کردند

ایران کی تباہ حالی پر دانش کا ایک قطعہ طنز کی اچھی مثال ہے۔ تاریک شب میں جبکہ طوفان اور برق و باران کا زور بڑھا ہوا ہے شاعر اپنے گھر کا راستہ بھول جاتا ہے۔ ناگاہ ایک خضر صورت مل جاتے ہیں۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ شاعر کی زبانی سنئے:

گفتم کہ خضر راہ تو من ماندہ نزار	ہستی تمام گم شدگان راتو دستگیر
دیرانہ وزیر مرا مقصد است لیک	از ہم رہا جدا شدہ افتادہ ام بگیر
آہی کشید پیروچین گفت در جواب	با چہرہ گرفتہ و بالحن دلپذیر
در سر زمین ایران ہر جا کہ بنگری	باشد خرابہ شدہ و دیرانیہ وزیر

مجلس شوری ملی کے چودھویں دور میں بیشتر سابق نمائندے دوبارہ منتخب ہو کر مجلس میں آئے۔ اس موقع پر محمد حسن رہی کو بڑی مایوسی ہوئی۔ چنانچہ اس نے ایک طنزیہ قطعہ بعنوان ”طلابہ مجلس چہار دہم“ لکھ کر روزنامہ باباشمال میں شائع کیا۔ یہ قطعہ رودکی کے مشہور قصیدے ”بوی جوی مولیان آید ہی“ کی بڑی کامیاب پیروڈی ہے:

بوی گل از بوستان آید ہی	روز وصل دوستان آید ہی
-------------------------	-----------------------

جای آہنگ بہارستان کند  
 باز با فرخندگی چو پور زال  
 آصف از مغرب رسد دیوانہ وار  
 زی چمن سر و حمان آید ہی  
 فرخ از زابستان آید ہی  
 منصف از مشرق دوان آید ہی

ایرانی صحافیوں کا ایک وفد لندن سے لوٹ کر آتا ہے۔ ذیل کے اشعار میں عبداللہ رازی ہمدانی نے ان کا خیر مقدم کیا ہے۔ طنزیہ لہجے کی نشتریت قابل غور ہے:

خیر مقدم ای مدیرانی کہ لندن دیدہ اید  
 گاہ اندر مجلس دعوت گہی اندر گلوب  
 بوق استعمار را باگوش خود بشنیدہ اید  
 مارہاروی بوین و شکل ایدن دیدہ اید  
 رسم آزار و ستم، فن دریدن دیدہ اید  
 ہچوزالو خون مظلومان مکیدن دیدہ اید

غیر ملکی ریشہ دوانیوں کو طنزیہ انداز میں طشت از بام کرنے کا جو طریقہ ایرانی شعرا نے اختیار کیا تھا وہ بہت کامیاب ہو اور ایران سے باہر بھی بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ مشہور مشتشرق پروفیسر براؤن نے جگہ جگہ ان نظموں کی خوبیوں کو سراہا ہے۔

میرزا عباس خان متخلص بہ فرات نے قطعہ ذیل ۱۳۳۹ھ میں سید ضیاء الدین وزیر کی مذمت میں نظم کیا:

سیدی شد براسپ بخت سوار  
 چون سواری نکرده بود اورا  
 نابلد بود واندین بازی  
 خانہارا خراب و ویران کرد  
 دید از عہدہ برنمی آید  
 واندین جلگہ چند روزی تاخت  
 اسپ در حین تاختن انداخت  
 اولین وحلہ نقد ہستی باخت  
 گفت ”باید عمارت نو ساخت“  
 ”رفت و منزل بدگیری پرداخت“

مندرجہ بالا اشعار سعدی کے درج ذیل شعر کی تفسیر ہیں:

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت  
 فرخی یزدی نے قصیدہ ذیل میں وثوق الدولہ کی قرارداد پر چوٹیں کی ہیں:

داد کہ دستور دیو خوی ز بیداد  
 داد قراری کہ بی قراری ملت  
 رفت و منزل بدگیری پرداخت  
 کشورجم را ببادبی حسری داد  
 زان بفلک می رسد زلول و داد

کاش یکی بردی این پیام بدستور  
چشم بدت دور وہ چه خوب نمودی  
کاخ کزر سس کہ بود سخت چو آہن  
سربسر آن را بہ زور پای فشاری  
درمانہ پیستم کہ زنگی افریک  
خواجہ مادست بستہ پای شکستہ  
ہمتی ای ملت سلالہ قارن  
تانہ شود مرز دارپوش چو بصرہ  
۱۹۲۲ء کے بعد ابوالقاسم لاہوتی کی نظموں میں باغیانہ انداز اور تشدد پسندی آگئی۔ یہ  
مارکسی تعلیمات کا اثر ہے کہ اس نے اپنی جہلوں کو سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف علم بغاوت بلند  
کرنے میں مصروف کر دیا۔ اسی قبیل کے دو انوکھے شعر ذیل میں نقل ہوتے ہیں:

مردہ باد این عالم ظلم و خیانت کا ندرست  
زندہ باد اپتک و داس تودہ زحمت کہ آن  
بی نواہم اغنیاہم بندہ ہم آزاد ہم  
سازد از نوعا لمی بی صنف ولی اضداد ہم  
۱۹۳۵ء میں لاہوتی روس کے مندوب کی حیثیت سے کانگریس بین المللی برای

استحفاظ فرہنگ (International Congress in Defence of Culture) میں  
شرکت کے لیے پیرس گیا۔ اس سفر نے لاہوتی کو یورپ کی سماجی حالات پر تنقید کے لیے  
آمادہ کیا۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

درا قلم سوداگران زر خداست  
در آنجا کہ صد قصر آباد ہست  
امیر و وزیر و دبیر و فقیر  
یکی ہم ازان مردمان زیاد  
بزر ہر کسی بندہ بی نواست  
مپندار یک روح آزاد ہست  
بقانون سرمایہ ہستند اسیر  
ندارد بفردای خود اعتماد  
ندارد بر ہیچکس اعتبار

## (ب) معاشرتی و عمرانی مسائل سے متعلق ہجویات

جدید فارسی شاعری میں شعرا نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ کلاسیکی شعرا کی طرح یہ صرف تخیل کی دنیا میں ہوئی قلعے نہیں بناتے بلکہ زمین پر رہنے، بسنے والے انسانوں کی زندگی کے بنیادی مسائل پر براہ راست بے باکانہ اور مخلصانہ تبصرہ اور تنقید کرتے ہیں۔ یہ زندگی کو خوب سے خوبتر بنانے کی سعی کر رہے ہیں۔ یہ خود اپنے مصائب و آلام پر طنز کرتے، مسکراتے اور کھل کھلا کر ہنستے اور دوسروں کو ہنسانے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ انہیں اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا بھرپور احساس ہے اور یہ ان سے نفرت کرنے کی بجائے انہیں دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں بذلہ سخی اور ظرافت کا مادہ بردہ اتم موجود ہے۔

دور حاضر کا ایرانی شاعر ایک سماجی نقاد کی حیثیت رکھتا ہے وہ اپنے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی نکتہ چینیوں میں اصلاح کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔ وہ اپنے وطن کو متمدن ممالک کے ہمدوش دیکھنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ ایرانی عوام تجدید اور تغیر کی راہ پر گامزن ہو کر ترقی کی منزلیں طے کریں۔ تجدید کی یہ خواہش مختلف موضوعات میں ظاہر ہوتی ہے مثلاً جدید تعلیم، مذہبی رواداری اور سب سے زیادہ عورتوں کی آزادی جسے شاعر ترقی کے لیے لازمی سمجھتا ہے۔

معاشرتی، معاشرتی یا عمرانی مسائل پر مخصوص طنزیہ یا ظریفانہ انداز میں روشنی ڈالنے والے جدید ایرانی شعرا میں اشرف کو اولیت حاصل ہے۔ اشرف نے زندگی کے ہر شعبہ پر بے باکانہ قلم اٹھایا ہے اور اپنے بے پناہ طنز کا نشتر بڑی چابکدستی سے چلایا ہے۔ موضوع کے تنوع اور ندرت میں اکبرالہ آبادی کا اندازہ جھلکتا ہے۔ جن کی طنزیات و مضحکات اردو ادب میں ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔

”اتہنم بگذرد“ کے عنوان سے اشرف نے ایک نظم کہی ہے جس میں معاشرہ کی ساری خرابیوں کا ذکر بڑے لطیف انداز میں کیا گیا ہے۔ رمضان کا مہینہ آگیا ہے اور روزہ داروں کے لیے مصیبت اپنے ساتھ لایا ہے۔ گرمی کی شدت بڑھ گئی ہے۔ آداب و رسوم

منسوخ ہو چکے ہیں، عوام کا بے دینی کی طرف رجحان ہے۔ ”لشکر جن“ حملہ آور ہے۔ واعظ مکرو فریب کا جال پھیلائے ہوئے ہیں۔ تعلیم و تعلم کے بجائے ”گنجفہ و عاص“ عوام کے مشاغل ہیں۔ فرنگی، روزہ داروں کے ساتھ قورمہ پلاؤ اڑا رہا ہے۔ عورتیں بے حجاب و بے نقاب ہو گئی ہیں۔ اور دین کے نگہبان خواب غفلت میں پڑے ہیں۔ مسجد سے جوتوں کی چوریاں ہو رہی ہیں اور ”خیر خواہ“ برہنہ پا ہو گئے ہیں۔ چند ابیات:

کہنہ دزدان از برای مال مفت	متصل ہر گوشہ درگفت و شفت
میخورد گر روزہ را گردن کلفت	غم مخور یا ہو کہ اتہم بگذرد
چند روزی قند اگر نایاب شد	ہم نبات وہم شکر کم یاب شد
شیرہ خور ما و کشکاش باب شد	صبر کن یا ہو کہ این ہم بگذرد

اسی طرح ایک نظم میں نان و گوشت کی گرانی پر طنزیہ انداز میں صبر کی تلقین کی ہے:

از برای نان و گندم غم مخور      جان من از بہر مردم غم مخور  
گرنداری اردہ قم غم مخور      گر شرابت نیست خم خم غم مخور  
صبر کن آرام جانم صبر کن

ایک نظم ”زبان سرخ“ میں بے کاری، بے حسی، یاس و افسردگی اور بچوں کی آوارہ گردی کا نقشہ پیش کیا ہے:

ترا چکار کہ یک ربع شہر بیکارند	دور بع خفته ویک ربع تازہ بیدارند
ولی بہر نفسی از حیات بیزارند	بہر نفس رسد از مرگ نومبارکباد

زبان سرخ سر سبز میدہد برباد

ایک نظم ”نصیحت“ کے عنوان سے کہی ہے جس میں تہران کو اندھوں، گونگوں اور بہروں کی بستی کہا ہے اور گونگا اور بہرا بننے کی نصیحت کی ہے:

جائیکہ ہمہ دزدند، تو دزد چو گر باش	بزمیکہ ہمہ مستند، تو مست و خمر باش
شہر یکہ ہمہ کورند تو کور شو کر باش	دید کی کہ ہمہ لالند، تو لال ز صحبت شو

خواہی نشوی رسوا، ہرنگ جماعت شو

اشرف نے ماہ رمضان میں عیش پسند امر کی حرکتوں کو بڑے طنزیہ انداز میں پیش کیا

ہے اور ان کے رازدرون پردہ کو بڑی بیباکی سے طشت از بام کیا ہے۔ اشرف کے دیوان میں ایسے اشعار کی کمی نہیں۔ ایک ”رمضانیہ“ کا بند:

سفرۂ افطار نمایان شود مرغ بہر قاب چہ سلطان شود  
جوجہ بشقاب غزلخوان شود فرمہ چلو لوطی میدان شود  
قیمہ سر انگشت گزان ہای ہای  
آمدہ ماہ رمضان ہای ہای

ایک سن رسیدہ مرد کے یہاں بڑی مثنویوں اور مرادوں کے بعد لڑکا تولد ہوتا ہے۔ باپ کے جذبات کو اشرف نے بڑے طنزیہ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ لڑکے کے مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرتے ہوئے باپ کہتا ہے ’اے دایہ اس طفل فرشتہ سیرت کی پیشانی پر لفظ ”اقبال“ لکھا ہوا ہے۔ یقیناً کوئی رئیس، کوئی مجتہد یا عالم بنے گا اور پھر:

آثار پدیدست ز اقبال درخشان کین لعل بدخشان  
خواہد یکی از محترمین وزرا شد بہ بہ چہ بجاشد  
گرز آنکہ نصیپش نشود دورہ چارم از گردش کارم  
خواہد یکی از محترمین دکلا شد بہ بہ چہ بجاشد  
ہر شب بخورد جوجہ وماہی و فنجان چون حاکم زنجان  
از لطف خدا قسمت ماتک طلا شد بہ بہ چہ بجاشد

سماجی و معاشرتی زندگی کو ہدف طنز و تشنیع بنانے والے شعرا میں غلام رضا خان روحانی (متولد ۱۳۱۴ھ ق) کا نام بہت اہمیت کا حامل ہے۔ روحانی کا مزاج ہلکا پھلکا اور اس کا طرز شگفتہ ہوتا ہے جسے خاص و عام پسند کرتے ہیں۔ روحانی کا کلیات چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں اس کی عاشقانہ غزلیں، اخلاقی قطعات اور جدی فکاہی طرز کے قصیدے ہیں۔ دوسرے حصہ میں ایک نفاص سبک اور سادہ اسلوب کی فکاہیات ہیں جو عوام کے نزدیک مطبوع اور ارباب اب کے نزدیک مطلوب و دلپسند ہیں۔ اس حصہ میں ”ادارہ نامہ“ کے عنوان سے حکومت کے اداروں کی خرابیوں اور نقائص، روسا کی حرص و خیانت اور ضعیف و زبردستوں پر ان کے ظلم و استبداد کی تنقیدیں کی گئی ہیں۔ تیسرا حصہ ”اراجیف الاجنبہ“ کے نام سے مشہور ہے اور چوتھے حصے میں ڈرامے ہیں۔

## ظاہر سازی

دکتری رفتہ دوسالی بفرنگ باز کردہ در بیمارستان کہ من اینجا و فلاطون در خم دادہ فاکولتہ لندن تصدیق متخصص بعلاج ریبہ ام درخفا داد بہ نوکر دستور چند ساعت بنشانند اورا تا بگویند بود محکمہ پر منتظر نوکر و دکتر بیکار بعد ده روز یکی پیدا شد نوکر اورا بہ اطاتی جاداد ساعتی گشت معطل آن مرد دید دکتر تلفونش در دست کہ پس از خوردن کبول کنین گر عرق ریزد و گرما بہ خورد گر شکم خوب نباشد کارش تا کہ بانستیو پاستور دہم مضحک اینجاست کہ آن کہنہ حکیم بود مقصود وی از این بازی چونکہ دکتر سخش گشت تمام روی خود جانب آن مرد نمود گفت برگوی چه باشد دردت تا دہم بہر علاجت یک گرد گفت ای دکتر والا منشم

تازہ برگشتہ مدو شیک و قشنگ بزدہ تابلوی برسر آن از اینورسیتہ دارم دیپلم کہ کنم ہر سری را تزیق اولین دیپلما در تجزیہ ام کہ چو وارد بہ مطب شد رنجور بعد در محکمہ خواند اورا ابدأ وقت ندراد دکتر ہی نشستند و نیامد بیمار دل دکتر ز شغف شیدا شد وعدہ دیدن دکتر را داد تا کہ در محکمہ اش داخل کرد گوش برگوشی و حرفش این است بخورد یک دو نخود آسپرین نگذارید کہ سرما بہ خورد داخل شیشہ کیدادرارش چونکہ شد تجزیہ دستوردہم تلفونش نہ قوی داشت نہ سیم حیلت اندیشی و ظاہر سازی بنمود از تلفون قطع کلام کہ دران محکمہ وارد شدہ بود کہ چنین مضطر و نالان کردت کہ چو برقت برہاند از درد بندہ بیمار نیم سیم کشم

آدم بہر تو بالطف و خوشی      تلفن را بکنم سیم کشی  
 دکتر از کرده خود گشت نجل      کہ چرا شد بہ تظاہر مایل  
 آدم حیلہ گر ظاہر ساز      زود گردد ہمہ جاشتش باز

اہل ایران کی گھریلو زندگی کا ایک خوش رنگ منظر روحانی نے اس طرح پیش کیا ہے:

شب عید است و گرفتار زن خوشنم  
 اوست جفت من و من جفت ملال و محنم  
 ہم کرب ژرژہ زن خواهد وہم ژرسہ و وال  
 خود نہ شلوار بپایم نہ قبای بہ تنم  
 گیوہ ام پارہ شدہ وین زن بدتر از دیو  
 من نہ حاجی فرج آقا و نہ حاجی حسنم  
 پای من ماندہ چو خردر گل دل گشتہ بریش  
 گویدم عطر کتی خر کہ بزلفم بز نم  
 مشہدی باقر ہیزم شکن امروز زنش  
 من نہ کمتر ز زن باقر ہیزم شکنم  
 گفت بہر سرطاسم تو کلمہ گیس بخر  
 گفتمش از ہمہ کس لات تر امروز منم  
 گفت اگر پول نداری زچہ ہستی زندہ  
 گفتم زندہ از آنم کہ نباشد کفنم  
 منکہ از دست زنم حوصلہ ام تنگ شدہ  
 می کنم پارہ ز دستش نجہ پیر ہنم  
 گفتہ بودم کہ نگیرم زن تاگردم پیر  
 گفتم این لقمہ بزرگست برای دہنم  
 خواست جوراب فرنگی کہ برایش بخرم  
 وطنی مگر بہ خرم دور کند از وطنم

داد از دست زنم  
 داد از دست زنم  
 مد و فرم امسال  
 داد از دست زنم  
 کفش خواهد از دیو  
 داد از دست زنم  
 او بفکر قرخویش  
 داد از دست زنم  
 رخت تو کردہ تنش  
 داد از دست زنم  
 مد پاریس بخر  
 داد از دست زنم  
 من شدم شرمندہ  
 داد از دست زنم  
 مکہ ام سنگ شدہ  
 داد از دست زنم  
 پدرم گفت بگیر  
 داد از دست زنم  
 نبود سیم وزرم  
 داد از دست زنم



سر جوراب کرم معرکہ برپا کردیم      جنگ و دعویٰ کردیم  
 موی من کند و تف افگند بریش پہنم      داد از دست زخم  
 گشت از خانہ ماشیون و فریاد بلند      داد و بیداد بلند  
 مشت زد بر دهنم آخ دهنم واخ دهنم      داد از دست زخم  
 ازدواجی زندگی کی مدت میں روحانی کی مندرجہ ذیل لفظ ملاحظہ ہو:

اے خوش آن مردی کہ آزادست واصلان ندارد

کند رنج بند و غم برپای و برگردن ندارد  
 حاصل فرزند و زن جز مالہ و شیون نباشد  
 زن بغیر از نالہ و فرزند جز شیون ندارد  
 جنگ خواہر شوہران رادیدہ بازن برادر؟  
 ہای و ہوی فتنہ داماد و مادر زن ندارد  
 دختر ہر کس کہ باشد در فنون مشہور عالم  
 خاصہ شو چون رود جز خود پرستی فن ندارد  
 می خرد از بہر خود این ہفتہ چون پیراہن مد  
 ہفتہ دیگر ہعزم تازہ پیراہن ندارد  
 کی شود یک لحظہ فارغ از خیالات تجمل  
 گرچہ می بیند قبای شوہرش برتن ندارد  
 گاہ می خواہد لباس و گاہ می خواہد جواہر  
 چادر اطلس چومی گیرد کت و دامن ندارد  
 اند کی بیند تہی از سیم و زر گر کیسہ شو  
 غیر مرگ او امید از درگہ ذوالمن ندارد  
 گرچہ چون سوزن خلد در چشم آسایش و لیکن  
 تا بر آرد خار یا خاصیتی سوزن ندارد  
 فتنہ می خواند خدا روحانیان فرزند و زن را  
 دشمن جانند و عاقل مہرباد دشمن ندارد

## مرد بی زن

درمانده و زار مرد بی زن  
 دل بستہ بکار مرد زن دار  
 زن دار چو نوگل شکفته است  
 بی بہرہ ز لذت جوانیست  
 فاقد ز اساس زندگانیت  
 یا دادہ ز می شرافت از دست  
 سازد ہمہ دست رنج خود را  
 از حسرت بی بری بسوزد  
 مقرون بعداب بی شمارست  
 باشد گنہ زنان بی مرد  
 مہبوت و فگار مرد بی زن  
 وارستہ ز کار مرد بی زن  
 خشکیہ چو خار مرد بی زن  
 پاییز و بہار مرد بی زن  
 ہر لیل و نہار مرد بی زن  
 یا پای قمار مرد بی زن  
 صرف قزیار مرد بی زن  
 چون بید چنار مرد بی زن  
 در روز شمار مرد بی زن  
 پا بست ہزار مرد بی زن

## مرد زن دار

در رنج و عذاب مرد زن دار  
 چون پیر ہزار سالہ گشتہ  
 باشد ہمہ خون دل خوراکش  
 از آتش خجالت طلب گار  
 از بہر چہار دخترانش  
 یا پول دہد برای تحصیل  
 چون اول شب رود بخانہ  
 یک دست گرفتہ دیزی گوشت  
 بشنیدہ ہزار فحش از زن  
 آسودہ بخواب مرد بی زن  
 از غصہ کباب مرد زن دار  
 در فصل شباب مرد زن دار  
 جای می ناب مرد زن دار  
 چون تیغ شدہ آب مرد زن دار  
 شد خانہ خراب مرد زن دار  
 یا بہر کتاب مرد زن دار  
 با چشم پر آب مرد زن دار  
 یک دست کباب مرد زن دار  
 با ناز و عتاب مرد زن دار  
 در رنج و عذاب مرد زن دار

مندرجہ بالا دو نظمیں مرد بی زن اور مرد زن دار، شادی شدہ مرد کی زحمتوں اور کافیتوں اور غیر شادی شدہ جوانوں کی بے بسی اور حرماں نصیبیوں سے متعلق ہیں۔ ذیل میں روحانی کی دو نظمیں نقل کی جاتی ہیں جن میں دو بیوی والے حضرات کا حلیہ پیش کیا گیا ہے۔

## سر مرد دوزنہ

سوزد از آتش جادو پر مرد دو زنہ  
 پسر مرد دو زن خصم برادر باشد  
 یک زنش کشت و لبو خواستہ می خواہد  
 نگ کفش از طرفی آید و از سوی دگر  
 تا سحر بہر مداوا بسیزند زنان  
 بسکہ جنجال در آن خانہ بود وانشود  
 نخور جز کتک و نشود الا دشنام  
 آبشاری کہ بہ پس قلعہ بودہست خجل  
 بادو ہمسر ہوس ہمسر دیگر دارد  
 وای بر حال دل مادر مرد دو زنہ  
 دشمن خواہر خود دختر مرد دو زنہ  
 شلغم پختہ زن دیگر مرد دو زنہ  
 می خورد مشت دلگد بر سر مرد دو زنہ  
 گر شوی درد بگیرد سر مرد دو زنہ  
 گر کہ یک عمر بکوبی در مرد دو زنہ  
 بی نوای کہ شود نوکر مرد دو زنہ  
 در بر چشمہ تر مرد دو زنہ  
 نشود ہیچ سگی ہمسر مرد دو زنہ

## تن مرد دو زنہ

شب و روز است بزحمت تن مرد دو زنہ  
 شرمش آید کہ شود لخت میان حمام  
 سر مہریہ و میراث کتک کاری ہاست  
 زن ندیدم کہ شود دشمن شو لیکن ہست  
 نہ شود شستہ ز لہبازیشان ماہ بہ ماہ  
 حال من کرد دگرگون و بہم زد دل را  
 بس بہر سوی زناش کش و وا کش دادند  
 در قیامت ہم از آسیب زنان ایمن نیست  
 فکاہیات میں روحانی کا نام قابل ذکر ہے اس نے تحریف کے علاوہ عمدہ نظمیں بھی

لکھی ہیں۔

## ہجو ایرانیان

اردپائی اگر از صفیہ خاک رود با آسمان پیا با فلاک  
 از و کم نیست ایرانی کہ دایم کند سیر فلک با چرس و تریاک

چہ می پرسی ازین وضع اسفناک  
 شنگر را بود در شیشہ کنیاک  
 کند زارع فغان از ظلم ملاک  
 کہ گیرد داد مظلومان ز ضحاک  
 نماند از غارت دزدان چالاک  
 چہ وقت این داغ رسوائی شود پاک  
 بقومی بی خبر از عقل و ادراک  
 دهانت را بزن مہر و بکن لاک

ز حال کشور ایران چہ گویم  
 ستم کش را بود خونابہ در دل  
 زند مفلس بسر از دست منعم  
 نشانی از درفش کاویان نیست  
 اثاثی در سرای کشور جم  
 ندانم از جبین شیخ و زاہد  
 سخن از فضل و دانش چند گوئی  
 لب از گفتار روحانی فروبند

اہل ایران میں ایون خوری کی عادت عام تھی۔ روحانی نے اس کے خلاف آواز بلند  
 کی اور اپنے ظریفانہ انداز میں خواجہ حافظ کی زمین میں اشعار نظم کئے:

از یک دو بست شیرہ سازید نشہ مارا  
 مرین بجای ایون تزریق ساز پارا  
 باشیرہ مردت با الکلی مدارا  
 ”تا بر تو عرضہ دارد احوال ملک دارا“  
 ”ای شیخ پاکدامن معذور دار مارا“  
 ”دروجد و حالت آرد زندان باصفارا“  
 ”کین کیمیای ہستی قارون کند گدارا“  
 ”گر تو نمی پسندی تغیر دہ قنارہ“  
 ”روزی تفقدی کن درویش بی نوارا“  
 ”ساقی بشارتی دہ پیران پار سارا“  
 ”دلبر کہ در کف او موم است سنگ خارا“  
 ”باشد کہ بازینم دیدار آشنا را“  
 ”ہات الصبح و حیو یا ایہا السکارا“  
 ”اشہی النادوا حلی من قباتہ العذارا“

مردیم از خماری ہم شیرگان خدارا  
 ”دوروزہ مہر گردون افسلنہ ایست افسون“  
 ”آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرفست“  
 قلیان و چرس بر کش آنکہ سکندری خور  
 من مست بودم از می کردم بدامنتی  
 از دوغ وحدت ما گر جرعہ بنوشید  
 چون بست گندہ بستی فوری بزن دودستی  
 مارا قضا کشانید پائی چراغ شیرہ  
 ای منعمی کہ داری در خانہ چرس و افسون  
 ایونیان برنا بخشندگان عمراند  
 چون شد بشیرہ معتاد لاغر شود چو موئی  
 دوشینہ با حسن لات رقیم در خرابات  
 رندی باہ و زاری میخواند در خماری  
 در موقع خماری کیفیت فکاری

رندی بہار گندم پنہان نمود تریاک  
آن بار را مقش بوردو کرد توقیف  
تریاک و شیرہ مفت صد بار ہست خوشتر  
از ہستی دو عالم تریاک کی گدارا  
”دردا کہ راز پنہان خواہد شد آشکارا“  
چون بہر کشف قاجاق می گشت بارہارا

### ظاہر داروں کی ہجو

ای کردہ ز ریش و پشم خود را درویش  
خرس از تو بسی زیادتر دارد پشم  
وز این دو بیندختہ سرمایہ خویش  
بز از تو کمی زیادتر دارد ریش

### مشاغل مختلفہ:

#### نوکری

نوکری ای بندگان را بندگی  
مرگ خوش تر باشد از این زندگی

#### کاسبی

کاسبی ای از زیان و از ضرر  
مایہ ات سرمایہ شرمندگی

#### رہبیتی

رہبیتی ای از حمل تا برج موت  
گاہ خواہی باد و گہ بارندگی

#### گدائی

مہ گدائی میکند از آفتاب  
ای گدا چون مہ نما تا بندگی

#### دزدی

گر کنی دزدی بدزد از مال وقف  
تا شوی چون شیخ در دارندگی

#### شغل آزاد

ہیج کاری نیست بہتر از لشی  
پانی کی خرابی اور میونسپلٹی کی بد انتظامی ایک عالمگیر مسئلہ ہے۔ روحانی کی ایک نظم  
معاشرے کی اس ازلی خرابی پر ایک ”پرامن“ احتجاج ہے جس کا عنوان ”لولہ کشی“ ہے:

کیست درین شہر کہ مسئول نیست  
لاغر و باریک چون مفتول نیست

دکتر ما تجزیہ کرد آب را  
دید بجز فضلہ محلول نیست

گفت کہ این گنہ نخورد در جہان  
گرچہ بجز آکل و ماء کول نیست

خواست کفیل بلدی بہر آب      لولہ کشد، دید، فقط پول نیست  
 جز بہ کثافات بہ چیز دگر      عادت این ملت مجہول نیست  
 میرزادہ عشقی نے اشعار ذیل میں سماج پر بڑی بھرپور طنز کی ہے:

ہزار بار مرا مرگ بہ ازین سختی است      برای مردم بد بخت مرگ خوش بختی است  
 گذشتہ عمر بجان کندن ای خدا مردم      ز بعد این ہمہ جان کندن این چہ جان سختی است  
 رجال ما ہمہ دزدند و دزد بدنام است      کہ دزد گرد نہ بدنام دزد پاختی است  
 زنان کشور ما زندہ اند و در کفن اند      کہ این اصول سیہ بختی از سیہ رختی است

۵۹ بندوں پر مشتمل ”کفن سیاہ“ عشقی کی ایک طویل نظم ہے جس میں ایران باستان کی ایک خاتون خسرو دخت کی سرگذشت اور عام ایرانی عورتوں کی سرنوشت موزوں کی گئی ہے۔ اس میں ایرانی خواتین کے حجاب کو مورد ہجو و انتقاد کیا گیا ہے۔ اس میں عشقی بیان کرتا ہے کہ ایک شام خرابہ ہائے مداین کے ایک قریبی گاؤں میں اس کا گذر ہوا وہ ایک ویران مکان میں داخل ہوا۔ رات میں گھوم گھوم کر ان کھنڈرات کو دیکھتا رہا، اچانک ایک گوشے میں اسے کفن سیاہ میں ملبوس پناہ گزین ایک عورت سے ملاقات ہوئی، سوال کرنے پر اس نے اپنا تعارف کرایا کہ میں ملکہ ایران ہوں اور جب سے سلطنت عجم کا انقراض ہوا میں نے کفن سیاہ پہن رکھا ہے۔ جب صبح ہوئی اور عشقی کھنڈرات سے باہر آیا تو ایران کی تمام عورتوں کو اسی شکل اور اسی لباس میں پایا۔ یعنی ساسانیوں کے عہد حکومت میں ایرانی خواتین حجاب نہیں کرتی تھیں لیکن اس سلسلہ حکومت کے انقراض اور اسلام کے غلبہ و تسلط کے بعد یہ سیاہ پوش اور عزادار ہو گئیں۔ داستان کے آخری ابیات قابل توجہ ہیں:

شرم چہ مردیکی بندہ وزن یک بندہ      زن چہ کردہ است کہ از مرد شود شرمندہ  
 چہست این چادر و رو بندہ نازیبندہ      گر کفن نیست ہما چہست پس این رو بندہ  
 مردہ باد آنکہ زنان زندہ بگور افگندہ

پوراؤد نے قصیدہ موسوم بہ ”بزرگ ترین گناہ“ میں تعدد زوجات کی تنقید کی ہے:

آنک دوزن را ز بہر خویش رواداد      تربیت قرن راست قاتل و دشمن  
 ظلم رواداری و زجہل سرائی      ہست روا این بدین دست متقن

حکم اگر از خداست از چہ نہ گفتند  
 ساحت حق را ز سنگ فتنہ خبر نیست  
 شہوت زشت و دو زن گرفتن جرم است  
 عباس فرات نے ایک نظم ”ماہ بی مہر“ میں پیران سالوس پر طنز کا بڑا بھرپور وار کیا ہے جو ظرافت کا بڑا دلکش نمونہ ہے:

گفت ہر سوی گریزان شدہ شیطان از من  
 حضرت عیسیٰ مسیح کا مشہور مقولہ ہے ”اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی پیش کر دو“ عبدالحسین خان سنیا اسی مقولے کو بڑے ظریفانہ انداز میں اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے:

فرمود مسیح ، سرور اہل یقین  
 بنمائی دگر سوی رخت از سر مہر  
 ”ضربت زندار کسی برویت از کین  
 ایکاش برای بوسہ بود حکم چنین  
 فرات کی رباعی ذیل تعدد ازدواج کی تنقید میں ہے:

مردیکہ دوزن گرفت دل خون گردد  
 ہر کس کہ بدل مہر دلیلی بگزید  
 حالش ز غم و غصہ دگر گون گردد  
 آشفته تر از ہزار مجنون گردد

ہجو

این مردم خود بین ہمہ در عین گمانند  
 صد فتنہ بدیدیم و ندیدیم در آفاق  
 در اینکہ یکی اصل یقین نیست شکی نیست  
 یک فتنہ کہ از صاحب تحت الحنکی نیست

فرات اپنی ایک نظم بہ عنوان ”جنون شاعری“ میں اپنے معاصروں کی شدید تنقید کرتا ہے جو مہمل تشبیہات و استعارات کا استعمال اپنی شاعری میں روار کھتے ہیں:

دم از عشق و اسرار آن تا کی  
 گو تنگ شکر بہ لعلش دگر  
 میانش بمو، موبہ مار سیاہ  
 چہ نسبت بہ پستان او نار را  
 رخ و زلف را روز و شب تا کی  
 درین عشقبا ہیج اسرار نیست  
 ازین شیوہ جانا کہ بیزار نیست  
 مدہ نسبت اینہا سزاوار نیست  
 ازین استعارت ترا عار نیست  
 کئی وصف ، حاجت بتکرار نیست

علی اکبر دہخدا کے یہاں اگرچہ اشرف کی سی طنز و ظرافت کی مثالیں زیادہ نہیں ہیں پھر بھی جو کچھ ہے وہ طنز و مزاح کا بہترین نمونہ ہے۔ ایک قطعہ ”چار زانو“ کے عنوان سے لکھا ہے:

گفتا منشین چہار زانو کان نیست نشانہ تکبر  
 نہ نشستند جز دو زانو نیکو ادبان و مردم حر  
 گفتم چہ ادب؟ کدام حری؟ بیوش زمن تو این حق مر  
 آموختہ این ادب را ما از غرب و عرب زاشتر  
 جاگیرداری نظام پر تقریباً ہر زبان میں طنزیہ نظمیں ملتی ہیں لیکن دہخدا کی نظم ”بہترین کار خواجہ“ زمینداری پر ایسا ضرب کاری ہے جس کی مثال مشکل سے ملے گی:

خواجہ ہچو دگر لہیمان مُرد نَسزد بیش یاد کردن او  
 بہترین کار خواجہ در ہمہ عمر ہیچ دانی چہ بود؟ مُردن او  
 مرزا تقی خان دانش نے ”دیوان سوری“ ۱۳۰۹ھ میں شائع کیا ہے جس میں شکم پری پر بڑی لطیف اور شگفتہ نظمیں ملتی ہیں:

از آس رشتہ است لباب تغارہا  
 آن چچہ ہای پر شدہ بردست سورمان  
 آن سخبا بدست گروہ کبا بیان  
 قانع بکنگریم و بکنگر بسا حتمیم  
 سوری نہ خونم کہ درین شہر چون منم  
 و ز سوریان نشستہ فرازش قطارہا  
 مانند بیلبا بکف آبیارہا  
 مانند نیزہا ، بکف نیزہ دارہا  
 چون اشتران بادیہ بانوک خارہا  
 نہ یک، نہ دہ، نہ صد، نہ دو صد بل ہزارہا

در سر سفرہ بسمت مرغ درازم  
 زنگ کبابی بسی بگوش من آید  
 لائہ مرغان ز بہر تخم بکاوم  
 قسمت ہمکا سہ پاک خوردم و گفتم  
 بیست نفر گرمیانہ فاصلہ باشد  
 رفتم و دیدم کہ زنگ قافلہ باشد  
 گرچہ بہ سقف آشیان چلچلہ باشد  
 دوست نباید زد دوست در گلہ باشد

عزا خوش است و آن ہمہ نوای او  
 کہ افگندہ سفرہ بعد فاتحہ  
 خوشا نشاط آنکہ مختصر بود  
 عویل و آن بکاء و ہای ہای او  
 بسفرہ بر نہند خوانچہ ہای او  
 ہمیشہ یک نفر از اقربای او



کہ در امید شب بہ صبح آورد بہ عشق سور مجلس عزای او  
ابوالقاسم حالت جدید فارسی کی فکاہی شاعری میں ایک امتیازی درجہ کا مالک ہے۔ فارسی  
گیتوں (تصنیف) میں بھی اس کا درجہ مسلم ہے۔ بعض فارسی تصویروں کی فلم بندی کے سلسلے  
میں وہ ہندوستان بھی آچکا ہے۔ اس کی فکاہیہ نظموں کا مجموعہ ”فکاہیات حالت“ کے نام سے  
دو جلدوں میں چھپ چکا ہے۔ ایک عرصہ تک اس کی نیم سیاسی اور مزاحیہ نظمیں ”خروس لاری“  
کے قلمی نام سے روزنامہ توفیق میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ جدت طبع اور بیان کی شیرینی و شگفتگی  
کے باعث حالت عوام و خواص میں بے حد مقبول ہے۔

ایک نظم میں پاؤڈر، غازہ اور لپ اسٹک کے استعمال پر بڑے لطیف انداز میں طنز کیا ہے  
جو بذلہ سخی کی بڑی اچھی مثال ہے۔ ایک شوخ و شنک دو شیزہ کے ساتھ رقص کرتے ہوئے شاعر  
کے کوٹ پر لپ اسٹک کے قرمزی دھبے لگ جاتے ہیں، گھر پہنچنے پر جو واقعہ رونما ہوتا ہے اسے  
شاعر کی زبان میں سنئے:

چون زخم چشم بدان لکہ فکند	بین راگشت پیا گفت و شنید
گر نمی ساختم اورا قانع	داشت از زور حسد می ترکید
فکر کردم کہ زیک لکہ سرخ	تاچہ حد رنج و محن باید دید
زین جہت بہ کہ شما آقایان	با نوان را پس ازین پنددہید
کای نکویان کہ درین دنیا سید	با بزک چونکہ برون می آسید
باخط سبز بہ پشت لب سرخ	بنویسید کہ ” رنگین نہ شوید“!

حالت کی بذلہ سخی کا ایک اور نمونہ اس کی ایک نظم ”مقصود“ میں بھی ملتا ہے جس میں  
عورتوں کی نفسیات کو بڑے دلکش اور طنزیہ انداز میں بے نقاب کیا ہے:

زنی با نوجوانی رو برد بود	مقصود سرگرم بحث و گفتگو بود
نمیدانم چه حرف افتاد در پیش	کہ خانم کرد کم کم صحبت از خویش
بگفتا تاکنون اندر بر من	نمودہ ہیچ کس جز شو ہر من
جوان این را شنیدہ با تبسم	سر خود پیش برد گفت خانم
صحیح است این، ولی از این حکایت	ندانم شکر داری یا شکایت!

ڈاکٹر علی اصغر حریری اگرچہ مزاح نگاروں میں شامل نہیں ہیں لیکن ان کی ایک نظم

”دخترک خیاط“ ان کی بذلہ سخی اور شگفتہ مزاجی کی غمازی کرتی ہے۔ کسی صحبت میں دختر خیاط سے آنکھ لڑ جاتی ہے، دل میں مختلف جذبات موجزن ہوتے ہیں:

چندان بعدا بم بفشردی ، کہ باخر  
 آہو بگرفتی کہ ز سوزن گذاردند؟  
 از سوزن او بر نگذشتی نخ سرکش  
 بس یک دوسہ بادش بدھن بردی و ہرباد  
 چون تار نخم لاغر و باریک نمودی  
 تا بیدی نہ، رشتی، و بانگشت بسودی  
 برگشتی و بر سرکشی خویش فرودی  
 آن نخ کہ منم، از دلبش بوسہ ربودی  
 حبیب یغمائی اپنے ہم عصر شاعر مسرور کے تخلص کا فائدہ اٹھاتے ہوئے زمانے کے مظالم پر بڑے لطیف اور دلکش انداز میں طنز کرتے ہیں:

در دہر بہر کہ بگری رنجور است  
 مسرور درین جہان یکی را دیدم  
 از خرمی و نشاط و شادی دور است  
 آن ہم نہ خودش تخلص مسرور است  
 ذاتی مایوسی اور تلخی، درد و غم اور زندگی سے بیزاری نادر نادر پور کے کلام کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ ان کے موضوعات میں داخلیت کا عنصر غالب ہے۔ نادر نادر پور کی وہ نظمیں کامیاب کہی جاسکتی ہیں جن میں اس نے اپنے مخصوص نقطہ نظر سے ہٹ کر خارجی مشاہدے سے کام لیا ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کی نظم کو لیجیے جس میں ایک لطیف تمسخر کے ساتھ تم کی زیارت گاہ کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

چندین ہزار زن	یک حوض بیمہ پر
چندین ہزار مرد	با آب سبز رنگ
زنہا لچک بسر	چندین کاغ پیر
مردان عبا بدوش	بر تودہ ہای سنگ
یک گنبد طلا	انبوہ ساکنان
بالک لکان پیر	درہر قدم براہ
یک باغ بی صفا	عمامہ ہا سفید
با چند تک درخت	رخسارہ ہا سیاہ
از خندا تہی	
وز گفتمہ ہا نمودش	

فرخ خراسانی کی نظم ذیل بہت دلچسپ ہے:

زابدان خواهند اسیر دام تزدیرم کنند  
روح من یاغی است باین بی حقیقت زاہدی  
من منشی پیش من جز حرف منشی پیش نیست  
بانتہایان دارم آہنگ جدل ترسم از انک  
من نہ آن صیدم کہ باین دام نخیرم کنند  
از حقیقت قوتہ باید کہ تدبیرم کنند  
فاش گویم ہر چہ می خواهند تکفیرم کنند  
چونکہ در منطق فرومانند تعذیرم کنند  
چون نیم احمق کہ تا این قوم تسخیرم کنند  
تا بدین تقریب دور از حضرت پیرم کنند

خانم پروین اعتصامی ایران کی ان چند شاعرات میں ہے جن پر فارسی شاعری کو فخر حاصل ہے۔ طنز و مزاح پروین کا شیوہ نہیں پھر بھی سوز و گداز اس کی شاعری کی امتیازی خصوصیت ہے۔ ایک بڑی پاکیزہ نظم ”مست و ہشیار“ کے عنوان سے کہی ہے، ملاحظہ ہو:

مست گفت، اید دست این ہر آہنت افسار نیست  
گفت جرم رلا رفتن نیست.. ہموار نیست  
گفت: رو، صبح آئی، قاضی بیمہ شب بیدار نیست  
گفت: والی از کجا در خانہ خمار نیست؟  
گفت: مسجد خوابگاہ مردم بدکار نیست؟  
گفت: بوسید است جز نقشی ز پود و تار نیست  
گفت: در سر عقل باید، بی کلاہی عار نیست  
گفت: ای بیہدہ گو حرف کم و بسیار نیست  
گفت: ہشیاری بید، این جا کسی ہشید نیست

پروین اعتصامی سماجی مسائل پر تنقیدی نظمیں لکھنے میں بہت کامیاب شاعرہ ہے۔ اپنی پوزیشن کا اظہار اس طرح کرتی ہے ایک قاضی کی ہجو میں کہتی ہے:

دزدی را سوی قاضی عسس  
گفت قاضی کاین خطا کاری چہ بود  
خلق بسیاری روان از پیش و پس  
گفت بد کردار را بد کیفراست  
دزد گفت از مردم آزاری چہ سود  
گفت بدکار از منافع بہتر است

گفت ہان برگو شغل خویشتن  
گفت آن زرہا کہ بردستی کجاست  
گفت آن لعل بدخشانی چه شد  
گفت پیش کیست آن روشن نگین  
دزدی پنهان و پیدا کارتست  
تو قلم بر حکم داور می بری  
حد بگردن داری و حدی زنی  
می زخم گرمی رہ خلق ای رفیق  
می برم من جامہ درویش طور  
دست من بستی برای یک گلیم  
قاضی چو زنش حاملہ شد زار گریست  
من پیرم و کیر من نمی خیزد ہیچ

مضاد جهود بدرگ کافر خویش  
گفتم کہ رگم تنگ بزن ہیچو کسم

آنی کہ بہ ہیچ کس تو چیزی ندہی  
نگی کہ بدان روغن بزرگ گیرند  
ژالہ عالم تاج فراہانی نظم بہ عنوان "شکایت از شوہر" میں اپنے شوہر کی ہیجو کرتی  
ہے۔ پہلے اس کا حلیہ دہشت ناک بتاتی ہے پھر کہتی ہے:

در ہیچہ او جسم کو چکم  
یا خود ملک الموت عالم است  
نہ علقہ فرزند و زن در او  
چون در کف شاہین کبوتریست  
یا از ملک الموت مظہریست  
نہ ز الفت سامان در او سریست  
پھر چند اشعار میں اس کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے انہماک کا ذکر کرتی ہے۔ وہ  
ایک فوجی ہے اور وطن پرستی میں اس قدر کھویا ہے کہ بیوی و بچہ بھی اس کے یہاں کوئی وقعت  
نہیں رکھتے۔ کہتی ہے:

اسپ است و تفنگت و پول پولی  
گر گویش ای مرد من ز نم  
آسایش روح لطیف ما  
من ربودم موزه و طشت و نم  
دزد جاہل گر یکی ابرلق برد  
دیدہ ہای عقل گرینا شوند  
دزد زر بستند و دزد دین رہید  
من برای خود ندیدم چاہ را  
می زوی خود پشت پا بر راستی  
دیگران گندم نمای جو فروش  
چیرہ دستی می رباید هرچه هست  
دردل ما حرص الالیش فزود  
دزد اگر شب گرم یغما کردن است  
حاجت اربارا ز راه راست برد

گردر نظرش نقش دلبری ست  
زن را سخن از جنس دیگر تست  
فرزندی و عشقی و شوہر یست  
تو سیہ دل مدرک و حکم و سند  
دزد عارف دفتر تحقیق برد  
خود فروشان زود تر رسوا شوند  
شحنہ مارا دید و قاضی را ندید  
تو بیدیدی کج نکردی راہ را  
راستی از دیگران می خواستی  
بار دای عجب عیب خود پوش  
می برند آنگہ ز دزد گاہ دست  
نیت پاکان چرا آلودہ بود  
دزدی حکام روز روشن است  
دیو قاضی را بہر جا خواست برد

مہستی گنجوی کی شہرت اس کی رباعیات کی وجہ سے ہے۔ یہ اپنی رباعیوں میں جا بجا  
ریاکاروں اور خود بینیوں پر بڑے حسین انداز میں طنز کرتی ہے۔ اس قسم کی کچھ رباعیاں ملاحظہ ہوں:

قلاش قلندری و عاشق بودن  
در مجمع رندان موافق بودن  
انگشت نما جملہ خلائق بودن  
بہ زانکہ بخرقہ منافق بودن

دل در ہمہ شرک و روی بر خاک چہ سود  
خود را بمیان خالق زاہد کردن  
زہر یکہ بجان رسید تریاک چہ سود  
با نفس پلید و جامہ پاک چہ سود

خندو بمن آن سانکہ خندہ اش  
من کیستم آوخ ضعیفہ ای  
برجان و دل خستہ خنجر یست  
کش نام و نشان طعن و تخر تست

آخر میں ایرانی عورتوں کی حرماں نصیبی کا رونا روتی ہے:

دردا کہ درین بوم ظلمناک      ز ترانہ پناہی نہ دادریست  
زن ننگ وجود است ازان سبب      پیچید بقرینہ چادریست

شاعرہ شاہی نے رباعی ذیل میں ابوالفتح کی ہجو کی ہے۔ شاید یہ مرد اس کا شوہر تھا:

تا چند

تا چند نس خویش نہی بر نس من      کیری چودوال در زنی در اس من  
گر قاعدہ کیر تو این خواهد بود      ریش تو بجای کیر بہ در گس من

جدید فارسی شاعری میں ایک بات اور خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس زمانے کا ایرانی اس قدر وطن پرست بن چکا ہے کہ وہ ایران ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے اور ایرانی عصبیت کا شکار ہو کر ایران کے قدیم مشاہیر کی عظمت کے ترانے گاتا ہے۔ قدیم ایران کے مذہبی رہنماؤں کے ساتھ رشتے جوڑتا ہے۔ کہیں وہ خاک ایران کے عنوان پر لطم لکھتا ہے اور اوستا اور ایرانی آتشکدوں کے مٹ جانے پر آنسو بہاتا ہے اور بسا اوقات اعتدال کی حد سے تجاوز کر کے عربوں کی ہجو پر اتر آتا ہے۔ مثلاً فرخی خراسانی ایک قصیدہ میں کہتا ہے:

یارب عرب مباد و دیار عرب مباد      این مرض شوم و مردم دور از ادب مباد  
این قوم دون دزدگدارا ز کردگار      جز لعنت و عذاب و بلا و غضب مباد  
تہا ہمین عراق نہ ہر جا عرب کدہ      نجد و حجاز و تونس و مصر و حلب مباد

## ایرج میرزا

ایرج میرزا کی شاعری کو جدید ایرانی ادبیات کا بہترین نمونہ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اس کا کلام مضامین بدیع پر مشتمل روانی و دلچسپی کا حامل ہے۔ اس کے کلام میں متقدمین شعر کی مانند استحکام و متانت پائی جاتی ہے۔ متقدمین کی پیروی میں عربی کلمات کے بافراط استعمال سے احتراز کرتا ہے اور جدید یوں کی مثل علم و ادب کا دشمن نہیں ہے۔

ایرج نے اپنی شاعری میں روزانہ بول چال کی عام زبان کو خوب فروغ دیا۔ جدید عہد کے معاشرتی مسائل میں خاص طور پر عورتوں کی آزادی اور ان کی تعلیم ایرج کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ایرج کی ہجو یہ نظموں میں غیر مہذب اور فحش الفاظ بکثرت ملتے ہیں اور اس قسم کی شاعری میں اس کا لہجہ سخت اور شدید ہو جاتا ہے۔ یہ ایک افسوسناک بات ہے کہ شاعری میں منفرد سبک اور طرز و روش کا فنکار ہونے کے باوجود ایرج موضوعات کے انتخاب میں کیوں ڈھیلا پڑ گیا ہے۔

ہجویات میں ”عارف نامہ“ ایرج کا شاہکار ہے۔ سات سو ابیات پر بسیط یہ عارف تزیینی (معاصر ایرج میرزا) کی ہجو ہے۔ عارف نامہ کی شان نزول یہ ہے کہ عارف نے ایک بار مشہد میں سلطنت قاچار کے خلاف اور خاقان مغفور (سلاطین قاچار میں فتح علی شاہ، خاقان مغفور اور ناصر الدین شاہ، شاہ شہید کہے جاتے ہیں) کی ہجو میں اشعار پڑھے۔ سلطنت قاچار یہ کے خلاف تصنیف کا یہ بیت ہے:

رحم اے خدای دادگر کردی نکر دی      ابقابا عقاب قجر کردی نکر دی  
خاقان مغفور کی ہجو میں غزل کا شعر ذیل میں درج ہے:

چو چغد بر لب ویرانہ ہای شاد عباس      نشست عارف و نثرین بروخ خاقان کرد

عارف نے یہ اشعار ایک مجمع کثیر میں پڑھا۔ اس بد گوئی سے شاہ زادہ ایرج میرزا جلال الممالک فرزند صدر الشعران غلام حسین میرزا پیر زادہ فتح علی شاہ قاچار کے جذبات میں ہيجان آگیا اور عارف نامہ نظم کرنے پر آمادہ ہوا۔ ایرج میرزا نے عارف نامہ میں خود اس ضمن

میں صراحت کی ہے:

شندیم در تاثر باغ ملی  
نمود اندر تماشا خانہ عام  
بجای بدکشائیدی سخن را  
نمی گویم چه گفتی شرم آید  
چنین گفتندکز آن چیز عادی  
الہی می زد آواز تران  
ترا گفتند تا تصنیف سازی  
کنی یا شعر بد عرض کیاست  
تو آہوی مکن جانان گرازی  
عجب اشعار زشتی ساز کردی

عارف نامہ کے تمام اشعار ہجویہ اور شوخ ہیں۔ اس میں اخلاقی ابیات بہت کم ہیں۔ عارف نامہ نے پورے ایران میں ہلچل پیدا کر دیا۔ ریاکار ملاؤں نے ایرج پر کفر کا فتویٰ عائد کیا۔ عارف نامہ کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

شندیم من کہ عارف جانم آمد  
شدم خوش حال وجانی تازہ کردم  
عارف نامہ کے اشعار ذیل میں ایرج نے عورتوں کے حجاب کو کامیابی کے ساتھ مورد انتقاد و ہجو قرار دیا ہے:

خدا یا تاکی این مردم بہ خوابند  
چرا در پردہ باید طلعت بار  
مگر زن در میان ما بشر نیست؟  
زنان را عصمت و عفت ضرور است  
چون خوابد کہ گیرد باتو پیوند  
زن رو بہتہ را ادراک و ہش نیست  
اگر زن را بود آہنگ ہیزی  
زنان تاکی گرفتار حجابند  
خدا یا زین معما پردہ بردار  
مگر در زن تمیز خیر و شر نیست؟  
نہ چادر لازم و نہ چاقچور است  
نہ چادر مانعش گردد نہ روبند  
تا تر و ستوران ناموس کش نیست  
بود یکسان تا تر و پای دیزی



زندگی پرده بر بام فلک کوس  
ہمان بہتر کہ خود بی پردہ باشد  
رواق جان بنور بنیش افروخت  
بدریا گر بیفتد تر نہ گردد  
نئی خر، ترک این خربندگی کن  
بجنب از جا کہ فی التاخیر آفات  
بہشت حور درلقافہ زشت است  
جہان بی عشق زن باشد جہان نیست

اگر زن را بیا موزند ناموس  
بہ مستوری اگر بی پردہ باشد  
چوزن تعلیم دید و دانش آموخت  
بہ ہیج افسون ز عصمت برنگردد  
بروای مرد فکر زندگی کن  
برون کن از سر نخست خرافات  
گرفتم من کہ این دنیا بہشت است  
اگر زن نیست عشق اندر جہان نیست

اشعار ذیل میں شادی کے طریقہ کو مذموم بتایا ہے:

ازین عقد و نکاح چشم بستہ  
زنا کردن ازین سان زن گرفتن  
بری نا آزمودہ خوی اورا  
دگر بستہ است با اقبال و طالع  
کئی یک عمر گوز خود نوالہ  
خریداری کئی خربوزہ کال  
ندانستہ کہ شیرین است نانہ  
دو روز دیگر از عمرت شوی سیر  
تواز یکسو و بانو از دگر سوی  
بروز بدتر از این ہم بیفتی

خدایا کی شوند این خلق خستہ  
بود نزد خرد احمی و احسن  
بگیری زن ندیدہ روی اورا  
چو عصمت باشد از دیدار مانع  
بہ حرف عمہ و تعریف خالہ  
بدان صورت کہ از تعریف بقال  
و یا در خانہ آری ہندوانہ  
شب اندازی بتاریکی یکی تیر  
سپس جو سید کام خود زہر کوی  
در ایران تابود ملا و مفتی

عارف نامہ میں حجاب زنان کا ایک نتیجہ امر پرستی کے متعلق ایرج کا خیال ہے:

کہ بروی عارف و عامی دچار است  
وگر باشد بدین سان در ملا نیست  
ندانند راہ رسم بچہ بازی  
پسر ہا را کند ہم خوابہ شب  
برای عشق و برزیدن قشکست

کہ یارب بچہ بازی خود چکار است  
چرا این رسم جز در ملک مانیت  
اروپای بدان گردن فرازی  
حجاب دختران ماہ غبغب  
تو بینی آن پسر شوخست و شکست

”تعارف“ کے عنوان سے قطعہ ذیل میں ایران کی ظاہر داری اور احترام سازی کی

مذمت کی گئی ہے:

یارب این عادت چہ می باشد کہ اہل ملک ما  
جملہ بشینند با ہم خوب و بر خیزند خوش  
ہچنان در موقع وارد شدن در مجلسی  
بر زبان آرند بسم اللہ بسم اللہ را  
این یکی چومی نشیند دیگری ورمی جہد  
فرضا اندر مجلس گردہ نفر بنشستہ بود  
نام این رم را چون نادان ادب بہادہ اند  
از برای رنجبر رم مطلقاً معمول نیست  
گروزی از در آید رم مفصل می شود  
ہچو آن اسبی کہ بر من دادہ میر کامگار  
گاہ بیرون رفتن از مجلس ز در رم می کنند  
چون بہ پیش در رسند از ہمد گرم می کنند  
کہ ز پیش رو گہی از پشت سر رم می کنند  
گوینا جن دیدہ یا از جانور رم می کنند  
تا دوت گاہ کم گہ بیشتر رم می کنند  
چون یکی وارد شود ہر دہ نفر رم کنند  
بیشتر از صاحبان سیم و زر رم می کنند  
تا توانند از برای گنجور رم می کنند  
دیگر آنجا اہل مجلس معتبر رم می کنند  
بی خبر رم می کنند و با خبر رم می کنند

ان ابیات میں برقعہ پوشی کی مذمت کرتے ہوئے معاشرہ کی خرابیوں کا احصاء کیا ہے:

شنیدم یا وہ گوئی ہر زہ پوی  
چو اشعار حجابم را شنیدہ  
زبان بکشادہ بر دشنام بندہ  
ولی من ہجج بد از کس نگویم  
نہ باید منع کرد این عادت بد  
نہ خود این نیز ہم عیب حجابست  
تمام این مفساد از حجابست  
نیندیشی ای بیچارہ خر  
حجاب دست و صورت ہم یقین ست  
واعظ و شیخ کے مگر چھ کے آنسو بہانے پر تنقید کی گئی ہے:

نعوذ باللہ از آن قطرہ ہای دیدہ شیخ  
چہ خانہ ہا کہ ازین آب کم، خراب کند

شنیدہ ام کہ بدریای ہند جانوریست  
 بسا حل آید و بی حس برای خاک افتد  
 شود ز تابش خور چشم او پر از تی و اشک  
 چو گشت کاسہ چشمش پُر از ذباب و ہوام  
 بآب دیدہ سوزندہ تر ز آتش تیز  
 چو اشک این حیوان است اشک دیدہ شیخ  
 اس قطعہ میں بادشاہ کے مظالم اور اس کی خون خوار فطرت پر تنقید کی ہے کہ وہ حق  
 بات کہنے والوں کو دار پر چڑھا دیتا ہے:

### ازداری ترسم

زیار ان من بسی بد دیدہ ام کز یاری ترسم  
 شا پو میہا خطر نا کند و ترسیدن از آن واجب  
 نہ از مارونہ از کژدم نہ زین پیمان شکن مردم  
 نمی ترسم نہ از مارونہ از شیطان نہ از جادو  
 فراوان گفتنیہا ہست و باید گفتش اما  
 بہ بیکاری چنان خو کردہ ام کز کاری ترسم  
 ولی با این خطرناکی من از دستاری ترسم  
 ازان شاہنشہ بی دین خلق آزاری ترسم  
 غم خود را بیکسو ہشتہ از غمخواری ترسم  
 چہ سازم دور دور دیگر است ازداری ترسم

ایرج میرزا کا مخصوص میلان ہزل گوئی کی طرف ہے، جو اپنی رکاکت کے سبب اکثر  
 و بیشتر ذوق سلیم پر گران گذرتی ہے۔ ان کی مشہور مثنوی عارف نامہ بھی اسی کمزوری کا شکار  
 ہے۔ تاہم کبھی کبھی ایرج کی نظموں میں ایسی جھلکیاں نظر آتی ہیں جہاں طنز و ظرافت کی  
 شایستگی اور نشتریت قاری کے ذہن کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی۔ مثلاً ایک جگہ وہ دن کا منظر  
 کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

باز بر تافت بعالم خورشید  
 شد بر افروختہ کانون فساد  
 تافت بر خوابگہ عالم نور  
 روی آفاق پُر از ولولہ شد  
 شیر بر خواست پی صید غزال  
 بر رخ خلق جہان تیغ کشید  
 آتش فتنہ در آفاق افتاد  
 مار جبید و بجوش آمد مور  
 راحت وامن ز گیتی یلہ شد  
 باز از صعوبہ نمود استقبال

قجہ بجل برخ غازہ کشید  
 مردمان در تک و پو افتادند  
 گشت بی عاطفتی باز شروع  
 آمد از خانہ برون شیر فروش  
 کاسب دزد بازار آمد  
 شد برون حضرت شیخ الاسلام  
 شرکت را در مال یتیم  
 صف کشیدند پدر سوختہ ہا  
 روز آہستن رنج و تعب است  
 غرچہ مفسدہ خمیازہ کشید  
 رو بہر برزہ و کو بہادند  
 یافت حرص و ولع و جہل شیوع  
 کوزہ شیر پر از آب بدوش  
 طالب مزد سرکار آمد  
 ریش رابستہ حنا از حمام  
 شفقتی داند بر حال یتیم  
 چشم بر منصب ہم دوختہ ہا  
 ای خوشاشب کہ فراغت بہ شب است

ایک قصیدہ میں ایرج میرزائے ایران میں مروج لواطت پرستی کی تفصیل بیان کی ہے اور اپنی غیر فطری شہوانی خواہش کی تسکین کی آرزو کا اظہار کیا ہے اور محسوسات کو قلم بند کیا ہے کہ کس طرح وہ امر پر فریفتہ ہونا چاہتے ہیں اور اس کے والہانہ عشق میں کیا کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ایرج میرزائے بڑے سنجیدہ انداز میں تین قسم کے لوطیوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ ایک وہ جو عام لوطی ہیں، دوسری قسم ان امر کی ہے جو شاہوں سے اپنا تعلق قائم کر کے شاہزادوں کے ساتھ بچہ بازی کرتے ہیں اور تیسرا اگر وہ لونڈ مشرب صوفیوں اور ملاؤں کا ہے۔

ایرج میرزائے ایران میں مروج افیون خوری اور شراب آشامی کی مذمت کی ہے۔ ایرج کی شخصی ہجویات بڑی فحش ہوتی ہیں۔ عطا ملک کرمانی، قنبل الدولہ اور طبیب کمال السلطنت کی ریک ہجویات ایرج سے منسوب ہیں۔ رکاکت و عریانی کی بنا پر نقل کرنا بے سود ہے۔

## عارف قزوینی

میرزا ابوالقاسم متخلص بہ عارف (متوفی ۱۹۳۴ء) پسر مرحوم ملاہادی وکیل قزوینی کی شاعری جدید ایران کی سیاسی و عمرانی حالت پر شدید طنز ہے۔ وہ حکمرانوں، وطن فروشوں اور رجعت پرستوں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ اشعار کی روشنی میں عارف کی ہجویات و طنزیات کی زہر افشانی و نیش زنی کا اندازہ ہوگا۔

غزل ”قحط الرجال“ میں عارف ایران پر غیر ملکیوں کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے اہل ایران کی مذمت کرتے ہیں پھر مذہبی طبقہ کو بھی ملعون شمار کرتے ہیں:

قحط الرجال گشت در ایران کہ از ازل	گوئی کہ چچ مرد در این دودمان نبود
جز اجنبی و خانن و بیگانہ محرمی	در آستان شاہ ملک پاسبان نبود
در اجنبی پرستی ایرانی آن چنان	داد امتحان کہ بہتر از این امتحان نبود
ز اول بنای مجلس آزادی جہان	شرمندہ تر ز مجلس ما پارلمان نبود
ایران بروزگار تجدد چہ داشت اگر	مفتی و شیخ و مفت خور و روضہ خوان نبود

### ملت فروشی

گر نکردم خدمت، این دانم، خیانت ہم نکردم  
شکر ایزد دراکہ عارف نی و کیلم نی وزیرم

### حکمرانی قاچار

تو عدل و داد ز نسل قجر مدار امید  
کہ از نژاد ستم داد گرنمی آید  
مزدور اور کسان طبقہ پر تشدد و مظالم:

از خرابی یک مشت رنجبر چہ می خواهی  
تا بکی توانی کرد زین خرابی آبادی

### سرکاری تنظیم

بیدار ہر کہ گشت در ایران رود بدار  
بیدار و زندگانی بیدارم آرزوست

### شیخ زبان — پرودہ ہا کی ربا!

چون بہر کار ز دم دست ریادیدم، روی  
بدر میکده بی روی ربا خواہم کرد

بدرای پیرمغان پر دہ ارباب ریا  
من ازین خرقہ سالوس بدر خواہم شد  
منع زاہد سبب خوردن می شد ورنہ  
ورنہ درکار خرابات ریا خواہم کرد  
ترک عمامہ و دستار و ردا خواہم کرد  
مختسب گوید اگر، مستی ابا خواہم کرد

حجاب

ترک حجاب بایدت ای ماہ رو مکیر  
آشفته کن زطرہ آشفته کار زہد  
چون شیخ مغز خالی پر حرف دلابہ گوی  
در گوش و اعظ بی آبرو مکیر  
یک موی حرف زاہد خود بین برو مکیر  
ایراد بی جہت سر ہر گفتگو مکیر  
عارف اپنی ہجویات اور مطاببات کو ”دردریات“ کا لقب دیتا ہے۔ یہ اس کی اپنی  
موضوع اصطلاح ہے۔ اس کی جدی شاعری سے ہجویہ شاعری کسی طور پر کم اہمیت نہیں رکھتی:

بہیت کابینہ تکیہ دولت

نشستہ بودم دوش از درم در آمدیار  
خراب چون دل من چشم و شمش اندر چشم  
جواب گفت تو سر زربال و پرداری  
بہر خویش تو خوش بودہ بہ استبداد  
ولیک ترسم کز دست خائنین گردد  
شدہ است بہیت کابینہ تکیہ دولت  
عروس قاسم روزی رقیہ می گردد  
ہمانکہ ہندہ شدی گاہ می شود زینب  
کسی ندیدہ کہ یک نو عروس صد امداد  
فغان و آہ ازین مردمان بی ناموس  
زاعتدالی خالی اگر جہان نہ شود  
کجائی آنکہ بیابان رنج پیودی  
ز حرف حق زدن عارف نکن در لغ امروز

سلیمان نظیف ایک معروف ترکی ادیب حکومت عثمان سے وابستہ تھا۔ اصلاً  
کردستان کے نواح و جوار کا باشندہ تھا اس لیے بہت ممکن ہے کہ اس کی رگوں میں ایرانی خون

دوڑتا ہو۔ شاعرانہ احساس، طرز فکر اور فن چابکدستی میں ایرانیوں سے مشابہ ہے، لیکن دوسری طرف اس میں ترکوں جیسی عادتیں پائی جاتی ہیں جو اس کی فکر میں تادن اور حرکات میں غارت گری کے سامان ہیں:

زمن بگو بہ سلیمان نظیف تیرہ ضمیر  
 برون ز کرد شود اولیا؟ معاذ اللہ!  
 ز ترک غیر خیریت ندید کس زینہار  
 تورا کہ کودک دیروزی است دولت قان  
 عشیرتی کہ ندارد درفش و عار و تبار  
 نژاد ایران با ترک آن چنان ماند  
 تو گفتی: ایرانی بگرفتہ راه ترکستان  
 تورا بہ کعبہ چوسگ راه نیست ترکستان  
 فرار کردم و گفتم ہزار لعنت حق  
 نظام سلطنت از خویشتن بترک فروخت  
 اگر مخارج پالان زیادہ از خر کرد  
 ازین دو خر ترخر آنکسی بود بہ جهان  
 تورا بہ نادر گیتی ستان چہ کارایدون  
 ادیب باید طرز ادب نگہ دارد

اشرف الدین کی ادارت میں ایک روز نامہ بنام ”نسیم شمال“ نکلتا تھا اور اسی مناسبت سے اشرف الدین نسیم شمال مشہور ہو گئے تھے۔ عارف قزوینی نے ایک نظم ”خر نامہ عارف“ بہ طرز مثنوی موزوں کی۔ آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

خواندم امروز من نسیم شمال خواندہ ناخواندہ کرد مش پامال  
 سید اشرف کو ”خر“ کہہ کر مخاطب کرتا ہے اور معاشرے کے تمام طبقہ اور ہر فرد کو

”خر“ شمار کرتا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

پی تخریب کلہ ہای عوام  
 ای خر ازین خران چہ می خواہی  
 از چہ داری تو جدوجہد تمام  
 تو ز خود بد تران چہ می خواہی

اہل این ملک بی لجام خزند  
 شاہ و کابینہ و وزیر خزند  
 حشمت الدولہ گر کنی باور  
 موتمن کم خر از برادر نیست  
 شخنہ و شیخ و پیر، پیر و دلیل  
 سر بازار تا خیابان خر  
 از مکلاش تا معمم خر  
 واعظ و روضہ خوان منبر خر  
 از صف پیش تاہ آخر خر

لظم ”پدرنامہ عارف“ بھی ایک کامیاب جھوٹے ہے:

بار آورندہ شجر بی ثمر پدر  
 ای مایہ فلاکت و خون جگر پدر  
 ای کردہ چاک دامن ناموس مادرم  
 پنداشتی گر مردہ و گر زندہ ام خرم  
 ای برخلاف علم و ادب ہجو بولہب  
 بی علم و بی سواد و خرد خوار کردیم  
 نفرین بہ خانوادہ و خان تو نان تو  
 آتش بہ خانمان تو و آشیان تو

آیم دی کہ از تونہ پنم اثر پدر

اپنی لظم ”دلآکیہ عارف“ میں ظرافت و طہیت کے انداز میں شدید ہجو پوشیدہ ہے۔  
 ایک آدمی کے سر منڈوانے کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ کس طرح ”نائی“ نے اس کے تین بھائیوں  
 اس کے سر کی صفائی شروع کی:

کرد زبردست و مالیدن گرفت  
 اولین بارش چنان ضربی بہ سر  
 گفت آخ استاد بریدی سرم  
 بعد از یک سو تڑاشیدان گرفت  
 زد کز آن ضربت دلش اشد خج  
 گفت: راحت باش تا من نہ درم



پنبہ می چپانمش تا خون ریش  
 باز فریاد از دل پر خون کشید  
 ہی بریدی آن سر ہی از جیب خویش  
 پوست آن سر ہمہ تا رانج کرد  
 از سر خونین نریزد روی ریش  
 تا بجد چند جا را ہم برید  
 پنبہ می چپاند بر آن زخم ریش  
 صفحہ سر دکتہ علاج کرد  
 آخر میں جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ اصل ہے:

تیغ دادن بر کف دلاک مست بہ کہ افتد شای احمد را بدست  
 آن کند زخمی سر و این سر برد سر ز سرداران یک کشور برد  
 عارف نے ایک قصیدہ خط کے انداز میں اپنے دوست علی بیرنگ کو لکھا اس میں  
 ابنائے وطن کی شکایت کی اور ان کی انگلیں پرستی اور روس نوازی سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔  
 کچھ اشعار بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں:

شاہ و وزیر و وکیل و حاکم و محکوم  
 عالم و جاہل بیک ردیف در انظار  
 بار بر انگلیس و کارگر روس  
 شاہ و گدا دزد میر و عس مست  
 آنچہ بجا ماندہ بر دشہ بہ اروپا  
 گنج جواہر ز شاہ باز گرفتن  
 مجلس تنگین، وکیل خائن و قاتل  
 رشوہ بگیرند و رشوہ خوار علی جان  
 خادم و خائن بیک قطار علی جان  
 مردم بی قدر و اعتبار علی جان  
 مملکت از ہر طرف دچار علی جان  
 بہ بہ ازین شاہ و شاہکار علی جان  
 مہرہ گرفتن بود ز مار علی جان  
 دولت و کابینہ لکہ دار علی جان

## ملک الشعر امیر زامد تقی بہار مشہدی

بہار جدید ایران کے عظیم انقلابی شاعر ہیں۔ آپ کا دیوان، قصائد، غزلیات، مثنویات، رباعیات اور قطعات پر مشتمل بیس ہزار اشعار پر بسیط ہے۔ بہار کی شاعری پر سیاسی اور سماجی رنگ غالب ہے۔ ان کا لہجہ شدید اور تلخ ہے۔ ان کی شاعری میں خرابی ماحول کے خلاف احساسات کی عکاسی ملتی ہے۔

ایک بار افترا پردازوں نے بہار کی بدیہ گوئی کے امتحان کے لیے رباعیاں موزوں کرنے کی خواہش ظاہر کی اور جمع بین الاضداد کے فنی استعمال پر مصر ہوئے۔ بہار نے ایک رباعی میں تسبیح، نمک، چنار، بہار اور دوسری میں خروس، انگور، درفش، سنگ کا استعمال کیا۔ بہار کہتے ہیں:

”دران مجلس جوانی بود طناز و خود ساز کہ از رعنائی بر عونت ساختہ و از شوخی بہ شو گلنی پرداختہ“۔

اس نے یہ چار الفاظ کاغذ پر لکھ کر دیا: آئینہ، آرہ، کفش، غورہ۔ بہار آگے لکھتے ہیں کہ:

”من برای تنبیہ آن شوخ چشم دست اطاعت بردیدہ نہادہ دی را ہجای کردم

کہ منظور آن شوخ ہم دران ہجو بحصول پوست و آن اینست“

چون آئینہ نور خیز گشتی، احسنت چون ارہ بخلق تیز گشتی، احسنت

در کفش ادیبان جہان کردی پای غورہ نشدہ مور گشتی، احسنت

بہار کا قصیدہ ”جہنمیہ“ طنزیات کے تیر و نشتر سے لیس ہے۔ اس میں سجادہ نشین

بزرگوں، زہد فروش عالموں اور دیگر طبقات انسانی کی مذمت کی گئی ہے۔ ابتدائی اشعار میں جہنم

کی منظر کشی کی گئی ہے پھر بتایا ہے کہ کون کون لوگ جہنم کے مستحق ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

آن چاہ ویل در طبقہ ہفتمین کہ ہست تابوت دشمنان علی در میان او

از موضعیف تر بود از تیغ تیز تر آن پل کہ دادہ اند بدوزخ نشان او

جز چند تن زما علما جملہ کائنات ہستند غرق لہجہ آتش فشان او

جز شیعه ہر کہ ہست بعالم خدا پرست  
وانکس کہ با عملند سر موی سر گذاشت  
وانکس کہ کرد کار ارادات دولتی  
وانکس کہ شد وکیل و ز مشروطہ حرف زد  
وانکس کہ روزنامہ نویس است و چیز فہم  
وان عالمی کہ کرد بمشروطہ خدمتی  
وان تاجری کہ رد مظالم بمانداد  
وان کاسب فضول کہ پالان او کج است  
در دوزخ است روز قیامت مکان او  
مندیل اوست سوی درک ریسمان او  
سوزد بہ پشت میز جہنم روان او  
دوزخ بود بروز جزا پارلمان او  
آتش فتد دفتر و کلک و بنان او  
سوزد بہ حشر جان و تن ناتوان او  
مسکن کند بہ قعر سقر کاروان او  
فردا کشند سوی جہنم عنان او

بہار کے باغیچے میں ایک بڑا تالاب تھا جس میں بے شمار مینڈک پیدا ہو گئے جو اپنی  
غٹروں سے حساس شاعر کا سکون و آرام چھین رہے تھے۔ ایک رات شاعر نے مینڈکوں کی ہجو  
میں ایک قصیدہ لکھ مارا۔ اس قصیدہ میں بہار لہیسی کے بیت ذیل سے متاثر ہیں:

ای غوک چنگلوک چو پڑمردہ برگ کوک  
بہار کا ہجویہ قصیدہ ”غوک نامہ“ ملاحظہ ہو:

آن غوک سبز پوش بر آن برگ پیل گوش  
چون زاہدی عنود، بہ سجادہ کبود  
گر بگذرد ز پیشش پروانہ ای ضعیف  
بی رنج گیر و دار بیور باردش بقہر  
غوک کبود چہر، شدہ خیرہ بر سپہر  
”ای غوک چنگلوک چو پڑمردہ برگ کوک  
جستہ کمین خموش و دویدہ سوی سما  
بر کردہ از سجود، سر و روی یا خدا  
بروی کمین گشاید، آن زاہد دعا  
چونان کہ آدمی را اوبارد اژدہا  
خواہد مگر زمہر، فلک دوزدش قبا  
خواہی کہ چون چلوک پری سوی ہوا“

بہار کے کلام میں متعدد قصیدے ملتے ہیں جو مشہور کلاسیکی قصائد کے جواب میں  
لکھے گئے ہیں۔ ”جغد جنگ“ کا مطلع:

نغان ز جغد جنگ و مرغوی او  
منوچہری کے قصیدے کے جواب میں ہے جس کا مطلع یہ ہے:  
نغان ازین غراب بین دواوی او  
کہ تا ابد بریدہ باد نای او  
کہ درنو افکند مان نوای او

اس قصیدے میں جنگ کی تباہ کاریوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کی مذمت کی گئی ہے۔ اشعار ذیل خاصی توجہ کے طالب ہیں:

بخاک مشرق از چہ رو زندرہ	جہانخواران غرب و اولیای او
گرفتم آنکہ دیک شد گشاده سر	کجاست شرم گربہ و حیای او
کسیکہ در دلش بجز هوای زر	نیافریدہ بویہ ای خدای او
رفاہ و ایمنی طمع مدارہان	زکشور یکہ گشت بتلای او
بہ خویشتن ہوان و خواری افگند	کسیکہ در دل افکند هوای او
نہند منت ندادہ برسرت	وگر دہند چیست ماجرای او
بنان ار زنت بساز وکن حدز	زگندم و جو و مس وطلای او
بسان کہ کہ سوی کبر با بارود	رود زر تو سوی کیسای او
نہ دوستیش خواہم و نہ دشمنی	نہ ترسم از غرور و کبریای او
ہمہ فریب و حیلست و رہزنی	مخور فریب جاہ و اعتلای او
غنائی اوست اشک چشم رنجبر	مبین بہ چشم سادہ در غنائی او
عطاش را نخواہم و لقاٹش را	کہ شوم تر لقاٹش از عطای او
لقای او پلید چون عطای وی	عطای وی کریبہ چون لقای او
فقای جنگ خواہم از خدا کہ شد	بقای خلق بستہ در فقای او

بہار کا ایک مشہور قصیدہ بہ عنوان ”شکوایہ“ ہے۔ اس قصیدہ میں بہار نے اوضاع عمومی کی تنقید کی ہے اور حکومت کے محکمہ و انتظامیہ و عدلیہ کے ستم پیشہ عمال کو ان کے جور و ظلم کی بنا پر مورد لعن و طعن قرار دیا ہے۔ بہار کو خود بھی ۱۳۱۲ خورشیدی میں ان عمال کی فریب کاریوں سے زندان کی ہوا کھانی پڑی تھی:

شریر، قاضی و رہزن، امین و دزد عسقس	ازین دیار بیاید برون جہاند فرس!
فادہ کارکسان با جماعتی کہ بوند	ہمہ عوان و ہمہ خونئی و ہمہ ناکس!
زخانان و زوزدان کہ برسر کارند	شداین امین خزان، شد آن امیر حرس
درون زندان دیدم نکرده جرم بسی	زگندہ پیر کہن تا بکوزک نورس

یکی بہ بند کہ گفت ”ای خدا بد ادم رس“  
 یکی از ایران کردہ گذر برود ارس  
 یکی گرفتہ جوایی ز عالم مدرس  
 مرکبات گران است و گوجہ ہانارس  
 کہ باد لعنت بر خولی و شان عفس  
 شدہ است باوی ہمرہ زخانہ تادرس  
 بگویم ارندھی نسبت گزارفہ زپس

یکی اسیر، کہ گفت ”ای اجل نجاتم دہ“  
 یکی با ایران باز آمدہ ز کشور روس  
 یکی نوشتہ کتابی بہ تاجر دہلی  
 یکی شکایت کردست کز چہ روی امسال  
 یکی بہ محضر جمعی سرودہ با میر آب  
 یکی بعہد مدرس بنزد او رفتہ است  
 گناہ بندہ ہم از این قبل گناہان بود

لظم ذیل احمد شاہ قاچار کے آخری دور حکومت میں لکھی گئی۔ اس میں شاہ کے طرز  
 وروش اور درباریوں کی حرکتوں کو ملعون و مطعون قرار دیا گیا ہے۔ یہ لظم روزنامہ ”نوبہار“  
 میں شائع ہوئی۔ شاہ کبیدہ خاطر ہوئے اور نوبہار کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی۔ ہجو یہ اشعار  
 ملاحظہ ہوں:

فر بہ بی مغز بی لاغراست  
 لاغر پرمایہ در شاہوار  
 و زملکی تاج سر اورا و بس  
 بی عظمت چون نم خون روز جنگ  
 جز ز پی زر ستن ہیچ باز  
 پادشہ و زارع و بازارگان  
 کہ برعیت، کہ بدو زر دہند  
 باز ستاندش بدست دگر  
 شاہ رعیت نبود لا جرم  
 چون نشود خرچ، گرانباری است

فر بہی مرد بہ مغز سراست  
 فر بہ بی مغز کدوئی است خوار  
 از دو جہان سیم و زر اورا و بس  
 سود خور و زر طلب و چشم تنگ  
 کف لیش نہ شد از حرص و آز  
 پر طمع و کور دل و تیرہ جان  
 کہ بہ سپہ، تا برہش سر دہند  
 شہ کہ بیک دست دہد سیم و زر  
 بندہ دینار و عبید درم  
 گنج کہ سرمایہ سالاری است

”بیک از وکلای مجلس“

یا دخلکی تراشی یاپوکی در آری  
 بیگانہ ای زہر فن، جز فن مفتخوری  
 وندر نجف خواندی جز درس خسواری

ای سید عراقی شغلی دیگر نداری  
 بیچارہ ای بہر کار جز کار چاپلوسی  
 در کربلا ندیدی جز علم جیب کندن

ہم ملعنت پناہی، ہم مفسدت شعاری  
 زیرا چو بوی ناخوش از پردہ آشکاری  
 از بسکہ نادرستی، از بسکہ نابکاری  
 لیکن برونیارد از فرط پختہ کاری  
 چون سکہ ہای مغشوش پیداز کم عیاری  
 تو مورد عطائی اماگناہ داری  
 من خیر خلق خواہم در قرب شہریاری  
 تو از خباثت خویش آن رازیان شماری  
 تو تکیہ گاہ پنهان جز اجنبی نداری  
 کز چشم تست پنهان آن نور کردگاری

بد قلب و رویا ہی بد اصل و دین تباہی  
 ریش و ردا و مندیل فسق ترا بنوشد  
 در کار خیر سستی، در اخذ رشوہ چستی  
 تو خام قلتبان را خسرو نکوشنا سد  
 باشد دوروی تو نزدیک شہ مسلم  
 من مورد عتابم اما کہ بی گناہم  
 تو سود خویش خواہی در حضرت شہنشہ  
 زین خیر خواہی من خسرو زیان نہ بیند  
 من تکیہ گاہ پنهان از اجنبی ندارم  
 تو کوری و زخورشید جز گرمی ندانی

اشعار ذیل میں شہری کی ندمت کی گئی ہے جو فتنہ و فساد اور حوادث شوم کا جائے

وقوع رہا ہے:

”ذم ری“

کہ گشت روز تو کوتاہ و روزگار تو طوی  
 بملک در شود انسان کہ بادہ در رگ و پی  
 ہمیشہ مہد خرافات و گاہوارہ غی  
 ہمہ ضعیف بعقل و ہمہ دلیر بہ می  
 بہ بی نوائی، گرم نوازش دف و نی  
 ولی بخارجیان گفتہ الجناح علی  
 بسوختی چو زتف شرارہ تودہ نی  
 چنان فشرکہ در تو نماند شخصی حی  
 ز نعل لشکر تاتار و برق خنجر وی  
 شد آفتاب تو تاریک و نوبہار تو دی  
 ز ملک ایران، آنگاہ کہ طنل بودی، ہی

اجل پیام فرستاد سوی کشور ری  
 از آن قبل کہ تو شومی و شومی از در تو  
 ہما رہ بنگہ اوباش و جاہیگاہ رنود  
 ہمہ فقیر بہ علم و ہمہ علیم بزرق  
 بتگدستی، پابند زینت سرور  
 ایا بداخلیان گفتہ الجناح علیک  
 ہمین نہ تنہا در جنگ شیمی و سنی  
 کہ جنگ شافعی و مالکیت ہم پس از آن  
 پیادہ دار کہ با خاک رہ شدی یکسان  
 پیادہ دار کز آشوب توپ استبداد  
 پیادہ دار کہ دادی تو ہفدہ شہر بروس

بیاد دار کہ بودی عبید اجنبیان  
از آن زمان کہ نشستند بر تو ہڈالری  
ملان ایران نبود جز اینکه صاعقہ ایت  
بشعلہ محو کند، کاخرالدوا الکی

مرحوم بہار کو تہران کے لوگوں سے بی شمار اذیتیں پہنچی تھیں۔ تہرانیوں اور تہران کی  
مذمت میں بہت اشعار ملتے ہیں۔ دکھے ہوئے دل کی آواز دل پر اثر کرتی ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:  
دمادم در پی عیش و تناسانی است تہرانی  
چومی بندد خراسانی پر خاش مغولان صف  
چو آذربائیجانی می زند باروسیان پنجه  
چو شیرازی کند بالشکر شیبانیان کوشش  
فنائی الفت و عہد و فنای صدق و غم خواری  
نورزد عشق باکس جز بقصد بردن جانش  
اگر مناس شدی یاری ز تہرانی مجو ہرگز  
چونادانی و تہرانی بود در قافیت یکسان  
بہر نسبت کہ کردم فکر، فکر م نامتام آمد  
اگر تہرانی اندر وفاداری درست آید  
ز بغدادی و کوفی نسخہ ثانی است تہرانی  
غنودہ اندر آن سرداب پنہان نیست تہرانی  
پی یغمای رشتی و خراسانی است تہرانی  
اسیر بند غفلتہای شیطانی است تہرانی  
درست آمد کہ اندر دوستی فانی است تہرانی  
بدین معنی رفیق و عاشق جانی است تہرانی  
کہ خصم تنگی و یار فراوانی است تہرانی  
ہمیشہ در پی ترویج نادانی است تہرانی  
بجز این نسبت کامل کہ تہرانی است تہرانی  
مزور بایش خواندن والا نیست تہرانی

بہار انگلینڈ کی خارجہ پالیسی اور خصوصاً ایران کے ساتھ اس کے رویہ سے خوش نہ  
تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے موقع پر تہران اور وہاں کی عوام کو سخت جانی و مالی نقصانات  
برداشت کرنا پڑا۔ بہار نے ”نفرین نامہ“ نظم کیا اور حیرت ہے کہ ان کی بہت سی بددعائیں  
(پیش گوئیاں) مستجاب ہوئیں:

انگلیسیا در جہان بیچارہ و رسوا شوی  
چشم پوشی بادل صد پارہ از سودان و مصر  
باکلاہ بام خوردہ بالباس مندرس  
بگذری از لالی و بیرون شوی از ہفت کل  
طعمہ خود فرض کردی جملہ موجودات را  
اختلاف انگندی و کردی حکومت بر جہان  
ز آسیا آوارہ گردی و زاروپا، پاشوی  
وز بویروکاپ، دل بر کندہ و درواشوی  
کفش پارہ، دست خالی، سوی امریکا شوی  
وز غم نقتون روان پر شعلہ نفت آسا شوی  
دقت آن آمد کہ یکسر طعمہ اعدا شوی  
شد می کز اتحاد خصم بی بلجا شوی

بودی اندر عقل و دانائی و بینائی مثل  
 هر کجا دیدی جوان مردی وطن خواه و غیور  
 هر کجا گنجی نهان، یا ثروتی دیدی عیان  
 عهد با کردی و پیمانها بشاهان  
 آتش جنگ موی را نمائی شعله ور  
 خواست حق تا کور گردی، کز شوی، کانا شوی  
 از میان بردیش تا خود در جهان آقا شوی  
 حیل با کردی که خود آن گنج را دارا شوی  
 کز نهیب قهر روس این ملک را بجا شوی  
 قتل مایه نبا جوان را ملت اولی شوی

”بیکى از روزنامه نویسان فحاش“

ابلهان زان خط که روزش بد فترمی کشی  
 ساغری کز جرعه نوشی هاش رانی عیبها  
 شب بعیب پاک مردان خامه راسر میکنی  
 گاه ترک و گاه آلمان گاه روس و انگلیس  
 می ستانی محرمانه پول از بیگانگان  
 زانکه بالا قیدی و بی آبرویی روز و شب  
 گر هنر مندی باصلاحات بردارد قدم  
 در سخندانی سخن گوید باصلاح وطن  
 و ر باو چیزی نچسپید از جنایات عموم  
 کیست آن میخواره و ایون صافی ضمیر  
 من اگر می خورم تو چیز دیگری خوری  
 بر سر تقوی و ایمان خط دیگری کشی  
 گر بچنگ آری تو اش لاجرعه بر سر می کشی  
 روز بر قتل عزیزان پاچه را در می کشی  
 مادر بیچاره را زین در به آن در می کشی  
 پس بروی آشنا از کینه خنجر می کشی  
 نقش و بهتان می پرانی جبر و منجر می کشی  
 پاچه اش چسپیده خوش راه به ساغری کشی  
 باد و صد شام از آن بد بخت کینفر می کشی  
 زیر دشنام می و ایونش اندر می کشی  
 تا تورا گوید که ای خر خیره عرعر می کشی  
 در من ایون می کشم تو چیز دیگری کشی

”بیکى از معاندین“

بد بخت کسی که چون تو باشد  
 منفور بنزد پیر و برنا  
 از روز ازل قلنده ابلیس  
 تو ز اهرمنی و از تو بزار  
 ای مغز خوابگاه ابلیس  
 ای مایه ننگ اهل تبریز  
 یک عمر بکار خویش حیران  
 ملعون بر کافر و مسلمان  
 در قلب تو کارگاه شیطان  
 روح مشی و روان مشیان  
 وی قلب تو جایگاه شیطان  
 از حکما باد تا شتر بان



با این تن خشک و این قیافه  
 بوزنیہ سل گرفته ای تو  
 خود را تو ز مصلحان شمردی  
 هستی بقیاس مصلحان، تو  
 هستی تو بطعم و بوی پیدا  
 شد پاری از تصرف تو  
 هستی ز کدام جنس حیوان  
 پوشیده بتن لباس انسان  
 این نام بخود نهادی آسان  
 چون ز آب فرات آب غلیان  
 هر چند شوی برنگ پنهان  
 مهمل چو کلام جان بن جان

”در جوکی از زنبهای تهران“

مردوزن و پدرزن و مادرزن و عروس  
 کد بانوان و دخترکان و عروسکان  
 هر کس که نیم شب ز خیابان گذر کند  
 کف می زنند و بهله بسیار می کند  
 همسایگان خسته مسکین ز خواب خوش  
 در بزم عیش باده گلزار می کشند  
 در نزد غیر پرده ز رخسار می کشند  
 اورا میان خانه باصرار می کشند  
 می میخورند و عربده بسیار می کشند  
 برجسته فحش داده و سیگاری کشند

”بمناسبت کوتاه کردن زنان گیسوان خود را“

شنید ستم در امریکا گروهی  
 زدست بی وفائی های نسوان  
 همانگه دسته ای در شهر پاریس  
 چنان شد رسم کار بچه بازی  
 زنان از دیدن این عین فاحش  
 پس آنگه بهر استرضای مردان  
 بر کردند رخت تنگ و کوتاه  
 بایران هم سرایت کرد این کار  
 طلائین طره و مشکین کلاه  
 سر خود را کچل کردند و زین غم  
 بیک تقلید بیجا این بلا را  
 دل از عشق زنان یکسو کشیدند  
 در آغوش جوانان آرمیدند  
 سوی این ماجرا باسر دویدند  
 که گفتی زن زاول نا فریدند  
 سرانگشت پشیمانی گزیدند  
 بهزم امردان کسوت گزیدند  
 سراسر زلف با مقراض چیدند  
 زمان نا فرموده شیطان شنیدند  
 درو کردند و قلب ما دریدند  
 دل ما را بخاک و خون کشیدند  
 دو دستی بر سر خود آوردند

## ہندوستان کی فارسی شاعری میں ہجو یہ روایت

ایران اور ہندوستان کا رابطہ قدیم الایام میں قائم ہوا۔ اس ملک کے لوگ فریدون اور نوشیرواں کے زمانے سے ایرانی لشکر کشائی کے باعث پہلوی زبان سے آشنا تھے۔ جس فارسی زبان سے ہم آشنا ہیں وہ خراسانی مسلمانوں کی زبان ہے جو غزنوی اور غوری لشکر کے ہمراہ ہندوستان آئی۔ ایران کی طرح یہاں بھی مجلس شعر و سخن رنگ پر آئی اور ایک سے ایک نامور شعر اپیدا ہوئے۔ عہد مغلیہ کے حکمرانوں کی فیاضیاں اور داد و ہش کی خبر سنکر ایران سے ہندوستان آنے والے شعرا اور ادبا کا تانتا بندھ گیا۔ حکمرانوں نے ان کی نیز ہندی نژاد شعرا و فضلا کی خوب جی کھول کر ہمت افزائی کی۔

ہندوستانی فارسی ادب میں ہجو و ہزل اس افراط کے ساتھ نہیں دستیاب ہیں جس قدر ایرانی ادب میں ملتے ہیں۔ ہجو کے عوامل و محرکات کی یہاں بھی کمی نہ تھی لیکن شعرا نے اس طرف کم توجہ دی اور ان کی تمام تر صلاحیتوں کا مصرف جدی ادبیات کی تخلیق و تکمیل میں ہوا۔ عہد مغلیہ کے انحطاطی دور میں تین شعرا ملتے ہیں جنہوں نے اس صنف خاص میں طبع آزمائی کی۔ یہ ہیں نعمت خان عالی، جعفر زٹلی اور فوقی یزدی۔ فوقی یزدی گرچہ ایرانی النسل شاعر ہے لیکن ہندوستان آیا تھا اس لیے اس کا ذکر اسی باب میں مناسب سمجھا گیا۔

## میرزا محمد علی شیرازی المتخلص بہ عالی

میرزا محمد علی کا والد حکیم فتح الدین شیرازی سے ہندوستان آیا تھا۔ اس کی پیدائش یہیں ہوئی۔ صغیر سنی میں باپ کے ساتھ ایران چلا گیا اور تحصیل علوم کے بعد ہندوستان واپس آیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کے مطبخ کا داروغہ مقرر ہوا اور اسی بنا پر اسے ۱۱۰۴ھ میں نعمت خان کا خطاب ملا۔ اورنگ زیب نے اسے جواہر خانہ نگین دولت کا داروغہ مقرر کر کے مقرب خان کا خطاب عطا کیا تھا پھر شاہ عالم کے زمانے میں دانش مند خان کے خطاب سے بھی سرفراز ہوا۔ نعمت خان عالی بہت بڑا ہنرال اور فحش نگار ہجو گو تھا۔ ہجویات و طنزیات میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ اس کی کلیات میں ہجو، طنز اور تحریفات کے نادر نمونے ملتے ہیں۔ نعمت خان عالی کے یہاں ہجو ملیح کی روشن مثالیں ملتی ہیں۔ طعن و طنز میں الفاظ کے الٹ پھیر اور ضلع جگت کا عنصر غالب ہے۔ نعمت خان عالی کی مضحکات اور مطاببات کے تشبیہات و استعارات اور لفظی و معنوی صناعت و بلاغت خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ اس کی ہجویات کے متعلق صاحب تذکرہ خزانہ عامرہ (۱) رقم طراز ہیں:

”جامع فنون کمال است و عجوبہ عدیم المثال، خامہ ہجویش شمشیر خون ریز است۔“

احمد علی سندیلوی مخزن الغرائب میں لکھتے ہیں: (۲)

”... اس نے اپنے دلی نعمت کے حق نمک کا خیال نہیں رکھا اور ہجو ملیح لکھی:

نمک و سودہ الماس شبیہ است بہم ہر کہ این را بہ غلط خورد و گر جان نبرد  
آخر اپنی ناشایستہ اور نامناسب باتوں سے لوگوں کی نظروں سے گر گیا۔ اس کی غزلوں کے اشعار میں تو کوئی لطف نہیں بلکہ بے مزہ اور درد سے خالی ہیں مگر اس کی مثنوی، ہجو اور نثر پسندیدہ ہے۔“  
اورنگ زیب نعمت خان عالی کی دریدہ دہنی سے واقف تھا لیکن قصداً اغماض کرتا تھا۔

(۱) - خزانہ عامرہ تالیف آزاد بلگرامی، ص ۳۳۳۔

(۲) - مخزن الغرائب تالیف احمد علی سندیلوی ص ۲۳۹-۲۴۰۔

ایک بار کامگار خاں (۱) نامی ایک امیر کی شادی کے موقع پر نعمت خاں عالی نے ایک ہجویہ قطعہ لکھا جس کے دو شعر یہ ہیں:

بار دیگر کہد خدا شد خاں عالی منزلت  
دخلبا در موشگانی کار ملازادہ است  
صاحب تذکرہ خزانہ عامرہ لکھتے ہیں: (۲)

”ملازادہ خطائی محشی مختصر معانی مشہور است کہ کمال تدقیق دارد و خنہا نہایت موشگانی

می رساند۔ ملازادہ در اصطلاح رنود و او باش آکہ تناسل را گویند و ملا حسین صاحب تفسیر

حسینی و دیگر تصانیف۔ مشہور است کہ سخن سر سری میگوید و بتدقیق کم می پروازد۔“

کامگار خاں نے اورنگ زیب سے اس کو تنبیہ کرنے کی درخواست کی۔ اورنگ زیب نے لکھا:

”خانہ زادہ سادہ لوح (کامگار خاں) می خواهد کہ مارا ہم درین رسوائی شریک سازد کہ

او هر چه خواهد در باب ما بگوید، و بہ نوید، و شہرہ عالم سازد و بیشتر ہم در باب ما مقصر نبود۔ تلافی

باضافہ انعام شدہ، کہ دیگر ارتکاب نکند، باوجود این خود کمی نکرده زبان بریدن و گردن زدن

مقدور نیست باید سوخت و باید ساخت (۳)۔“

یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ فتح دکن کے موقع پر تاخیر ہوئی تو بعض افراد

نے اورنگ زیب سے واپس جانے کی درخواست کی۔ اورنگ زیب واپس جانے کے خلاف تھا۔

اس موقع پر نعمت خاں عالی نے چڑھ کر کہا:

بنشستہ چنان قوی کہ برداستنش

کاری دگری نیست خدا بردارد

ماثر الامر اکا مصنف نعمت خاں کو ہمیشہ ہاجی کے نام سے یاد کرتا ہے اور لکھتا ہے:

”ہج یکی از زبانش نہ رستہ“

نعمت خاں عالی بہادر شاہ کے حالات بہ عنوان ”بہادر شاہ نامہ“ نظم کر رہا تھا کہ زندگی کو خیر باد کہا۔

اس کے علاوہ اس کی تصانیف (الف) وقائع نعمت خاں عالی (ب) توقعات یا منشات نعمت خاں

(ج) حسن و عشق (یا مضامین حسن و عشق یا کتخدائی حسن و عشق (د) اخلاقی و صوفیانہ نکات پر

مشتمل ایک مثنوی (ہ) کلیات نعمت خاں عالی۔

(۱)۔ بادشاہ عالمگیر کے وزیر اعظم عمدۃ الملک جعفر خاں کا دوسرا لڑکا۔ اس کی ماں فرزانہ بیگم عالمگیر کی

خالہ تھیں، ص ۳۳۳۔ (۲)۔ خزانہ عامرہ، ص ۳۳۳۔ (۳)۔ وقائع عالمگیر، ص ۶۱

”وقائع نعمت خان عالی“، وقائع حیدر آباد یا واقعات حیدر آباد گو لکنڈہ کے نام سے بھی موسوم کی جاتی ہے۔ عالم گیر کے تیسویں سنہ جلوس میں حیدر آباد کا جو محاصرہ کیا گیا تھا اس کا ذکر اس کتاب میں جو بیخ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ محاصرہ حیدر آباد کے واقعات سات حصوں میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ واقعات رجب، شعبان اور رمضان ۱۰۹۷ھ مطابق ۱۶۸۶ء میں روپذیر ہوئے۔

وقائع پانزدہم رجب ۳۵ جلوس کے واقعات قلم بند کرتے ہوئے ایک مثنوی ”شہر آشوب“ موزوں کی جو اس عہد کے طبقات مردم کی پریشان حالیوں کے ذکر پر محتوی ہے۔ وقائع بیست و یکم شہر رمضان کے ضمن میں قطعہ ذیل نظم کیا:

سفلہ در ہر جا کہ بود امروز شد در مہتری	قرم عطریف و خلاطل سید وراس و ہام
بسکہ در ہم خورد دنیا جملگی بر باد رفت	امر کار و قول گفت و فعل کرد و سم نام
رسم دیون از جہان رفت و گرفتن ماندہ است	اجر مزد و رشوہ یار و غرم تاوان دین تام
آدمی و نسی و انسان مردم و جنی پری	گردین اردو بر آیدی گزد ہچو ہوام
خانمان کوتاہ کسی داند کہ این ہانیز ہست	جنب پہلو جای ہمسایہ نگہبان سطح بام
زہد مسکہ دهن روغن قطن پنہ صوف پشم	ماندہ است از خوردن و پوشیدن ما محض نام
داشتم این ہاہمہ لیکن برہن و بیج رفت	کوز کوزہ قصعہ کاسہ قدر دیگ و کاس جام
تغرس و ضرس دندان ظفر ناخن جلد پوست	جملہ بشکت و برید و کندہ شد از خلق عام
بی سرو پا گشت لشکر آن قدر کز یاد رفت	نوم خواب و مشی رفتن بعد دوری خطوہ گام
نیست غیر از حسرت و اندوہ مارا بیج کار	عذوہ بکرہ ما بداد و فجر و مغرب صبح و شام

قطعہ ذیل میں نعمت خان نے پانچ قسم کے انسانوں کا تعارف پیش کیا ہے اور انہیں ملعون و مردود قرار دیا ہے۔ بسیار حشو و مہمل کی ردیف بہت خوب ہے:

دیدیم پنج آدم بسیار حشو و مہمل	رد تمام عالم بسیار حشو و مہمل
این پنج نوع مفعول دیو و دو خرد و غول	پنجم کہ ماندہ مجہول بسیار حشو و مہمل
اول خر خبیثی و ماندہ طیبی	دیوانہ عجیبی بسیار حشو و مہمل
در رزمہا کریزد در بز مہا ستیزد	ناحق جنگ خیزد بسیار حشو و مہمل
طینت بسان خناس قامت بشکل شناس	ہیت برنگ آماس بسیار حشو و مہمل

نادیدہ بخیلی بسیار حشو مہمل  
 کان داد بہر پوی بسیار حشو مہمل  
 زانت خود نمائی بسیار حشو مہمل  
 وان چشمہای اجول بسیار حشو مہمل  
 نی مسلم ونہ کافر بسیار حشو مہمل  
 بی شرم یادہ گوئی بسیار حشو مہمل  
 آن نکبت مجسم بسیار حشو مہمل  
 غیر از زبان انسان بسیار حشو مہمل  
 زر را چو خاک سازد بسیار حشو مہمل  
 مضحک بود تماش بسیار حشو مہمل  
 کلپترہ گوئی دم سرد بسیار حشو مہمل  
 فارغ زدین ودنیا بسیار حشو مہمل  
 بد خوئی زشت روئی بسیار حشو مہمل

ثانی دو طویلی بازندہ مخیلی  
 حراف بوالفضولی ر قاص بی اصولی  
 زردارد آن مرائی از دزدی ودغائی  
 ثالث عقل تنبل با قامت مطول  
 بد دل کریہہ ظاہر اسکمیہ چون حضاجر  
 یک پہلوو دو روئی کم ظرف سفله جوئی  
 رابع بسان ارقم دشمن نبوع آدم  
 تصنیف او فراوان از ہر مقولہ چندان  
 در کیمیا سر آمد از جدوجہد بی حد  
 ہذیان حق کلامش انشا نہاد نامش  
 عیار دزد نامرد بیرو ثقیل بی درد  
 پنجم بود از انہا بوزنید مقوا  
 غماز عیب جوئی خای دروغ گوئی

قطعہ ذیل کی ردیف ”زشت و پلشت و مضحک“ مورد ہجو کے لیے قاتل ہے۔ قطعہ ملاحظہ ہو:

آن کہنہ پاجی نوزشت و پلشت و مضحک  
 گر گیت میش فریاد زشت و پلشت و مضحک  
 این صنعت فرنگست زشت و پلشت و مضحک  
 خود مستحق شلاق زشت و پلشت و مضحک  
 این شکل پدیدار زشت و پلشت و مضحک  
 عرعر زبان شب دروز زشت و پلشت و مضحک  
 عفریت را نبرہ زشت و پلشت و مضحک  
 ناخوش کریہہ و گندہ زشت و پلشت و مضحک

آن گیدی دواد زشت و پلشت و مضحک  
 بد ہضم و سرخ برباد چون غوج حیدر آباد  
 این گرگ نیم رنگ است این فیل مرغ سنگ ست  
 بنی چونوک دفاق گردن بہ شکل طمقق  
 میمون و خرس و کفتار رقند چون پس کار  
 آن خرس کشتی آموز گا میش شکل خر بوز  
 تریق گوئی خیرہ تہ بیج سرخ چیرہ  
 در حرف و صوت و خندہ ناقوشی دلندہ

”در ہجو حکیم طاہر (تاریخ نفوت حکیم طاہر)“

طرفہ کاری حکیم طاہر کرد در طبابت وقوف طاہر کرد

گشت بیمار و شد معالج خویش  
 ملک الموت دید می میرد  
 بر سرش رفت تا کند آگاہ  
 کرد آغاز مدعا بہ دلیل  
 جست و چسپید بر گریبانش  
 نعرہ می زد کزین دیار برد  
 هست این شہر در اجارہ من  
 گرچہ جان سوز و دل خراشی تو  
 کی توانی شدن برابر من  
 در حدیث بنی ست این فحوا  
 زانکہ حضرت بخلق موتوا گفت  
 کی کسی بیشتر ز مردن مرد  
 تو ہمین قبض روح ہتوانی  
 بر مریضان سلام چون گوئیم  
 گوید اندر جواب یا بیمار  
 اولین صید ماست ہما کیش  
 نبرد جان اگرچہ وہ باشد  
 خلق دارد اگرچہ داد از تو  
 داروی مان بکس امان ندہد  
 داروی ما بہ قیمت جانست  
 گرنداری قبول بنمائیم  
 چون دوا از گلو درون آمد  
 گرچہ نقد حیات خود گم کرد  
 ہاتھی چون حکیم طاہر برد

ہر دوایش نبود کم از نیش  
 بی اجل خود چگونه جان گیرد  
 کہ اجل نیست دست دار نگاہ  
 کیستی گفت گفت عزرائیل  
 کرد قصد گرفتن جانن  
 کاروبار مرا شریک مشود  
 مرگ وقف علاج و چارہ من  
 لیک در پیش من چہ باشی تو  
 بلکہ شاگرد یا برادر من  
 کہ نیاید طبیب غیر از طا  
 بعد ازان قبل آن تموتوا گفت  
 گرنہ از دست مادوای خورد  
 صنعت کار ما چہ می دانی  
 اخسوا لا تکلمون گوئیم  
 وقتا ربنا عذاب النار  
 بعد ازان می زنیم بر جانن  
 نی بروج مشیدہ باشد  
 کشتہ ما بود زیاد از تو  
 کہ ستاند زما کہ جان ندہد  
 ای گران جان بہ بین چہ از رانست  
 خوردم اینک دواو می آیم  
 جان مسکین زتن برون آمد  
 در حقیقت علاج مردم کرد  
 گفت جان دار خلق ہم جان برد

کلیات عالی میں مختلف ہجویں ہیں۔ مثلاً ہجو حکماء، مناظرہ اطباء وغیرہ۔ عالی کی شہرت

اس کی ہجو گوئی میں قادر الکلامی کی وجہ سے ہے۔

## جعفر زٹلی

نعمت خان عالی ہی کے زمانہ میں جعفر زٹلی (متوفی ۱۷۱۳ء) بہ عہد شاہ جہان ۱۶۵۹ء میں پیدا ہوا۔ میر جعفر زٹلی حقیقت میں ایک ظریف عوامی شاعر تھا۔ شعر و سخن سے فطری لگاؤ ہونے کی وجہ سے بچپن ہی سے اشعار موزوں کرنے لگا۔ کلام میں شوخی و ظرافت بہت زیادہ تھی اس لیے قبول عام حاصل کر سکا۔

میر جعفر زٹلی نے ابواسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بھی ایک پرانے ہزال تھے جعفر نے بھی یہی رنگ اختیار کیا اور ایسا کامل الفن ہوا کہ اس کی شاعری اور ہزالی کا ایک خاص معیار قرار پایا گیا۔

میر جعفر کی زندگی مفلسی و پریشان حالی میں گزری۔ لیکن زمانہ کی سختیوں کا فرخندہ پیشانی سے مقابلہ کرتا تھا۔ اس کا مشغلہ شاعری بھی کسی کی مدح و ذم سے پاک تھا۔ اس کی ہجویات سے تفریح و انبساط مقصود ہوتا تھا۔ اس کی خوش طبعی مسخر اپن کا درجہ رکھتی ہے اور اس کی ظرافت بھلکوبازی کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن قابل توجہ ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ میں ظرافت و خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔

شہزادہ کام بخش نے اس کی ایک مثنوی کچھوانامہ کو بہت پسند کیا اور خوش ہو کر اسے مور چھل کی خدمت عطا کی۔ میر جعفر زٹلی کچھ دنوں بعد اسے چھوڑ کر دکن چلا گیا۔ وہاں کچھ عرصہ کی پریشانی کے بعد نواب کوکلتاش خان کے یہاں نوکر ہو گیا لیکن مزاج تلون پسند تھا اسے بھی چھوڑ دیا۔

جس زمانہ میں میر جعفر کوکلتاش کے یہاں رہتا تھا ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ مرزا سلیمان کی اہلیہ مرزا سے ناراض ہو گئیں میر جعفر کو یہ خبر ہوئی۔ یہ جانتا تھا کہ مرزا کی بیوی اونچے گھرانے کی عورت ہے اور یہ دلیل ہیں۔ انہوں نے چند قطعے لکھ ڈالے جو جو بھی ہیں، سامان تفریح بھی اور پند و نصائح بھی:

جعفر ا در جہان معاذ اللہ ہر کہ محتاج نان زن باشد



تواند کہ ضبط بنشانہ \_\_\_\_\_ گرچہ عفریت واہرمن باشد

جعفر مفلسی کہ زن بکند آہ آن زن زنت مردک خر

آرزوی دلش بدل ماند خود پی نان خراب و رسوا تر

بہ زن کردن در افتادم بگرداب پریشانی دل و دین رفت و نسیان شد رہ رسم خندانہ

بلی خوش گفتمہ مصرع جعفر این از رہ فطرت چہ کارہ کند عاقل کہ باز آید پریشانی

مرزا سلیمان کو جب خبر ہوئی تو بہت بگڑے اور کوکلتاش خاں کے یہاں پہنچے۔ میر جعفر کی سخت سے سخت شکایت کی مگر انہوں نے ہنسی میں ٹال دیا۔

میر صاحب کے کلیات میں اگرچہ نقش بہت زیادہ ہے اس کے باوجود وہ انواع و اقسام ظرافت نظم و نثر سے مزین ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل حصے ہیں:

حصہ نثر:-

(۱) - ”گفتگو نامہ“: اس میں اردو کے محاورات اور ضرب الامثال کا محل صرف نہایت خوبی سے بیان ہوا ہے۔

(۲) - ”رقعات“: اس میں تلازمے اور طرح طرح کی شوخیوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھنے والا دنگ رہ جاتا ہے۔

(۳) - ”عدالتی تحریریں“: اپنے خاص الخاص رنگ میں جن میں تلازمے، ظرافت، شوخیاں اپنے اپنے محل پر سبھی کچھ ہیں۔

(۴) - ”شرارت نامہ“ جس کو شاہی یادداشتوں یا تزک کے طور پر مرتب کیا ہے اور اس میں ضرب الامثال کو اس صورت سے صرف کیا ہے کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۵) - ”مصطلحات زمانہ“: یہ لغت کے طریق پر ہے۔ زمانہ کی رسم اور ضرورت کے موافق اس میں الفاظ کے معانی بیان کیے ہیں اگرچہ اس کو دیکھ کر میر صاحب کے کمال ظرافت پر ایمان لانا پڑتا ہے مگر اس کی ایجاد کا سہرا غالباً عبیدزاکانی کے سر ہے۔ ان کی لغت بھی ان کی کلیات میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ اور اقسام کی نثریں بھی

پائی جاتی ہیں۔

حصہ نظم:

جس میں ظرافت، واقعات، ہجویات، رقعات، دستور العمل، پند و نصائح، رجز، نسخہ جات، مسئلے، غزلیات، مور چھل نامہ، کچھوانامہ، مسدس، ظفر نامہ، مرثی، سپس نامہ، تضمین قطععات، اردو فارسی سبھی کچھ ہیں اور ہر ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے:

جعفر شکر کن کہ در عالم جا بجا نام تو ز ثلی شد  
شہرت مرد بہتر از ہر قسم ہر کہ گنام زیت الی شد  
فرقت کا کوروی جعفر ز ثلی کے متعلق کہتے ہیں:

”اردو نظم میں جعفر ز ثلی پہلا ظریف شاعر یا ہزال مانا جاتا ہے۔ ان کا زمانہ عالم گیر کا آخری دور ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں دربار کی زبان فارسی تھی اور اردو کا رواج بہت کم تھا اس لیے ان کی شاعری میں زیادہ فارسی کے الفاظ بلکہ پورے پورے فارسی کے مصرعے پائے جاتے ہیں۔ جہاں تک اس دور کے مذاق کا تعلق ہے ہر وہ بات جس سے انسان ہنس پڑے خواہ وہ فحش ہی کیوں نہ ہو مزاح و ظرافت تصور کی جاتی تھی۔ نظم و نثر میں جعفر کا انداز بالکل ایک سا ہے۔ ز ثلی کی ہجویات سے نہ صرف روسا بلکہ بادشاہ اور شہزادے تک ڈرتے تھے۔ انہوں نے شرارت کے نام سے جو مضمون لکھا ہے اس میں بہت سی اچھوتی اصطلاحات ہم کو ملتی ہیں۔ شعر و سخن کے میدان میں بھی انہوں نے انوکھی اضافتیں اور نئے نئے محاورات استعمال کیے ہیں: (۱)

جعفر ز ثلی کی کلیات تحریفات و ہجویات سے بھری پڑی ہے۔ وہ لفظوں کے ہیر پھیر

سے اپنے کلام میں ظرافت پیدا کرتا ہے اور بسا اوقات ہندی الفاظ اپنے فارسی کلام میں استعمال کر کے شعر کو زعفران زار بنا دیتا ہے:

کشتی جعفر ز ثلی در بھنور افتادہ است  
یا جعفر ز ثلی کی وہ رزمیہ مثنوی رستم نامہ:

من آن رستم وقت روئین تنم  
کہ وہ پا پڑاز مشت خود بشانم... الخ

(۱)۔ اردو ادب میں طنز و مزاح از فرقت کا کوروی ص ۲۹۔

اس کی ظرافت گرچہ ہزل کا درجہ رکھتی ہے اور خوش طبعی مسخر اپن ہو گئی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مسخر اپن ہو یا ظرافت یا ہزل اس درجہ کی ہے جس کا جواب بڑے بڑے اہل کمال نہیں دے سکتے تھے۔ اس کے ایک ایک لفظ میں ظرافت و خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے۔ مثالوں سے واضح ہو گا۔

جب رستم نامہ پڑھتے وقت دربار سے نکلا دیا گیا تو دو نظمیں جعفر نے موزوں کیں۔ ایک میں اپنے استغفار کا ذکر ہے اور دوسری میں نوکری کی شکایت۔

احوال استغنا بے پرواہی خود

ہزار شکر نہ چوکی نہ پہرہ دارم من      نہ از یگانہ و بیگانہ پہرہ دارم من  
مصرف کے تمام سامان کا نام لے لے کر کہتا ہے کہ میرے پاس یہ نہیں وہ نہیں۔ آخری اشعار یہ ہیں:

غریب و عاجز و مسکین و بی نوا ہستم      ہزار شکر کہ نے کبر و زہرہ دارم من  
نہ عالم نہ کروری نہ چاکرم نہ غلام      نہ سگ نہ چیتہ و آہو گلہرہ دارم من  
بکج گاہ عبادت نشستہ ام جعفر      نہ جشن عید نہ سیر سپہرہ دارم من

نوکری کی ہجو میں جو لظم قلم بند ہوئی اس میں شعر اول کے دونوں مصرعوں کا آدھا آدھا حصہ اردو ہے۔ پھر بعد کے تمام اشعار کے مصراع ثانی کے نصف آخر حصے اردو ہیں۔ مطلع کا شعر یہ ہے:

تنہا شدی اندر سفر کہہ جعفر اب کیسی بنے

افقادی اندر بحر و بر کہہ جعفر اب کیسی بنے

اگر اردو کے اس حصہ کو تمام اشعار سے خارج کر دیا جائے تو جدید لظم کی ایک قسم ہو جائے گی مطلب میں بھی کوئی فرق نہ آئے گا۔

”ہجو نوکری“

تنہا شدی اندر سفر کہہ جعفر اب کیسی بنے      افقادی اندر بحر و بر کہہ جعفر اب کیسی بنے  
در بیکی تا بودہ بادردو غم آلودہ      مفلس شدی و در بدر کہہ جعفر اب کیسی بنے  
باعثرت و غم ساختی با مسکنت پرداختی      گہہ صاحبی و گہہ نعر کہہ جعفر اب کیسی بنے

از جو آن سلطان خود کردی پریشان جان خود  
اسباب غم برداشتی تخم فلاکت کاشتی  
آن دیدن شہزادہ کو آن ساقی و آن مادہ کو  
فالودہ و فرنی چہ شدین بھتہ و شربت چہ شد  
مرہون خار و خس شدی ممنون ہر ناکس شدی  
امروز غم ہمراہ تو بانالہ جان گاہ تو  
آن پاسبان چند کو آن صحبت دلہند کو  
آن لفظ بے معنی خود در لاف لایعنی خود  
باناز و نعمت بودہ سر بر فلک فرسودہ

در ماندہ بی بال و پر کہہ جعفر اب کیسی بنے  
اکنوں کجا آن سیم دزر کہہ جعفر اب کیسی بنے  
کردی خطا خود مر بہ سر کہہ جعفر اب کیسی بنے  
وان بستر و بالین چہ شد کہہ جعفر اب کیسی بنے  
گشتی چو سنگ رہ گذر کہہ جعفر اب کیسی بنے  
شد در بیابانت مقرر کہہ جعفر اب کیسی بنے  
افتدوی اندر رہ گذر کہہ جعفر اب کیسی بنے  
محتاجی از ہر خشک و تر کہہ جعفر اب کیسی بنے  
اکنوں کجا از بار و بر کہہ جعفر اب کیسی بنے

”قصیدہ دیگر در قناعت و غنیمت شمردن زندگی“

جعفر بہ بوستان جہان دم غنیمت است  
چون دال روئی آمدہ فرمان کردگار  
گر اتفاق دیدن دُر یتیم نیست  
در خانہ کہ صورت زن جنگجو بود  
گر بی سرور مجلس شادی بہم رسد  
حلوا اگر بہ منت دونان رسد بدست  
گر جشن ہر دو عید نباشد ترا نصیب  
قالین و سوزنی نبود گر نصیب تو  
تر بوز و خربزہ نرسد گر ترا بدست  
بریانی و کباب نباشد اگر نصیب  
گر شیوہ گدائی و خواری طلب کنی

شادی اگر نصیب نہ شد غم غنیمت است  
گر بیشتر بہم نرسد کم غنیمت است  
نظارہ سوی دانہ شبنم غنیمت است  
زان خانہ محنت سفر و رم غنیمت است  
بر اہل درد زان صف ماتم غنیمت است  
نزدیک اہل دانش از ان کم غنیمت است  
آن گر یہ ہای ماہ محرم غنیمت است  
پارینہ کہنہ بستر و جاہم غنیمت است  
یک سبز پھانک کھیرہ بالم غنیمت است  
آن ساگ نیم پختہ و شلغم غنیمت است  
بس نوکری شاہ معظم غنیمت است

انقلاب زمانہ اور پرانی قدروں کے فنا ہونے پر جعفر کا دل کڑھتا ہے وہ اس کڑھن کو  
برداشت نہیں کر سکتا۔ اس نے اشعار ذیل میں زمانہ پر فساد کا ایک خاکہ پیش کیا ہے:  
سمند خستہ و محتاج بوی دانہ دکاہ  
نخیر ہمیشہ بہ گلگشت سرخوشی و سرور

پانگ بر در خرگوش رفتہ حاجت مند  
 سگان ز لقمہ سنگین شکفتہ و سرمست  
 نہنگ برده اطاعت بہ پیش پشنہ دون  
 مشائخ است بہ تیگی فقیہہ خستہ و خوار  
 رواج بھانڈ بھنڈیہہ در انجمن بسیار  
 نماند عزت و حلم و ادب نہ پیر و پدر  
 نماند صید محبت نہ بوی مہر و وفا  
 نماند ترس خداوند دین بی آئین  
 نماند قدر شب قدر و حرمت رمضان  
 درین زمانہ بی گفتگوی مکر و فریب  
 بغاص و عام گویند عمہ و خواہر  
 بشرم خالق بگویند خواہر و مادر  
 بحیر تم بکہ گویم کجا روم چہ کنم

ہزبرختہ پناہ و توسل لنگور  
 خزان بہ طعمہ رنگین بہ کام شد مسرور  
 نہادہ پای شجاعت زمانہ بر سر شور  
 سفیہ ز روزیور پُر از نشاط و سرور  
 و قار لولی ولونڈا بہر کجا موفور  
 نہ قدر ز مزم و کورنہ قرب سرمہ طور  
 نماند عشق و مروت تکلف است وزور  
 نہ رسم و راہ و محبت بجز شرار و شور  
 شدست رانج و شائع دروغ و فسق و فجور  
 نعوذ باللہ ازین گفتگو ازین مذکور  
 بگوشہ بوس و کنار و بدل خطور حضور  
 بکنج رفتہ بگایند بر خلاف امور  
 کز اختلاف زمانہ پرید عقل و شعور

”ہجو میرزا ذوالفقار بیگ کو تو ال دہلی“

بدین خصلت و ممسک نابکار  
 نہ این ذوالفقار ست بر روی کار  
 بہر جا کہ باشد چنین کو تو ال  
 مبادا چنین حاکم اندر جہان

شدہ خصلت میرزا ذوالفقار  
 کنیز است نامش دوا ساز کار  
 محالست دہون درانجا محال  
 جفا پیشہ خونخوارہ و سگ دہان

”نکو ہش ہندوستان“

ای بہشت جاودان مارا بہ ہند انداختی  
 ہم چو ہند ار دشتی دوزخ چرا ہم ساختی

”ہجویہ قطعہ تاریخ امجد خان مرحوم“

چو امجد خان آمد بو علی را  
 کہ ہست از شوم طبعی سخت بدرگ  
 بتاریخ خطاب خوانی او  
 بگوش دل خرد گفتہ ”چغل سگ“

جعفر نے ایک ہجو عصمت النساء بیگم کی لکھی جو اتنی فحش ہے کہ نقل نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح ہجو ماہود اس چو کی نویس اور ہجو شاہزادہ کام بخش وغیرہ میں دشنام طرازی پر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔ جعفر کا فالنامہ بھی گالی گلوچ میں ادنیٰ ترین مقام کو پہنچ گیا ہے۔ اردو کے ایک فحش گو بد کلام شاعر چرکیں سے اس کا رتبہ کسی طور پر کم نہیں ہے۔ عیب زاکانی کی تعریفات کے انداز پر جعفر نے بھی بڑی دلچسپ اصطلاحات ترتیب دی ہیں جیسے الفرشتہ = چغل مخفی، القاضی = میخ در گل وغیرہ۔ ایک جگہ دستور العمل بیان کرتا ہوا ایک قاضی کی ہجو میں کہتا ہے:

قاضی اگر طامع بود باخوی بد جامع بود      انصاف راقامع بود برگردنش ز نار بہ

## فوقی یزدی

ملا فوق الدین احمد متخلص بہ فوقی شیراز کا باشندہ تھا۔ ہندوستان آیا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد حالات کی ناسازگاری نے اسے ہندوستان کو خیر باد کہنے پر مجبور کیا۔ فوقی نے زمانہ اور اہل زمانہ کے حالات و کردار کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا۔ اسے ہر طرف مکر و فریب اور ہوا و ہوس کی گرم بازاری نظر آئی۔ عوام کا ہر طبقہ اطاعت و بندگی سے دور اور غافل و مست نظر آیا۔ معاشرہ کے مذہبی ٹھیکہ داروں سے اس نے بڑی بڑی امیدیں اور اعلیٰ تصورات وابستہ کر رکھے تھے لیکن جب ان سے نزدیک ہوا تو معلوم ہوا، خود لکھتا ہے: (۱)

”بندہ فوقی کہ باوجود سرزنش نمودن این طائفہ در تحت اقدام آرزوی نفس پائمال شدہ و بانہایت ذوق معرفت و ارتباط با رب کمال و اہل فطرت اسیر این دامگہ پر قیل و قال شدہ۔“

اپنی ہجو گوئی و ہزل سرائی کی صراحت کرتا ہوا لکھتا ہے:

”بندہ فوقی... چون دید کہ بنای اوضاع زمانہ پر ہیچ و پوچ است و متاع مہمل سرائی و تریزیت بیانی را درین بازار قدری و رواجی ہست اگرچہ مشتری پر پوچ است بناء علیہ در فضلہ از منہ و اوقات نوای پر پوچ گوئی و مزخرفات ساز نمودہ در ہزل و تمسخر و مہمل سرائی بر رخ ابنای زمان کشود بہ سلیمان خندان و نکتہ رانی نمودی چندنی بود از شعبدہ بیانی ادا نمود۔“

نکتہ سخی گو کہ بشکافد معمای مرا

اس کی ہجو گوئی کے پس پردہ حقائق پوشیدہ ہیں خود اقرار کرتا ہے:

”اگرچہ در زیر ہر پردہ ادای نغمہ دلکشائی حقیقی جلوہ گر است لیکن بصورت مجاز

قانون پوچ گفتاری در نظر است:

عاشقان شعلہ دل رازبان دیگر است      آب می کفتم و دامن صبا می خواستیم

(۱) - دیباچہ دیوان فوقی یزدی، نسخہ اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور، نمبر شمار فارسی ۶۸۳

زمانہ میں عزت و جاہ کے حصول کے لیے عبیدزاکانی کا ہم نوا ہے:  
 رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز      تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی  
 فوقی کا مسلک ہے:

بظاہر خندہ بر ریش دوران می زخم اما      گل فصل خزانم خاطر خرم نمی دانم  
 اہل معرفت و تصوف کی زندگی کو فوقی نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ ان کی ظاہری  
 خصلتوں اور باطنی سیرتوں میں کوئی مطابقت نہیں ہوتی ہے۔ ان سے قریب ہو کر اپنے اعمال  
 کا محاسبہ کر کے خود کو ملعون و معتبوب سمجھ لینا عقل مندی نہیں۔ ان کے اعمال تو وہ ہیں کہ ایک  
 عام انسان ان افعال کے ارتکاب کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔

صاحب تذکرہ خلاصۃ الافکار فوقی کے متعلق رقم طراز ہیں: (۱)

”تیغ زبانش در نکو ہش زمانہ غدار کار ذوالفقار میکند و کلامش چون دشتہ قصابی  
 پیوست۔ از بدن روی اندو دابنای روزگار میکند۔“

اپنے عہد کے دیگر شعرا کی مانند فوقی بھی معاصرین کی مدح سرائی کرتا تھا لیکن اس

سے بہرہ ور نہ ہوا:

”چون در مقام وفا جفا دید حوصلہ اش تاب نیار دو آن سخنان را کہ قریب دہ

دوازده ہزار بیت می شد بہ آب شست و شروع بہ بدیہہ گوئی بلکہ آن اشعار

خود نمودہ۔ (۲)

فوقی نے حسب ضرورت لظم و نثر دونوں میں اپنی تالیفات چھوڑی ہیں۔ اس قبیل  
 کی ایک مثنوی فرہاد و شیریں ہے۔ اس میں شیریں مہمل بیانی کا شیوہ اختیار کیا گیا ہے۔ مثنوی  
 میں نہ صرف ایسے الفاظ کا تصرف ہوا ہے جو مہملیات میں مروج ہیں بلکہ فوقی کی نازک خیالی نے  
 کچھ ایسے انوکھے اور غریب الاستعمال الفاظ نکال کیے کہ معاصرین ہجو گوئیوں نے بھی انہیں  
 اپنے کلام میں داخل کیا۔ فوقی نے استعارات و تشبیہات کے بھی ایسے کرتب دکھائے ہیں جن  
 کا مہمل بیانی میں اہم رول ہے وہ غیر متعارف روزمرہ اور ضرب الامثال کو بھی بڑی چابکدستی  
 سے اپنے شعر میں داخل کر لیتا ہے۔

(۱)۔ خلاصۃ الافکار، ص ۳۰ (الف) تالیف ابوطالب بن محمد اصفہانی

(۲)۔ خلاصۃ الافکار، ص ۳۰ (الف)



فوتی کی ہجو گوئی انوکھے ڈھنگ کی ہے اور وہ اپنے طرز میں منفرد نظر آتا ہے۔ عربی، ترکی اور ہندی الفاظ کا بھی اس نے خوب استعمال کیا ہے۔ اس صنف خاص میں اس کی فنکاری مثالوں سے واضح ہوگی۔ اپنی ہزلیات کے متعلق کہتا ہے:

وہ چہ ریحان خیز بستانیست زیاد فترم  
کف کنی از ذوق اگر غوصی بہ بحر فکر تم  
قیمت یا قوت ہزل من نداند چرخ ہم  
خود کو ہرزہ گوئی میں لا عدیل بتاتا ہے:

منم کہ دادہ بہم داد ہرزہ افشانی  
گرفت طبع من اقلیم ہرزہ گوئی را  
بطرز خویش ندارم درین جہان ثانی  
بہ من ممالک مہمل سرائی ارزانی

ہجویات فوتی کا نمایاں ترین موضوع ریاکاری ہے۔ اس نے طرح طرح سے ریاکاروں، ظاہر پرستوں اور اہل مزدور صوفیوں کی پردہ دری کی ہے اور انہیں خوب گالیاں دی ہیں۔ چند اشعار بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں:

ریائی تا کی در قید بودن  
روح زہد خود تا چند دادن  
چنین تا کی اسیر زرق بودن  
نماز بی وضو تا چند زاہد  
ز سالوسی بظاہر روزہ داری  
ترش سازی بخلوت رو چو غورہ  
بخلوت با پسر کارت نیاز است  
دران مجلس کہ حرف از نقل وقتداست  
شکم پرداز خوان شید بودن  
بگردن غسل سالوسی نہادن  
بہ بحر بی وضوی غرق بودن  
برو شرمی بدار، از روی مسجد  
نہان تخم پلاؤ در معدہ کاری  
کند گر بچہ ات تقصیر نورہ  
نیاید آنچہ دریادت نماز است  
چہ مد ضالینت خوش بلند است

میابہ مسجد و از شید خر دراز مہند  
بکیش من کہ کشش معابد ہنرم  
ولی حرام شراب طرب بر آن زاہد  
مکن برابر مردم نماز طولانی  
بہ از عبادت فاش است شرب پنهانی  
کہ بادہ را خورد از ترس خلق پنهانی

تو با این علت ذاتی چه فیضت از شفا خوانی  
 کہ گر پرسند فردات از عمل فی الحال در مانی  
 باین علمی کز و بہتر بود بسیار نادانی  
 شود ظاہر کہ بس دوری ز اقلیم خدادانی

حکیم آن بہ کہ اول درد حرص از خود کند زائل  
 ترا ای مولوی از کسب علم امروز مطلب چیست  
 عیاذ اللہ ار در حشر اعمال ترا سنجند  
 ازین سجادہ رنگین و شان و شانہ و تسبیح

ای در لیخ از زمانہ پنهانی  
 بی دم و گوش جملہ حیوانند  
 در حماقت ہمہ چو مردانند

فرقہ ای را کہ گوئی انسانند  
 ورنہ اینہا کہ ظاہری دستند  
 در خلافت ہمہ چو بوبکرند

از بس بجان رسیدم از صحبت ریائی  
 پڑمردہ گشت گوئی گلزار آشنائی  
 بر خویشتن چہ پوشی دیبای خود نمائی  
 اوقات را کنی صرف در مردم آزمائی

با جان خویشتن ہم دارم سر جدائی  
 بوی وفا نیابد از خلق این زمانہ  
 ای بی خبر ز تجرید تا شال ترک باشند  
 یک رہ نظر بہ خود کن تا کی منافقانہ

ہست ادنی سگ و اوسط خرد اعلیٰ اشتر

خود نمایان زمانہ ہمہ حیوانند

بسکہ خوردند عزیزان زر دادائی را

مال اوقاف مشائخ بہ فقیران نرسند

فوتی کا دل ہندوستان سے جلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ بار بار اس کی مذمت کرتا ہے۔ فوتی ہندوستان آیا تھا لیکن یہاں کی فضا سے اس نہ آئی۔ ہندوستان اور ہندوستان والوں کی ایک ہجو یہ نظم میں یہاں کی رشوت خوری اور ہر طبقہ کی زورستانی کا حال بیان کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کز تو عشر پول می گیرند  
 سر رہ ہجو غول میں گیرند  
 بفریب و بکول می گیرند  
 زر عشر از عقول می گیرند  
 کز تو خرج نزول می گیرند

ای برادر مہند زاد رہ ہند  
 تا جہازی زدور دید ستند  
 زر ز سوداگران چو مسخرگان  
 چون ز خیل نفوس وار ستند  
 در سراشان ہنوز نہ نشستند

نہیں جمع بازنان ہم شد  
دست ہم از حیات نتوان شست  
کہ خروج از دخول می گیرند  
کہ یہاں غسل می گیرند

دیگر

بہ ہند آدم و قدر مردی رود اینجا  
چہ نام تو بہ بری در قمار خانہ مشرب  
گر فتم آنکہ شدی خوش نشین بزم اجابت  
شدم بدرس و چاہید فو قدین سرد مغزم  
بہ نرخ خاک سیدہ لا جور دی رود اینجا  
ہزار زہد بہ قربان نزدی رود اینجا  
مزاری عرض دردی رود اینجا  
ز بس بکوش سخنہای سردی رود اینجا

دکن کی شکایت کرتا ہوا کہتا ہے:

اربی زری بملک و کن عیش ماتم است  
ملکی کہ زرد رونہ بود ملک لا یجوز  
مردم ز بس کہ حاملہ نفع خستہ اند  
آزاکہ اچہ نیست پاپیش نہند قیدہ  
نوروز این دیار ز تنگی محرم است  
گردر بہشت اچہ نباشد جہنم است  
گر کوز میدہد کسی امروز حاتم است  
در معرفت اگرچہ براہیم ادہم است

قوتی کے مطابق پر جو رو فساد زمانے میں کامیابی کا نسخہ یہ ہے:

ہر کہ او نامرد تر و سعت مراد را پیشتر  
کون بدہ گرد دولت سرشار میخواند دولت  
علم و استعداد و فضل و دانش و اصل و نسب  
آری آری خیر باشد در زمانہ کامیاب  
بی حیائی کن اگر خواہی کہ آئی در حساب  
ہر کہ را باشد یکی زہنہا بود خانہ اش خراب

شیراز کے چغل خوروں کی مذمت کرتا ہوا کہتا ہے:

بسکہ شیرین گشتہ در شیراز بازار چغل  
کاش در شیراز بودی طالبان فضل را  
بسکہ دارد جنس بد نفسی چو طراری رواج  
گرفتہ فو قی بد ستم نقد سرداری فارس  
می خرد حاکم بہ نرخ شہر گفتار چغل  
بخت دزد و طالع فرخندہ آثار چغل  
محتسب ہم گشتہ در شیراز ہم کار چغل  
بر در ہر خانہ برپاکنم دار چغل

فیشن پرست لوگوں کی مذمت میں فو قی نے اس طرح خیال بانی کی ہے:

روز تاشب چہرہ پرداز عروس زینت اند  
 باد و صد خواری جمادی راتب خود کردہ اند  
 پشت بر محراب معنی جلق مطلب می زنند  
 مردم این روزگار اکثر منخت سیرت اند  
 راست گویم زر پرستان خیلکی بی غیرت اند  
 آری آری اہل دنیا امتان صورت اند

فوتی نے کئی جگہ فارسی کے عظیم ہجو نگاروں یعنی حکیم سوزنی اور عبیدزاکانی کا نام لیا ہے اور خود کو صنف ہجو گوئی میں ان سے بہت آگے شمار کیا ہے۔ انہیں گالیاں دیتا ہے اور ان کے لیے ایسے فحش کلمات کا استعمال کرتا ہے کہ وہ اشعار نقل نہیں کیے جاسکتے۔ سوزنی، عبید اور فوتی کے دواوین کے مطالعہ کے بعد یہ راز منکشف ہو جاتا ہے کہ فوتی دشنام طرازی میں سوزنی یا عبید سے میلوں آگے ہے۔ فوتی کی ہجو گوئی پست درجے کی ہے۔

## ہجو یہ موضوعات

فارسی ہجو گوئی اور مزاح نگاری کی داستان ایک تشنہ اور نامکمل سرگذشت کی حیثیت رکھتی ہے۔ فارسی شاعری کے دیگر اصناف سخن کے برعکس اس صنف خاص کے تدریجی ارتقا کا فقدان ہے۔ اس کی دو جہیں ہیں۔ ایک تو طویل اسلامی عہد کی ثقاہت اور دوسرے ادب اور عوام کی کم حوصلگی۔ ایک طویل دور پر محیط فارسی ادبیات پر اگر غور کیا جائے تو چند موضوعات ملیں گے جن پر ہجویات و ہزلیات کی عمارت قائم ہے۔ یہ موضوعات ایسے ہیں جن پر شعرا نے ہمیشہ طبع آزمائیاں کیں اور ان پر جی کھول کر ہجویات کے تیر چلائے۔ ان میں زاہدوں اور مذہبی ٹھیکہ داروں سے چھیڑ چھاڑ، مسک اور بخیل کی مذمت، گھوڑے کی ہجو اور عورتوں کو ملعون قرار دینا نیز لوادت پرستی کی کبھی ترغیب و تحریریں کے انداز میں اور کبھی سرزنش کے انداز میں مذمت کرنا شعر اکادل پسند موضوع رہا ہے۔ عورتوں کی مذمت میں اشعار جا بجا نقل ہو چکے ہیں یہاں صرف تین موضوعات پر بالتفصیل روشنی ڈالی جائے گی۔ بخیل، گھوڑے اور مذہبی علماء۔

## (الف) بخیل کی سرزنش و مذمت

آرزوؤں اور توقعات کے ہوائی قلعہ کی بربادی ہجو گوئی کا ایک بڑا محرک ہے۔ ہمارے بیشتر تعلقات اغراض پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہماری تمنائیں اور آرزوئیں لامحدود ہیں۔ جب ہمارے خواب شرمندہ تعبیر ہوتے نظر نہیں آتے تو تعلقات میں کشیدگی پیدا ہونے لگتی ہے اور جذبہ منافرت پرورش پانے لگتا ہے۔ شاعر عام انسانوں سے زیادہ ذکی الحس ہوتا ہے۔ ایسی صورت حال میں اس کے جذبہ منافرت میں طغیانی آتی ہے اور وہ سکون حاصل کرنے کی غرض سے ہجو گوئی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

فارسی شاعری کی تردیح و ارتقا اور شعرا کی پرورش و نگہداشت شاہوں، وزیروں، امیروں اور رئیسوں کے نظر کرم کی رہن منت ہیں۔ شعر اصلہ و عطایا حاصل کرنے کی غرض سے مدیحہ سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے تھے۔ اگر عطیات حاصل ہوئے تو ٹھیک اور اگر اس کے برعکس ہوا تو ممدوح کی شخصیت کے تمام تاریک اور ناخوشگوار پہلو شعرا کی

نظروں کے سامنے آجاتے اور وہ انہیں طشت از بام کرنے میں کوئی رعایت روانہ رکھتے تھے۔ محرومی و ناکامی میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ممدوح کی جس صفت کو شعر امزاحم سمجھتے تھے وہ بخالت اور تنگ حوصلگی تھی۔ چنانچہ فردوسی کی ہجو گوئی کے پس پشت بھی یہی جذبہ کار فرما تھا۔ اس نے محمود غزنوی کو ممسک اور دون پرور ثابت کرنے کے لیے دلیلیں پیش کی ہیں۔ ایک گزند خوردہ اور حرماں نصیب شاعر کے دل کی آواز ہجو گوئی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ شاعر اپنی شکایتوں کو مقبول عام بنانے اور دوسروں کو اپنے غم میں شریک کرنے کے لیے منطقی پیرائے میں دلائل پیش کرتا ہے۔ اس طرز خاص میں شعرا نے مبالغہ آرائی سے خوب کام لیا ہے۔

بخالت بلاشبہ ایک مذموم خصلت ہے۔ قرآن و حدیث میں بھی اس کی سرزنش کی گئی ہے۔ عام طور پر بخیلوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جو خود کھانا کھاتا ہے دوسروں کو نہیں دیتا۔ دوسرا وہ جو نہ خود کھاتا ہے اور نہ دوسروں کو دیتا ہے۔ تیسری مذموم ترین قسم وہ ہے کہ خود نہ کھاتا ہے اور دوسروں کو محروم رکھنا تو درکنار بخشش و عطایا کرنے والوں کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا۔ شعرا نے اکثر بخیلوں کو ہی مورد طعن و طنز بنایا ہے۔ ان ہجویات میں مزاح کا عنصر نمایاں طور پر موجود ہے لیکن ساتھ ہی ہجو کی نشتریت بھی بڑی واضح ہے۔

سنائی ایک ایسے بخیل خواجہ کی ہجو کرتا ہے جس کے مطبخ میں کبھی آگ نہیں جلتی۔ چیونٹیوں کو تمنا رہتی ہے کہ اس کے کھانے کی جگہ پر انہیں کچھ مل جاتا:

دیگ خواجہ ز گوشت دو شیرہ است      مطبخ او ز دود پاکیزہ است

خواجہ چون نان خورد در آن موضع      مور در آرزوی نان ریزہ است

ایک جگہ اور سنائی اپنے ممدوح کو ابر بے باران کے نام سے موسوم کرتا ہوا کہتا ہے کہ وہ ایسا ممسک ہے کہ شعر اوزارین کو عطا کرنا تو دور خود بھی عیش نہیں کرتا:

چہ ممسکی کہ ز جود تو قطرہ نہ چکد      اگر در آب کسی جامہ تو برتابد

بہ مجلسی کہ تو باشی ز بخل نکداری      کہ راد مردی ازان صدر نیکی یابد

باہر بر شدہ مانی بلند و بی باران      کدام زائر و شاعر سوی تو بشتابد

کہ خود نہ باری و برہج خلق نکداری      مہ آفتاب فلک را کہ بر کسی تابد

انورؑی نے ایک ایسے بخیل کی ہجو کی ہے جس کے گھر میں اگر کوئی پارسا اور باعزت ہے تو وہ اس کی روٹی ہے جس کی صورت کسی نے نہیں دیکھی:

قلتبانى هم به خواهر، هم به زن      نيست پنهان گرچه کس پيدانه کرد  
چند گوئی خواهر من پارساست؟      گپ مزن، گرد حدیث او مگرد  
پارسا در خانه 'تونان تست      زانکه نانت رانه زن بیند نه مرد  
انورؑی پھر ایک ایسے بخیل کی ہجو کرتا ہے جس کے یہاں کھانا نہیں بنتا اور دیگ کو گرم کرنے یا کاسہ کو دھونے کی حاجت نہیں ہوتی:

این کاسه تو سیاه و دیگ تو سپید      از آتش و آب هر دو بریده امید  
این شسته نمی شود مگر از باران      وان گرم نمی شود مگر از خورشید  
ایک جگہ انورؑی خواجہ بوالفتح کے حرص و بخل کا نقشہ کھینچتا ہوا کہتا ہے کہ وہ زر اندوزی میں اپنی عمر کھوتا ہے لیکن اس کی بیوی روٹی کے لیے ترستی ہے:

خواجہ بوالفتح از کمال حرص و بخل      سیم حاصل میکند بی فائده  
و زپی نانی ہی گوید زنش      رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً  
ایک امیر ایسا بخیل ہے کہ زندگی میں ایک بار عطا کرنے کے بعد مسک ہو گیا۔

انورؑی کی زبان میں ملاحظہ ہو:

گراندک صلتی بخشد امیرت      ازو بستان، کزو بسیار باشد  
عطای او بود چون ختنه کردن      که اندر عمر خود یکبار باشد

جمال الدین اصفہائی نے ایک بخیل کا بڑا ہی مزاحیہ اور ہجویہ ذکر کیا ہے کہ ایک یتیم بچے کی روٹی کھانا اچھا ہے لیکن خواجہ موصوف کی نہیں۔ نان کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اس کے جسم کا گوشت اور اس کا خون ممکن ہے میسر ہو جائے لیکن اس کی روٹی نہیں:

خواہی کہ نزد خواجہ قبولی بود ترا      منشین بخوان او برو از نان او مخور  
ور چند گویدت بتکلف کہ نان بخور      فرمان بر آنچه گفت و فرمان او مخور  
زیہبار خور و لیک مخور نانش زیہبار      و زنان طفل بیوہ بخور زان او مخور  
خوانش چو خون حرام بود گرد آن مگرد      نانش چو جان عزیز است از جان او مخور

از گوشش ہی چشم و از نان او پیش \_\_\_\_\_ از خون او ہی خورد از خوان او مخور

دیگر شعرانے بھی بخیلوں اور مسک مدوحوں کی ہجویں لکھی ہیں لیکن کمال اسماعیل خلاق المعانی نے بخیلوں کو جس لطیف انداز میں بیسیوں مقامات پر ملعون و مطعون بتایا ہے وہ بات اوروں میں نہیں۔ ایک بار ان کے ایک دوست نے کسی خواجہ سے خلوت میں ملنے کی آرزو کا اظہار کیا۔ کمال نے اسے تاکید کر دی کہ جب چاہو ان سے جا کر ملو لیکن صرف ایک بات کو ملحوظ رکھو کہ وہ وقت ان کے کھانے کا وقت نہ ہو:

دی مرا گفت دوستی کہ مرا بافلاں خواجہ از پی دو سہ کار  
سخن چند ہست از پی آن خلوتی می بایدیم ناچار  
گفتم این فرصتی ار توانی یافت وقت نان خوردنش نگہ می دار

کمال ایک بخیل کی ہجو سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ کھانا اتنی تاخیر سے کھاتا ہے

جبکہ مردار بھی حلال ہو جاتا ہے یعنی تین دن بعد:

ز مزدقانی باور کنم اگر گوید کہ من بخانہ خودی خورم طعام حلال  
نہ آنکہ مال حلاست ، مزدقانی را کدام مال کہ او دارد و کدام حلال  
ولی ز ممسکی آنگاہ مال خویش خورد کز اضطرار مرا اورا بود حرام حلال

کمال نے ایک بخیل کی روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر منہ میں ڈالا ہی تھا کہ وہ بے ہوش

ہو گیا اور بولا کہ میں مرا۔ کمال نے جواب دیا کہ تم مرویامت مرو میں نے اس لقمہ کو اندر کر لیا:

بدھن نان خواجہ چون بردم خواجہ گفتا کہ آہ من مردم  
گفتمش خواه میر خواہ ممیر کہ من این لقمہ را فرد بردم

ایک بخیل کی حالت کمال کی زبانی ملاحظہ ہو:

ای ترا جمع گشتہ در رہ آرز ہمت کوتہ و امید دراز  
ہمہ دندان ز حرص ہچو شیر ہمہ مغز تو پوست ہچو پیاز  
ندہی جز بزاہان لیکن بان ایشان ہی خوری بہ نیاز  
دست تو چون دھان گرسنگان ہر چہ دروی نہی نیابی باز



چون گلوی فرد بری ہمہ چیز و ز تو ناید برون مگر آواز

کمال ایک ایسے بخیل کو بھی جانتے ہیں جو چاندنی رات میں اپنے جسم کا سایہ دیکھ کر سمجھتا ہے کہ کوئی دوسرا اس کے خوان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے پیالے کو ہاتھ سے اٹھا لیتا ہے:-

خواجہ در مہتاب نان میخورد وز سرائی کہ ہچ خلق نبود  
سایہ خویش را کسی پنداشت کاسہ از پیش خویش بر بود

کمال ایک بخیل کو رمضان میں صرف اس وجہ سے مبارک باد دیتے ہیں کہ اس کے لیے یہ عبادت کا مہینہ نہیں بلکہ امساک کا مہینہ ہے:

بماہ روزہ ترا تہنیت ازان کردم کہ آن موافق ایمان و سیرت پاکست  
نہ از برای عبادت کہ آن تو خود نہ کنی ولیک از جہت آنکہ ماہ امساکست

ایک خواجہ اپنے کو اسلام پر قائم مسلمان شمار کرتے ہوئے روزہ کو بہترین عبادت خیال کرتا ہے لیکن زکوٰۃ اسے یاد نہیں رہتا، در آن حالیکہ اس پر عمل کرنا تو ایک لایعنی بات ہوگی۔ کمال کی زبانی ملاحظہ ہو:

خواجہ از بخل در مسلمانی اعتمادی برای خود بنہاد  
روزہ گوید بہین طاعت است وز زکوٰۃش ہمین نیاید یاد  
من بگویم کہ بر کجا باشد این چنین اعتقاد را بنیاد  
اندرین ہچ می نباید خورد و ندران چیزکی نباید داد

دیگر

چون دہانت دست تو کہ دود ہر چہ افتاد از برون ناید  
تو چنان مسکی کہ از دستت گر بزم بہ تیغ خون ناید

دیگر

زمن بشنو حدیث بخل خواجہ کہ نتوان خوبتر زین وصف کردن  
اگر روزی مصافی آیدش پیش نہد خالی بہ زخم تیغ کردن

بیاندازد بدشمن تیغ از بخل  
ولی توقیر داند تیر خوردن  
دیگر

ای ترا عرض خوار و مال عزیز  
مال بسیار تو زدونی تست  
وز بلندی همت است مرا  
مال آبت و آب را پیوست  
چند ازین سیم و زر پرستیها  
در مگیر از غرور مستی با  
بی نوائی و تنگدستی با  
میل باشد بسوی پستی با  
دیگر

تنہا ہرگز نہ خورد خواجہ  
نانکہ بود بہ خانہ میہمان  
در مدت عمر خویش ثانی  
لیک او باشد طفیل خوانی

ضیاء الدین موش کی ہجو میں کمال نے بڑے لطیف نکلتے پیدا کیے ہیں:

بزرگی راہمی دانم کہ کس نیست  
نفاق و بخل مقرونست دروی  
بدان ریش چو جاروب از ہمہ سو  
امای راچہ گویم کز دیانت  
بود از لقمہ خود محترز لیک  
بنان این و آن عمری بسر برد  
چو او کس نیست در افساد حالی  
چو قوتہای وہمی و خیالی  
فراہم میکند خاشاک مالی  
مگر داند بیک نان قبلہ حالی  
بخوان دیگران بر لا وبالی  
نباہد خواستن از خود حلالی

سعدی نے بھی بخل کی اصلاح کے غرض سے بخیلوں کی مذمت کر کے عوام کو متنبہ کیا ہے:

اگر چرخ گردد بکام بخیل  
وگر در کفش گنج قارون بود  
نیرزد بخیل آنکہ نامش بری  
مکن التفاتی بمال بخیل  
بخیل ار بود زاہد بحر و بر  
بخیل ارچہ باشد توانگر بمال  
سخیان ز اموال بری خوردند  
در اقبال باشد غلام بخیل  
وگر تابش ربع مسکون بود  
وگر روزگارش کند چاکری  
مبر نام مال و منال بخیل  
بہشتی نباشد بجکم خبر  
بخواری چو مفلس خورد گوشمال  
بخیلمان غم سیم و زری خواند

دیگر

مردکی غرقہ بود در جیحون از سمرقند بود پندارم  
بانگ می کرد و زاری نالید کہ در یغنا کلاه و دستارم

جائی

درون پر طمع جائی مزین طعن که طبع فلان مسک کرم نیست  
چو آید در میان میزان انصاف طمع درخت از امساک کم نیست

لامتی

ماہ رمضان گرچہ شریفست و مبارک سی روز بود نوبت وقت او ہر سال  
در خانہ اوسال سراسر رمضانست تا حشر عبید عیالانش شوال  
دیگر

خواجہ بزرگ است و مال دارد و نعمت نعمت و مالی کہ کس نیابد از آن کام  
بخشش جای رسید کو نگذارد شوخ بگرماہ بہ بان و موی بحجام

صبائی کاشانی

دی بر سر خوان خواجہ رفتم ای معشر دوستان بشارت  
جستم زہوای گرم جای تاجان شود امین از حرارت  
او بہر نماز خویشتن خواست فرشی کہ دران بود طہارت  
خادم خندان بگوشہ چشم بر مطبخ و سفرہ کرد اشارت

قاآنی نے بخیلوں کو خوب گالیاں دی ہیں۔ اس کے چند مہذب و سنجیدہ قطعات نقل کیے جاتے ہیں:

شنیدستم کہ بو تیمار مرغی کہ ہست از بہر آہش در درون غم  
نشیند بر کنار آب و گوید کہ گر نوشم شود آب اندکی کم  
بخیل بدکنش را در زمانہ تو گوئی این صفت باشد مسلم  
ز فرط حرص نان خویشتن را ہی بر خویشتن دارد محرم

بهر حال از برای غیر جاوید  
زهر سو سیم و زر آرد فراهم  
دیگر

مال مسکینان بحکم کرد گار  
خون شود ناچار در کام بنخیل  
هم بدان صورت که از فرمان حق  
در گلوی قوم قبلی آب نیل  
دیگر

کسی ندیده سیه روزی از بنخیل بتر  
که خود لقب کشد و غیری انتفاع کند  
از آنکه تا که هنوزش بتن بود رمتی  
زناز و نوش جهان طبعش امتناع کند  
ولی جنازه اش از در برودن زرفته هنوز  
در آن زمان که جهان را بجان و دلغ کند  
بمال و دولت او سفله ای گمارد چرخ  
که نان او خورد و باز نش جماع کند  
دیگر

چه غم از بی نوائی آنکس را  
که کرم باشد و درم نبود  
کرم بی درم ازان بهتر  
کر درم باشد و کرم نبود

## (ب) گھوڑے کی جھجیوں

فارسی ادبیات اور خصوصاً فارسی شاعری میں بے انتہا موضوعات ہیں جن سے مزاح وابستہ ہے لیکن گھوڑوں کے عیوب و نقائص پیش کر کے، ان کی سراپانگاری کر کے اور ان کی خصوصیات و عادات کی تشریح و تفصیل سے مزاح پیدا کرنا فارسی شعر کا محبوب موضوع رہا ہے۔ انہیں گھوڑے کی جھجکھنے میں بڑا لطف ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طبعی و جغرافیائی اعتبار سے ان کی زندگی میں گھوڑوں کی بڑی اہمیت ہے لہذا ان کے حسن و قبح کا انہیں پورا پورا خیال رہتا ہے اور ہمیں فارسی کے آدم الشعر اردو کی سمرقندی سے لے کر شعرائے دور جدید تک کے دواوین و کلیات میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

رود کی سمرقندی اپنے گھوڑے کی مذمت کرتا ہوا اس طرح خامہ فرسا ہوا ہے:  
بود اعور و کوچ و لنگ و پس من      نشستہ بر او چون کلاغی برا عور

عنصری عہد غزنوی کے آسمان سخن کے سب سے سیارہ میں تھا اور ملک محمود غزنوی کے درباری شعرا کا افسر محکمہ اور ملک الشعر تھا اس نے گھوڑے کی طرف سے معذرت لکھی ہے کہ میں نہ تو گاؤں زمین ہوں کہ سارے عالم کا بار اٹھاؤں اور نہ چوتھا آسمان ہوں کہ آفتاب کو لیے پھروں:

رفتم بر اسپ تاتراش بکشم      گفتا کہ نخست بشنوائین عذر خوشم  
نی گاوز مینم کہ جہان بز گیرم      نی چرخ چہارم کہ خورشید کشم

مدوح کے عطا کردہ گھوڑے کا سراپا بیان کرتا ہوا حکیم ابو محمد محمود بن عمر چودھری کہتا ہے:

دی مرا آخر سالار خداوند جہان      دادا پس کی کہ ز پیرست بفریاد و فغان  
سفتہ زن اسپ کہ از شانہ او در رفتن      ہر زمان آید در گوش دگرگون و دستان  
راست مانند یکی اشتر باریک و حزین      از سر شانہ برون آمدہ او را کوہان  
پشتش از گوشت تہی گشتہ بسان تابوت      شکم از کاہ در آگندہ بسان گہہ دان  
سرطان وار بیک پہلو در راہ رود      کہ ہمہ دست شد و پای بسان سرطان  
در سراید چون رسد بر شکمش زخم رکاب      بنشیند بدّم انگہ چو کشی باز عنان

گفت ای بی حق بی حرمت پیر نادان  
 کہ ز بی حرمتی افتاده ای اندر حرمان  
 کوہی شد بہ بنا کردن مرو شہجان  
 بگہ آنکہ جهان گشت خراب از طوفان  
 گفت یک چند مرادداشت باخرہامان  
 سوی مصر آمد یعقوب نبی از کنعان  
 چون دعا کرد نگون گشت ہمہ شارستان  
 برد در حربگہ دیو سپید او اکوان  
 کز پی خوگ ہمیرفت بسوی ارمان  
 شصت و سہ سال مرادداشت باخرسلطان  
 اسپ دیگر طلب از آخر سلطان جهان

نزد او رفتم بازین ولگام و انسار  
 من ز تو پیر ترم حرمت ہم شناس  
 گفت من مرکب تہموث بودم ز نخست  
 گفت بانوح نبی بودہ ام اندر کشتی  
 گفت یک چند مرادداشت جہیہ فرعون  
 یاد دارم کہ چو یوسف بعریزی بنشست  
 لوط را دیدم در ماندہ بشارستانی  
 بدل رخس مرارو ستم ژال بحرب  
 برد با خوشنم سوی عجم بیون و گیو  
 از پی آنکہ مرادداشت ہمہ حرمت و حق  
 بتو بخشید مرا گرنہ پسندیم ہی

ایک کمزور اور نحیف گھوڑا کس انداز سے نشیب و فراز میں گھٹنے ٹیکتا ہے۔ روحی والوالحی شاگرد قطر ان بن منصور ترمذی نے یوں پیش کیا ہے:

آن اسپ ناروان کہ ز بی طاقتی چو آب  
 بودی بہ ہر فراز و نشیبی ہزار بار  
 تا یافتی نشیب ز رفتی سوی فراز  
 از دست و پای لنگ زمین را بسر نماز

گھوڑے کی قناعت کا ذکر فرخاری نے بڑے شگفتہ انداز میں کیا ہے:

ایسی دارم کہ ہرگز ایزد  
 تا روز ز عشق جو ہمہ شب  
 گفتند کہ جو نماند ازین غم  
 بوسیدہ پلاس و پارہ کاه  
 قانع تر از دنیا فریند  
 از خرمن ماہ خوشہ چنید  
 می خواہد کہ تعزیت گزیند  
 می خواہد تا درو نشیند (۱)

(۱) تذکرۃ الشعر از دولت شاہ سمرقندی میں یہ قطعہ فرخاری سے منسوب ہے اور کمال اسماغیل کے خطوط دیوان (نسخہ قلمی خدا بخش لاہوریری، پٹنہ) بر صفحہ ۲۷۷ بھی اختلاف ذیل کے ساتھ مکتوب ہے۔ شروع کے دو اشعار کے بعد یہ شعر بھی درج ہے: با حشر گلند دیدن جو داند کہ درین جہان نہ بیند تیسرے شعر مصرع ثانی میں می خواہد کے بجائے می خواست ہے اور آخری شعر کے مصرع اول میں بوسیدہ کی جگہ پوشیدہ لکھا ہوا ہے۔

اس خیال کو کہ کالے، سست، لاغر اور سوار سے تیس سال بڑے گھوڑے پر سوار ہونا  
جہالت اور گستاخی ہے، سلمان ساوجی نے یوں ادا کیا ہے:

اسپیم پیرو کاہل و کوتاہی دہند  
چون کلک مرکب سیہ دست لاغراست  
از بندہ مہتر است بسی سال و راستی  
گستاخی است بر زبر مہتران نشست  
اپسی نہ آنچنانکہ تو انم بر آن نشست  
جہل مرکب است بر اپسی چنان نشست

جمال الدین اصفہانی اپنے گھوڑے کے لیے بڑے حسین انداز میں اپنے ممدوح سے  
گھاس اور جو طلب کرتا ہے وہ اپنے گھوڑے کو صائم الدھر کہہ کر لطیف مزاح کا پہلو پیدا کرتا ہے:

صائم الدھر اسپکی دارم  
در رکوعت سال و مہ لیکن  
پارہ گاہ آرزو کردست  
روز عیدست و ہریکی امروز  
گر تفضل کند خداوندم  
ورنہ رخصت دہد کہ اندر شرع  
کہ بدہ روز روزہ نکشاید  
گہ گہی در سجود افزاید  
مدتی رفت بر نمی آید  
بطعای دہد بہ پالاید  
پارہ گاہ و بھو بفرماید  
روزہ عید داشتن شاید

نجیف و نزار گھوڑے سے متعلق مرزا مقیم جوہری کی جولانی طبع قابل ملاحظہ ہے:

اگر گرہ نزنم بردمش ز کثرت ضعف  
نخورده گاہ و ندیدہ است جو نہ کند گیاه  
زبار ضعف سراز جای بر نمی دارد  
بسان رشتہ تواند گذشت از سوزن  
بغیر ایال و بالیش نیست در گردن  
عنان بدارد اگر دست لطف در گردن

ممدوح سے گھوڑے کے لیے زین و لگام اور دانہ کے مطالبہ میں کمال اسماعیل کا زور

کلام اور قدرت بیان ہماری توجہ چاہتا ہے:

دوش خربندہ کرد پیشم یاد  
کہ شنیدم کہ او بوقت وفات  
از بھو و گاہ و از جل و خار  
بر تو فرضت حق گزاری او  
کہ اسپکی خواجہ زندگی بتوداد  
یوصیت لب و دھان بکشاد  
ہر چہ بد، در وجود خیر نہاد  
زانکہ در خدمت کسی ایستاد

کمال نے مختلف انداز میں کہیں گھوڑے کی فاقہ کشی کا نقشہ کھینچا ہے اور کہیں گھوڑے کے توکل کی تشریح کی ہے۔ ایک قطعہ میں بڑی چابکدستی سے گھوڑے کی زبانی اصطبل کی تفحیک کی ہے:

دی اسپ مرا گفت کہ درین چه شک است      کہ اصطبل تو از زاویہ ہای فلک است  
نہ آب در آن نہ سبزہ نہ کاه نہ جو      این ستور نیست جای ملک است

خواجہ عصمت بخاری نے گھوڑے کی ظریفانہ تصویر کھینچ کر کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔

اس میں جدت اور لطافت کے عناصر موجود ہیں:

اپسی کرم نمود کہ از جنس وحش و طیر      چون او ضعیف جانوری در میان نبود  
اپسی کہ چون کمان شکستہ وجود او      سر تا قدم بغیر پی و استخوان نبود  
از بسکہ گشتہ بود ز غمخوارگی چوروح      ہیج احتیاج قالب اورا بجان نبود  
لہپا کشاد مش کہ بدنجان نظر کنم      چیزی جز آب حسرتش اندر دہان نبود  
گفتم درین زمانہ بدور کی آمدی      گفت آن زمان کز آدم و عالم نشان نبود  
ناگاہش از وزیدن بادی میان شکست      بی چارہ را تحمل بار گران نبود

حسن بیگ رفیع نے ۱۳۵ اشعار پر مشتمل ایک طویل نظم مثنوی کے انداز میں بعنوان ”در

ندمت اسپ“ موزوں کیا ہے۔ چند منتخب اشعار دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے:

مرا اپسی ست ست و زار و لاغر      چو تار عنکبوت از پای تاسر  
چنان از ضعف تن کردہ فروکش      کہ گر سوزد نہ خیزد دود و آتش  
اگر چون اسپ شطرنج افتد از پای      بانگشتش توان برداشت از جای  
اگر خود روی منزل را ندیدہ      سہی دارد کہ تا منزل رسیدہ  
چنان در ماندہ بانعل سم خود      کہ نتواند گلد زد بر دم خود  
نہ ذوق رفتن از دنیا ندارد      چه سازد بہر رفتن پاندارد

ابو طالب کلیم نے گھوڑے کی تعریف و ندمت میں ایک سو پچاس اشعار پر مشتمل ایک

طویل نظم قلم بند کی۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:



ز سر تاپا ہمہ شیرین و مرغوب  
بروگر آشنا سازند ران را  
کنون دیوار راہش برگ کاہست  
اگر بردیدہ مورش فتد راہ  
سکون و جنبش او نبض مطلوب  
برد از یاد عاشق دلبران را  
نشان میخ نعلش چاہ راہست  
چنان افتد کہ گوئی رفت در چاہ

اکبر نے کسی موقع پر عربی کو ایک گھوڑا انعام میں دیا۔ عربی نے بجائے اظہار تشکر کے گھوڑے کی ہجو لکھی۔ کلام کی سنجیدگی دعوت توجہ دیتی ہے:

درویش بی عصاش نگیرد ز من بمفت  
مہیز می ز غم بوی از صبح تا بشام  
ہستم بر دسوار بمعنی پیادہ ام  
طرار و مفلسش نتاند ز من بقرض  
تا نیم گام می رود آن ہم پپای فرض  
گامی بطول می زدوم اکنون ز غم بعرض

جدید فارسی ابیات میں سیاسی رجحانات اور قومی و ملی جذبات و احساسات کا فرما ہیں لیکن ہجو و طنز میں گھوڑے کو اپنا موضوع بیان قرار دینا اب تک فیشن میں داخل ہے۔ مدوح نے گھوڑا عطا کیا لیکن اس کے عیوب و نقائص نے اریح میرزا کو ہجو گوئی پر آمادہ کیا۔ کچھ اشعار بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں:

اپسی کرم نمود کہ چون گردش سوار  
اپسی کہ ہر کہ خواست سوارش شود نخست  
گرنی المثل بدیدن احباب می رود  
یک پارود بہ پیش و دوپا می رود بہ پس  
ناگفتہ نکذریم کہ این اسپ خوشخصال  
زودی کہ تخم مرغ کنم در گلوی او  
گویند فلسش بگذارم بزیر دم  
صدرم بجای یک رم در ہر قدم کند  
باید قلم گرفتہ وصایا رقم کند  
اول وداع باہمہ اہل و خدم کند  
یک متر راہ را دوسہ نوبت قدم کند  
تنہا نہ گاہ گیر بود سرفہ ہم کند  
تا سینہ ملتہم شود و سرفہ کم کند  
گر آرزو کنم کہ دم خود علم کند

## (ج) ریاکار مذہبی ٹھیکہ داروں کی مذمت

اخلاقی تعلیم فطرت انسانی کی نکتہ شناسی کی متقاضی ہے۔ ظاہری اور کھلی ہوئی برائیوں اور عیوب کو عام انسان دیکھ اور سمجھ سکتا ہے لیکن مخفی اور سر بستہ عیوب تک ہر شخص کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی اس لیے جو شاعر فلسفہ اخلاق کی تعلیم دینا چاہتا ہے اس کے لیے فطرت کا نکتہ شناس ہونا شرط اولین ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ لطیف اور دل آویز طریقوں سے یہ عیوب ظاہر کیے جائیں تاکہ لوگوں کو گراں نے گذریں بلکہ ان کے سننے میں لطف محسوس ہو۔

فارسی شاعری میں زاہدوں سے چھیڑ چھاڑ اور ان پر لعن و طعن کی کثرت پائی جاتی ہے۔ مخفی اور دقیق عیوب جس قدر عالموں، واعظوں اور زاہدوں میں پائے جاتے ہیں کسی فرقہ میں نہیں پائے جاتے ”امام غزالی (۱) نے احیاء العلوم میں اس کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے لیکن چونکہ یہ فرقہ ہمیشہ با اقتدار رہا اس لیے ان کے عیوب کو ظاہر کرنا آسان بات نہیں۔“ آدم! شعرار و دہکے نے ایک قطعہ لکھ کر اس روش کی سنگ بنیاد ڈال دی تھی اور بعد کے شعرا مثلاً خیام، سعدی اور حافظ وغیرہ نے اسے پروان چڑھایا۔

خیام کے کلام میں رندی و سرمستی کے عناصر کی فراوانی ہے، عمر خیام نہ صرف مئے ارغوانی اور ساقی گلغام کا دل دادہ ہے بلکہ وہ بالعموم زندگی کی ہماہمی، انتشار اور بد مزگی کو غرق مئے ناب بھی کرتا ہے۔ خیام کے یہاں زندگی کی مسلمہ اقدار کو ایک ایسے نئے زاویے سے دیکھنے کا رجحان بھی ملتا ہے کہ ان اقدار کے مضحکہ خیز پہلو ابھر کر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن میں خدا کے ساتھ شریر لڑکوں کا سا برتاؤ اس کے بہت سے اشعار میں موجود ہے اور غالباً یہی شدید انداز ہے جس سے خیام نے زاہد کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ خود نما شیون کی پردہ دری میں خیام کی رباعیاں بہت مشہور ہوئیں۔

خیام چاہتا ہے کہ انسان کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ اس خیال کو ظریفانہ انداز میں یوں ادا

(۱) - شعرا لعمم تالیف شبلی نعمانی، ج ۲، ص ۲۳

کیا ہے:

زاهد بہ زن فاحشہ گفتا مستی  
گفتا شیخا ہر آنچه گوئی ہستم  
ایک اور موقع پر ریاکاری کی مذمت کرتا ہے:  
گرمی نہ خوری طعنہ مزن مستان را  
تو فخر بدین کنی کہ من می نہ خورم  
اس ضمن میں عارف و صوفی شاعر فرید الدین عطار کی وہ غزل جس میں ظاہر پرست  
علماء پر چوٹیں کسی گئی ہیں کہ وہ جھوٹ بکتے ہیں، مغرور ہیں، ان کے دل بیدار نہیں اور ان کا  
دعویٰ بے جا ہے، قابل ملاحظہ ہے:

الا ای زاهدان دین ولی بیدار بنمائید  
ز دعویٰ چچ نکشاید اگر مرید اندرون  
ہزاران مرد دعویٰ دار بنمائیم ازین مسجد  
من اندر یک زمان صد مست از خمار بنمائیم  
من این رندان مفلس را ہمہ عاشق ہی پنم  
مفتی شہر کے تظلم کی مذمت:

ہمہ مستید در مستی یکی ہشیار بنمائید  
چنان کاندردرون ہستید در بازار بنمائید  
شٹایک مرد دعویٰ دار از خمار بنمائید  
شٹامستی اگر دارید از اسرار بنمائید  
شٹایک عاشق صادق چنین بیدار بنمائید  
با این ہمہ مستی تو ہشیار تریم  
انصاف بدہ کدام خونخوار تریم  
اظہار عبادت پر طعن کا بڑا ہی انوکھا انداز ہے:

ساقی قدحی کہ کار ساز است خدا  
می خور بہ بہار و بار طاعت مفردش  
وز رحمت خود بندہ نواز است خدا  
کز طاعت خلق بی نیاز است خدا  
اگرچہ زاهد سے چھیڑ چھاڑ کار، حجان خیام کے یہاں موجود ہے لیکن دراصل اس ضمن  
میں اولیت کا سہرا سعدی شیرازی کے سر ہے اور اس طرح جو بات خیام نے اپنی رباعیوں میں  
صاف صاف اور کھلے انداز میں کہی ہے سعدی نے اسے ذرا چھپا کر پیش کیا اور یوں بالواسطہ  
انداز اختیار کر کے طنز کے ایک اہم اصول کی پیروی کی۔ بقول علامہ شبلی (۱):

(۱)۔ شعرا لہجہ تالیف شبلی، ج ۲، ص ۴۴۔

”شیخ سعدی نے غزل میں زاہدوں اور واعظوں کا پردہ فاش کیا ہے اور ریاکاری کی دقت اور باریک کار سازیوں کی قلعی کھولی ہے۔ خیام نے رباعیوں میں اس مضمون کو ادا کیا ہے لیکن صاف صاف اور کھلے لفظوں میں، شیخ کی طرح چبھتی چبھتی چوٹیں نہ تھیں جن سے ریاکاروں کے دل باہر آجائیں۔“

سعدی کا مشہور شعر ہے:

گر کند میل بہ خوبان دل من خوردہ مگیر      کین گناہست کہ در شہر شمانیز کند

طنز میں ایک نئے رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔ چنانہ یہاں بات کھوکھلے اور سپاٹ انداز میں پیش کرنے کے بجائے بالواسطہ طریق سے پیش کرنے کی کوشش صاف ظاہر ہے۔ شیخ سعدی مذہبی لوگوں کی تنگ نظری پر طنز کرتے ہوئے نہایت بلیغ انداز میں یہ نکتہ واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ ان کی طرح منتقم ہے اور نہ اس کی رحمت کسی خاص طبقہ کے لیے مخصوص ہے:

شنیدم کہ مستی ز تاب نپید	بہ مقصورۃ عابدی بر دوید
بنالید بر آستان کرم	کہ یارب بفر دوس اعلیٰ برم
موذن گریبان گرفتش کہ ہین	سگ و مسجد، ای فارغ از عقل و دین
چہ شایستہ کردی کہ خواہی بہشت	نمی زیادت ناز بر روی زشت
بگفت این سخن پیرو بگریست مست	کہ مستم بدار از من ای نواجہ دست
عجب داری از لطف پروردگار	کہ باشد گنہگاری امیدوار
ترای نہ گویم کہ عذرم پذیر	در توبہ باز است و حق دستگیر
ہی شرم دارم ز لطف کریم	کہ خواہم گنہ پیش عفو ش عظیم

علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں شیخ نے چونکہ اخلاقی امراض کے مرتکب ہونے کے بعد صحت پائی تھی اس لیے وہ امراض کی حقیقت، ماہیت، علامات اور طریق علاج سے جس قدر واقف ہو سکے دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔ اخلاقی بیماریوں میں اکثر لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے اور مرض کو مرض نہیں سمجھتے مثلاً ایک صوفی امر پرستی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ مجاز حقیقت کا زینہ ہے۔ شیخ ان غلطیوں میں نہیں پڑ سکتا چنانچہ امر پرستی کی نسبت نظر باز صوفیوں کی اس طرح پردہ دردی کرتا ہے:

گروہی نشیند با خوش پسر  
 ز من پرس فرسودہ روزگار  
 چرا طفل یک روزہ ہوشت نبرد  
 ازان برگ خرما خورد گو سفند  
 کہ ما پاکبازیم و اہل نظر  
 کہ بر سفرہ حسرت خورد روزہ دار  
 کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خورد  
 کہ قفل است بر تنگ خرما و بند

اس زمانہ میں امر دہ پرستی کا عام مرض پھیلا ہوا تھا۔ صوفیہ اور اہل نظر اس کو عشق حقیقی کی منزل اولین قرار دیتے تھے اور ارباب ذوق کے لیے تفریح خاطر کا اس کے سوا اور کوئی دوسرا سامان نہ تھا۔ شیخ چونکہ اس سانپ کو کھلا چکا تھا اس کی مضرتوں سے خوب واقف تھا اس نے نہایت سختی سے اس کی برائیاں بیان کیں:

سراز مغز و دست از درم کن تہی  
 مکن بد بہ فرزند مردم نگاہ  
 چو خاطر بہ فرزند مردم نہی  
 کہ فرزند خویشت بر آید نباہ

ریاکار عالموں کی قلعی سب نے کھولی ہے لیکن صوفیہ کا گروہ کثیرہ جو ہمہ تن ریا کار ہے ان کی نسبت کسی کو ریاکاری کا گمان بھی نہیں ہوتا اور ہو بھی تو عوام کے ڈر سے ظاہر نہیں کر سکتا۔ شیخ اس راز سے خوب واقف تھا اس لیے اس نے نہایت دلیری سے اس طلسم کو توڑا اور بڑے لطیف پیرایہ میں اس مضمون کو ادا کیا:

برون نمی رود از خانقہ یکی ہشیار  
 بوستان میں ایک شخص کی زبان سے ان لوگوں کی پوری تصویر کھینچی ہے:

کہ ز نہار ازین مزدمان خموش  
 کہ چون گر بہ زانو بہم بر زنند  
 سوی مسجد آوردہ دکان شید  
 سپید و سیہ پارہ بردوختہ  
 زہی جو فروشان گندم نمای  
 مبین در عبادت کہ پیرند دست  
 عصای کلیم اند بسیار خوار  
 ز سنت نہ بنی در ایشان اثر  
 پلنگان درندہ صوف پوش  
 وگر صیدی افتد چو سگ در جہند  
 کہ درخانہ کتر توان یافت صید  
 بہ سالوس پنہان زر اندوختہ  
 جہان گرد و سالوس و خرمن گدای  
 کہ در رقص و حالت جوانند و چست  
 بہ ظاہر چنین زرد روی و نزار  
 بہ جز خواب پیشین و نان سحر

فرائض کی انجام دہی میں محتسب دھوکہ کھا جاتا ہے۔ آخر صوفیوں کے وضع قطع پر کون شک کر سکتا ہے:

محتسب در قفای رندان است      غافل از صوفیان شاہد باز  
پھر کہتے ہیں:

گر کند میل بخوبان دل من فردہ مکیر      کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اس مضمون کو حافظ نے اس قدر پھیلا یا کہ خاص ان کا ہو گیا لیکن اصل بنیاد شیخ نے

ڈالی تھی:

ای محتسب از جوان چہ می پرسی      من تو بہ نمی کنم کہ پیرم

اوروں کی بجائے خود کو ملزم قرار دینا بلاغت کا خاص پہلو ہے:

ہج کس بی دامن تر نیست اما دیگران      بازی پوشند و مادر آفتاب انگندہ ایم

ایک لواطت پرست امام مسجد کی مذمت میں یہ رباعی بڑے تیکھے نشتر رکھتی ہے:

آمد بہ نماز آن صنم کا فرکیش      بربید نماز مومنان درویش  
میگفت امام مستمندان دل ریش      ای کاش کہ من از پس بدمی او از پیش

ناخوش الحان قاری کو ہدف طنز بناتے ہیں ہوئے کہتے ہیں:

متکلف بہ نغمہ در قرآن      حق بیازرد و خلق را بر بود  
این یکی چرآن دگر باشد      ما بوقت زبان و وقتی سود  
ناخوش آواز اگر دراز کشد      نہ خدا ونہ خلق از و خوشنود

ایک دوسرے قطعہ میں اسی خیال کو اس طرح ادا کرتے ہیں:

برین الحان داؤدی عجب نیست      کہ مرغان در ہوا حیران بمانند  
تو آمرزیدہ واللہ یعلمہ      کہ اقلیمی بہ حیرت یک زبانند  
خدا این حافظان ناخوش آواز      بیا مرزد اگر ساکن بخوانند

لیکن فارسی ادب میں رندی دوسرے مستی اور زاہد سے چھیڑ چھاڑ کے سلسلے میں سب سے

اہم نام حافظ شیرازی کا ہے۔ حافظ کے کلام میں مسرت و بہجت کا عام انداز، ان کے بات کرنے کا اٹو کھا ڈھنگ اور ان کی زاہد و محتسب پر برجستہ اور مہذب چوٹیں اپنی مثال آپ ہیں:

واعظ شہر کہ مردم ملکش می خوانند      قول مانیز ہمین است کہ او آدم نیست

گر ز مسجد بہ خرابات رویم عیب مگیر      مجلس و عظ در از است و زمان خواهد شد

خواجہ حافظ نے بڑی دلیری اور آزادی و بے باکی سے علما و زہاد پر نکتہ چینیوں کیس ہم ان اعتراضات کو کامیاب ہجو کے ذیل میں بیان کر سکتے ہیں اس لیے کہ اس میں ہجو کے لوازمات موجود ہیں۔ آج تک اس مذہبی گروہ پر کسی نے اس بے باکی سے چوٹیں کسنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ حافظ نے زاہدوں کے کارڈیگر کو اکثر نہایت لطیف انداز سے بیان کیا ہے:

واعظان کین جلوہ بر محراب و منبری کنند      چون بخلوت می روند آن کارڈیگری کنند  
مشکلی دارم زدانش مند محفل باز پرس      تو بہ فرمایان چرا خود تو بہ کمتر می کنند  
گویا باور کی دارند روز داوری      کین ہمہ قلب و دغا در کارد اور میکند  
خانہ خالی کن دلاتا منزل جانان شود      کین ہوسناکان دل و جان جای دیگر میکند

حافظ کہتے ہیں کہ ہماری مجلس عام ہے کسی کی تخصیص نہیں جو چاہے آئے ہم سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے ہیں۔ واعظوں اور زاہدوں کی طرح ہمارا اخلاق دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، کافر و مسلمان کی تفریق کی وجہ سے بدلا نہیں کرتا:

ہر کہ خواہد گویا و ہر کہ خواہد گو برو      گیر و دار حاجب و دربان درین درگاہ نیست  
بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است      ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست  
سب سے بڑا عیب مولویوں اور واعظوں میں ریاکاری کا ہوتا ہے اس لیے نہایت دلیری سے ان کی برائیاں بیان کی ہیں:

گرچہ برواعظ شہر این سخن آسان نہ شود      تاریاورزد و سالوس مسلمان نہ شود  
غلام ہمت دُردی کشان یک رنگم      نہ آن گروہ کہ ارزق لباس و دل سیہ اند

بادہ نوشی کہ دروچ ریائی نہ بود بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریاست  
 من از پیر مغان دیدم کرامتہای مردانہ کہ این دلق ریای را بہ جامی در نمی گیرد  
 می خور کہ صد گناہ زاغیاری در حجاب بہتر ز طاعتی کہ بہ روی و ریا کنند  
 ترسم کہ صرفہ نہ برد روز باز خاست نان حلال شیخ ز آب حرام ما  
 بیا بہ میکدہ و چہرہ ارغوانی کن مرد بہ صومعہ کا نجاسیہ کارانند  
 نقد ہا را بود آیا کہ عیاری گیرند تاہمہ صومعہ داران پی کاری گیرند

مولوی اور واعظوں کو اس میں بڑا کمال ہوتا ہے کہ تقدس کے پردہ میں اس طرح  
 چھوٹ کر برائیاں کرتے ہیں کہ کسی کو ان کی نسبت گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ خواجہ نے اس نکتہ  
 کو اس لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے:

ای دل طریق مستی از محتسب بیا موز مست است و در حق او کس این گمان ندارد  
 خرقدہ پوشان ہنگی مست گذشتند و گذشت قصہ ما است کہ در کوچہ و بازار بہ ماند  
 داشتند و لقی و صد عیب مرای پوشید خرقدہ، رہن می و مطرب شد و زنا رہماند

عیب چھپانے کی ایک بڑی چال یہ ہے کہ کوئی اور شخص اگر وہ عیب کرتا ہوا  
 نظر آئے تو نہایت سختی سے اس پر دار و گیر کی جائے۔ اس راز کو خواجہ اس طرح فاش کرتے ہیں:  
 بادہ با محتسب شہر نہ نوشی ز نہار کہ خورد با تومی و سنگ بہ جام اندازد

مولویوں اور واعظوں میں ریاکاری اعلانیہ نظر آتی ہے۔ لیکن مذہبی ٹھیکہ داروں  
 کے دوسرے طبقات بھی اس کے اثر سے خالی نہیں ہوتے۔ اس بنا پر خواجہ فرماتے ہیں:  
 می خور کہ شیخ و حافظ و قاضی و محتسب چون نیک بنگری ہمہ تزویری کنند

علا کے اوصاف اور اخلاق پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ عوام کی عقیدت مندی



اور نیاز مندی کی وجہ سے ان میں نہایت تکبر اور غرور پیدا ہو جاتا ہے اور اس وصف کو اس لیے ترقی ہو جاتی ہے کہ ان کو یہ باتیں مذہبی پیرایہ میں نظر آتی ہیں۔ وہ کسی کو برا کہتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ امر بالمعروف کی تعمیل ہے۔ سلاطین اور حکام کی دربارداری کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ احکام شرعی کے اجرا کے لیے یہ ضروری ہے۔ کسی سے ذاتی عناد کی وجہ سے دشمنی کرتے ہیں تو یہ بغض لٹد ہے۔ غرور اور فخر کرتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ عزت نفس ہے۔ اس بنا پر یہ تمام عیوب ان میں راسخ ہو جاتے ہیں۔ خواجہ ان تمام عیوب کی نہایت بلوغ اور لطیف پیرایوں میں پردہ دردی کرتے ہیں:

اگر از پردہ برون شد دل من عیب مکن \_\_\_\_\_ شکر ایزد کہ نہ در پردہ پندار بماند

در راہ ماشکتہ دلی می خزند و بس \_\_\_\_\_ بازار خود فروشی ازان راہ دیگر است

زاہد شہر چو مہر ملک و شحہ گزید \_\_\_\_\_ من ہم از مہر نگاری بگزینم چہ شود

علماء کی عام حالت یہ ہے کہ امر حق کو کبھی عوام پر ظاہر نہیں کرتے بلکہ اس میں اگر کوئی برائی کا پہلو ہے تو صرف اسی پر زور دیتے ہیں۔ شراب میں فائدہ اور نقصان دونوں ہے اور نقصان فائدہ سے زیادہ ہے تاہم خدا نے قرآن مجید میں فرمایا **فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعٌ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِّنْ نَّفْعِهِمَا**۔ یعنی (قمار) و شراب میں فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی لیکن نقصان ان دونوں کے نفع سے زیادہ ہے۔ جب خدا نے اس کے فائدوں کو چھپانا نہیں چاہا تو امر حق کو عوام کی خاطر سے چھپانا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟ خواجہ نے نہایت موثر طریقے سے اس عیب پر ملامت کی ہے:

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو \_\_\_\_\_ نفی حکمت مکن از بہر دل عامی چند

خواجہ کا خیال ہے کہ مولویوں اور واعظوں کی نیکیاں چونکہ ذاتی غرض پر مبنی ہوتی ہیں اس لیے درگاہ الہی میں مقبول ہونے کے قابل نہیں:

در میخانہ بہ بستند خدایا پسند \_\_\_\_\_ کہ در خانہ تزویر و ریا بکشایند

خواجہ کے کلام میں جا بجا شوخی اور ظرافت بھی ہے لیکن نہایت لطیف اور نازک شیخ سعدی اور خیام بھی ظرافت کرتے ہیں لیکن زیادہ کھل جاتے ہیں۔ خواجہ کی

شوخی طبع کی لطافت تازہ اور دلپذیر ہیں:  
 بکوی می فروشانش بجای در نمی گیرند  
 زہی سجادہ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد  
 نہ من زبی عملی در جهان ملولم و بس  
 ملامت علماہم ز علم بی عمل است  
 زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ  
 رند از رہ نیاز بدار السلام رفت  
 فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتوی داد  
 کہ می حرام ولی بہ زمال اوقاف است  
 حافظ نے اپنے عہد کے مشہور عالم عماد فقیہ پر بڑی تلخ طنز کی ہے۔ غزل کے چند

اشعار ملاحظہ ہوں:

صوفی نہادہ دام و سر حقہ باز کرد  
 بنیاد مکر با فلک حقہ باز کرد  
 ای کبک خوشترام کہ خوش میروی نباز  
 غرہ مشو کہ گربہ عابد نماز کرد  
 اس ضمن میں حافظ کے چند اور اشعار دل چسپی سے خالی نہ ہوں گے:  
 سرای مدرسہ و بحث علم و طاق و رواق  
 چہ سود چون دل دانا و چشم بینا نیست  
 سرای قاضی یزد ارچہ منبع فضل است  
 خلاف نیست کہ علم نظر در آن جان نیست  
 شخم بطنز گفت حرامست می مخور  
 گفتم مگو کہ گوش بہر خر نمی کنم  
 احوال شیخ و قاضی و شرب الیہودشان  
 کردم سوال صحمدم از پیری فروش  
 گفتانہ گفتنی است سخن گرچہ محرمی  
 درکش زبان و پردہ نگہ دارومی بنوش

حافظ کی تقریباً تمام شاعری ان لوگوں کی زیاں کاری اور مذمت کا ایک نقش بداع  
 ہے۔ حافظ کے بعد کے شعرا کو اس ذائقہ کا ایسا چسکا پڑ گیا کہ بغیر عابدوں اور زاہدوں کی مذمت  
 کے اپنی شاعری کو کامیاب نہیں سمجھائے۔

## فارسی ہجو گوئی پر ایک عام تنقیدی تبصرہ

ہجو اپنی مقصدیت اور افادیت کے پیش نظر ادب کا ایک لازمی جزو اور معاشرہ کی اصلاح و تربیت کے لیے ایک ناقابل فراموش طریقہ کار ہے۔ انسانی ذہن کی بیمار صلاحیتیں، بد اخلاقی و بد کرداری، حماقت اور اس قسم کے دیگر فسادات کو جنم دیتی رہتی ہیں اور ہجو ہمیشہ ان کا دندان شکن مقابلہ کرتی رہتی ہے۔ ہجو کا مسلک رشک و حسد نہیں، حالات و کردار کا صحیح تعارف ہے۔ ناموزوں اور ناہموار حالات میں یہ بہت جلد برا بیچنتہ ہوتی ہے۔ عیوب و نقائص پر سخت تنقیدی نگاہ رکھتی ہے۔ جب معاشرے پر شیطانی قوتوں کا غلبہ ہوتا ہے اور ہر سمت زندگی اپنے بھیانک روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے تو ہجو اسے دیکھ کر شاد کام نہیں ہوتی بلکہ معصیت و جرائم کی جڑیں کرید کرانہیں تہ و بالا کرنے اور ظلمت و تیرگی کے رفع کرنے میں ہمہ تن سعی و عمل بن جاتی ہے۔ ہجو فنون لطیفہ کی ایسی دیوچی ہے جس کا چہرہ موزوں اور متناسب نہیں بلکہ اس پر مضحک انداز کی چھریاں پڑی ہوئی ہوتی ہیں، جہاں ابدی مسکراہٹ یا لازوال نالہ و شیون کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ صنف ہجو کی تخلیق میں اور اس کی فنکاری میں ایک دھڑکتا ہوا حساس دل کار فرما ہوتا ہے جس کا بہ نظر غائر مشاہدہ و مطالعہ کرنے پر ہمیں بنی نوع انسان کی کڑھن اور گھٹن کا عکس صاف دکھائی دیتا ہے۔

دنیا کی زندہ اور اولوالعزم قوموں کے شعرا نے ہجو و ہجا کے استعمال میں اسی جرأت و پامردی کا اظہار کیا ہے جو میدان کارزار میں سر فرودشوں اور جانبازوں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ عرب شعرا قبائلی معرکوں میں ہجو کے اسلحوں کو زیر تصرف لا کر مد مقابل نبرد آزماؤں کے عزائم اور حوصلوں کی مٹی پلید کر دیتے تھے اور اسی بنا پر عرب شاعر مافوق العادات صلاحیتوں کا حامل ایک ساحر شمار کیا جاتا تھا۔ بادی النظر میں میدان جنگ کی شکست و ریخت اور فتح و ظفر کا انحصار سامان رسد، جنگ جو سپاہیوں اور اسلحوں کی فراوانی و کارکردگی پر ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ زوال و پستی کی اساس اولیں ڈالنے کا سہرا ان شعر اور فضلا کے سر ہوتا ہے جن کی تحریریں اور تقریریں فریق محاربت کے خلاف یا موافق ہوتی ہیں۔

شاعری دو قسم کی ہوتی ہے عقلی اور تخیلی۔ ہجو یہ شاعری عقل کے حدود میں مقید رہتی ہے اور حقائق کی تلاش و جستجو میں گلیوں کی خاک چھانتی پھرتی ہے لیکن تخیل عقل کے مقابلے میں وسیع اور متنوع ہوتی ہے اور حقائق سے زیادہ حقائق کے امکانات کا ادراک کرتی ہے اور ہمارے فلک پیا خوابوں کی ترجمانی ہوتی ہے۔ یہ ہمارے تصورات کی حدیں متعین کرتی اور ہمیں بصیرت و نور عطا کرتی ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ ہجو جذبہ نفرت کے برا بیچتے ہونے پر متحرک ہوتی ہے اور ظاہر ہے جس ادبی تخلیق کی محرک نفرت ہو وہ ہمیں نفرت ہی کی طرف لے جاسکتی ہے۔ اس میں ہمارے صالح جذبات اور احساسات کو بلا واسطہ اور مثبت طور پر بیدار کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور نہ یہ زندگی کی ان اعلیٰ قدروں سے ہمیں باخبر کرتی ہے جن کا اظہار خود ادب کے وجود کا ایک اہم جواز ہے۔ ہجو کوئی مربوط فلسفہ زندگی نہیں پیش کرتی۔ بقا اور جدوجہد کے حوصلے اس کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ اس کی نگاہ ہمیشہ اشیا کے تاریک گوشوں پر پڑتی ہے۔ یہ منفی قدروں کی متلاشی رہتی ہے۔ لہذا ہجو یہ ادب میں شخصیت، سماج یا تمدن کی ادھوری اور محدود تصویریں ہمارے سامنے آتی ہیں تصویر کا دوسرا رخ نظروں سے غائب رہتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی زوال پذیر تہذیب اور بگڑے ہوئے معاشرے کو پرکھنے کے لیے ہجو نگار کی کسوٹی کی تشکیل بالعموم ان عقائد اور قدروں سے ہوتی ہے جو تسلیم شدہ ہیں۔ یہ تسلیم شدہ قدریں اکثر وہی فرسودہ قدریں ہوتی ہیں جو کسی تمدن یا سماج کے انحطاط کا باعث ہوتی ہیں۔ تسلیم شدہ قدروں کو قبول کر لینے کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ ہجو نگار میں زندگی کی نئی قدروں کے امکانات کا تجسس نہیں ہوتا۔ جو قدریں بطور کسوٹی تصور کی جاتی ہیں ان میں نشوونما کی توانائی باقی نہیں رہتی۔ انقلاب آمادہ معاشرہ اور تغیر پذیر زندگی تادیر ان قدروں پر قائم رہنے کی ہمت کھو بیٹھتی ہیں اور انہیں فرسودہ و ناقص اعلان کر دیتی ہیں اس لیے ہجو کو ادبیات میں کم تر مقام دیا جاتا ہے۔

ہجو یہ ادب کے کم تر مقام کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے معاشرے میں عیب جوئی اخلاقاً مستحسن نہیں اور عام عقیدہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیوب پر پردہ ڈالنے والوں کے عیوب کا ستار خدا ہوتا ہے۔ کچھ حضرات مذہبی طور پر راسخ الاعتقاد نہ ہونے کے باوجود نکتہ چین، نمام و عیب جو اور دوسروں پر لعن طعن کرنے والوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ وجہ یہ ہے کہ

ایسے افراد نفسیاتی طور پر ذہنی مریض ہو کر رہتے ہیں۔ ان کی ذہنی نشوونما متوازن و متناسب نہیں ہوتی۔ لہذا ہجو پیشہ فنکاروں کے ساتھ ہمارا رد عمل بعض اوقات ویسا ہی ہوتا ہے جیسا مذکورہ ذہنی روگیوں کے خلاف۔ ایسی صورت میں ہم ہجو نگار کو اخلاقی طور پر پست تصور کرنے لگتے ہیں۔ فارسی شعر و ادب میں شاید ہی کوئی ایسا ہجو نگار ملے گا جس کی سوانح حیات خود اس کی اخلاقی پستی، ذہنی کشمکش اور غیر فطری عادات کی نشاندہی نہ کرتی ہوں۔

نفرت کا جذبہ قابل قدر بھی ہوتا ہے۔ جس معاشرے کی بنیاد ظلم و استبداد اور بیداد و تشدد پر قائم ہو اس سے نفرت کرنا حق پرستی، راست بازی اور اعلیٰ اخلاقی دلیل ہے لہذا اچھے برے، حلال و حرام اور ظلم و انصاف میں تمیز کرنے اور معاشرے کی صلاحیتوں اور توانائیوں کو صحت مندر کھنے کے لیے ہجو نگار کے اقدام مستحسن اور ناگزیر ہیں۔ احسن وارڈل یہی ہجو کی کسوٹی ہے۔ جو ہجو نگار اپنی کوتاہ بینی، علمی کم مائیگی یا رجعت پسندی اور قدامت پرستی کا شکار ہو کر زندگی کی اعلیٰ قدروں اور قابل احترام انسانی کارناموں پر حقارت و تمسخر کی ہنسی ہنستا ہے گویا وہ اپنے آپ پر ہنستا ہے۔ وہ کامیاب ہجو نگار نہیں کہا جاسکتا۔ برخلاف اس کے اگر کسی کھوکھلے معاشرے کو بے نقاب کیا جاتا ہے اور صاحبان اقتدار و احترام کے مکر و فریب میں پوشیدہ عیوب و نقائص کا پردہ فاش کیا جاتا ہے تو ایسی، ہجو اور ایسا طنز قابل احترام و استقبال ہے۔

ہجو یہ ادب، جیسا کہ بیان ہو چکا، علم و عقل کی روشنی میں حقائق کی تلاش و جستجو کرتا ہے اور تخیلی ادب ان حقائق کے حصول اور امکانات کے حصول کے لیے شاہین صفت بنتا ہے۔ عام تخیلی اور جدی ادب موزونی طبع کے عدم وجود میں بھی صفحہ قرطاس پر آراستہ کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً قصیدہ، غزل، ڈرامہ، افسانہ، انشائیہ وغیرہ میں آورد سے خاصا کام نکل سکتا ہے لیکن ہجو و ہزل میں آورد نام کام ثابت ہوں گے، یہاں آمد کی کار فرمائی ہوتی ہے۔

مزاج و ظرافت ایران کے قومی مزاج کی ممتاز خصوصیت ہے، یہی وجہ ہے کہ ایرانی ادبیات میں مزاج و ظرافت کے نادر جواہرات بکھرے پڑے ہیں۔ ہجو نگاری میں طبعی ظرافت اور فطری مزاج کے بڑے حسین نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ فارسی شعرا نے ہجو و ہجاکا حقیقی مفہوم سمجھنے کی بہت کم کوشش کی۔ فارسی شاعری تقریباً تمام تر درباری رہی ہے اور شاعروں نے ممد و حسین کے مزاج اور اپنی فکر معاش کے پیش نظر خیال آفرینیاں کیں۔ اس بنا پر ان کے زاویہ نگاہ میں وسعت و تنوع نہ پیدا ہو سکی۔ فردوسی سے پہلے فارسی ادب ایک

چٹیل میدان نظر آتا ہے۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ تضحیک کے موضوع پر بھی باضابطہ طریقہ سے پہلے پہل فردوسی کو ہی طبع آزمائی کرنا پڑی۔ فردوسی نے ایک روش یہ منکشف کر دی کہ شاعر کو ستاؤ گے تو وہ ہجو کہہ ڈالے گا۔ ع: چو شاعر بر نجد بگوید ہجا۔ فردوسی کے بعد شعرا نے اسی قول کی پیروی کی۔ انوری اور کمال اسماعیل سب نے یہی طریقہ اختیار کیا کہ پہلے مدوح کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاؤ، پھر صلہ و انعام کا انتظار کرو اگر نہ ملے تو ایسی ہجو لکھ مارو کہ کبھی فراموش نہ ہو۔ ع:

بماند ہجا تا قیامت ہجا

شاہنامہ کے ہجو یہ اشعار درحقیقت فردوسی کی تیس سالہ محنت و مشقت کا ایک پرورد مرثیہ ہے۔ وہ قارئین کو اپنا شریک غم بنانا چاہتا ہے۔ لیکن عوام الناس اور بالخصوص شعرا نے فردوسی کی ہجو گوئی کے مفہوم کو غلط سمجھا نتیجہ غلط راستے پر چل پڑے چنانچہ سعدی کی وفات تک فارسی ادب صحیح اور سچی طنزیات کے شعور سے نابلد رہا۔ عمر خیام کے چند طنزیہ نثر ہر زمانے کے لیے سماج کی دکھتی رگوں کی جراحی کہی جاسکتی ہیں۔ سعدی پہلا شاعر ہے جسے ہجو و طنز کی حقیقی افادیت کا احساس ہوا۔ اس نے طنز و تضحیک کے ذریعہ بیمار معاشرے کا علاج کیا اور بلاشبہ کامیاب رہا۔

فارسی شاعری ابتدا سے آج تک تقریباً یکساں طور پر بلند و عظیم ہے۔ عہد بہ عہد کی ترقیوں میں صرف اظہار خیال یا اسلوب بیان میں تھوڑا فرق نظر آتا ہے لیکن فطری بالیدگی اور جذبات کی مصوری تقریباً ہمیشہ ایک سطح پر قائم رہی۔ ہجو و ہجا کا بھی یہی حال ہے یعنی عام شاعری کا دامن جتنا وسیع و متنوع اور اس کا مقام جس قدر بلند و رفیع رہا ٹھیک اس کے برعکس ہجو یہ شاعری پست اور رکیک رہی۔ فارسی شاعروں نے ہجو گوئی میں جس فحاشی اور رکاکت کو روز اولین میں رواج دیا وہ عہد حاضر تک ادبیات میں مروج رہی۔ یہ فحاشی و رکاکت تاریخ ادبیات کے تمام ادوار کے شایان شان نہیں گرچہ یہ حقیقت ہے کہ اولین الاطینی ہجویات میں بھی اس قسم کے ابتداءل بافراط دستیاب ہیں لیکن مرور ایام کے سبب جیسے جیسے ادب و معاشرہ پر تہذیب و تمدن کا رنگ چڑھتا گیا، ادبیات کی دیگر اصناف کے ساتھ ساتھ الاطینی ہجو کے مزاج و اس کی زبان و لغت کی بھی تطہیر و تنزیہ ہوتی گئی۔ فارسی ہجو گوئی کی تاریخ ایسی لطافت و پاکیزگی سے عاری ہے اور یہ ایک ناگوار اتفاق ہے کہ سعدی جیسا ثقہ اور متشرع شاعر بھی اس

حمام میں آکر عریاں ہونے پر مجبور ہوا۔ انیسویں صدی عیسوی کا نامور اور قادر الکلام شاعر خاقانی بھی اس وادی میں پہنچ کر بہت نیچے آگیا۔ اس نے ایسی پست طبعی کثبوت دیا اور ایسی لے دے کی جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ عصر حاضر میں بھی ہجو کے مزاج میں تبدیلی نہ آئی اور سنائی، سوزئی، انوری، خاقانی، ابوالعلا گنجوی، شفاآئی اور فوقی یزدی کی طرح ایرج میرزا اور عارف قزوینی نے بھی خوب کھل کر کھیلا۔ دشنام طرازی اور رکاکت و فحاشی کا جہاں تک تعلق ہے ایرج و عارف کی ہجویات اور مذکورہ شعرا کی ہجویات میں کوئی وجہ امتیاز فرقہ نہیں۔

عام خیال یہ ہے کہ فارسی ہجو گو شعرا ”وصف العیش، نصف العیش“ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اکثر غیر فطری شہوانی میلانات کو ہی اپنا موضوع سخن بناتے تھے۔ اگر تعیش کے ذکر سے نصف عیش کا حظ میسر ہوتا ہے تو پھر فطری ذوق کی تشریح و تفصیل بیان ہونا تھی نہ کہ غیر فطری اصولوں اور امر دہرستی کے طریقہ کار پر اکتفا کیا جاتا۔ شعرا کے ایسے گمراہ عمل سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی سرشت میں ایسی خصلتیں جاگزیں تھیں اور وہ غیر فطری طریقوں پر شہوانی تسکین کے محتاج تھے جیسا کہ سنائی و سوزئی اور سعدی وغیرہ کی سوانح حیات سے ظاہر ہوتا ہے۔

کمال اسماعیل کلاسیکی فارسی ہجو گوئی میں یکہ و تنہا نظر آتا ہے جس نے کسی حد تک گندے خیال اور فحش مضامین کو ہجو گوئی میں قلم بند کرنے سے احتراز کیا۔ لیکن کمال بھی اپنے فرض کی انجام دہی میں ہمیشہ پورا نہیں اترتا اور قومی مذاق کا اثر اس کے یہاں بھی جا بجا جھلکتا نظر آتا ہے۔

کسی ملک کا ادب اور ادب کا تفریحی و تضحیکی پہلو وہاں کی قومی و ملی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن ایرانی ہجو و ہزل کی روشنی میں اگر کوئی محقق ایران کی اجتماعی زندگی کی خصوصیات اور وہاں کے تہذیب و اخلاق کا مطالعہ کرنا چاہے تو اس کو بڑی مایوسی ہوگی۔ اس لیے کہ فارسی ادبیات کے بیشتر امثال و لطائف، ہجو و ہزل اور مزاح و ظرافت کا تعلق، جنسی میلانات، مستور اعضا کی تشریحات اور اسی قسم کی دوسری ادبی لطافتوں سے عاری زشت و نازیبا موضوعات پر قائم ہے جن سے صحت مند ذوق جمال کی مکمل تسکین ممکن نہیں اور نہ صاحب ذوق اور خوش طبع حضرات کی فطری اشتہا ہی سیر ہو سکتی ہے۔ گرچہ یہ حقیقت ہے کہ اس قسم کا فحش اور غیر مہذب ادب اور عوام میں اس کی مقبولیت اخلاقی انحطاط اور اجتماعی زندگی میں فساد

کی دلیل ہے لیکن یہ بھی قرین قیاس ہے کہ فطری میلانات، نفسانی خواہشات اور عام احساسات و جذبات کو دبانے کی وجہ سے اس قسم کے خیالات کو تحریک ہوئی اس لیے کہ ایران کی مذہبی اور اجتماعی زندگی کی فضا پر ہیز و احتیاط کے ذریعے امنگوں اور آرزوؤں پر قابو پانے اور نفس کشی کرنے کی متقاضی تھی۔ جب ہمیں اصل لذت سے بہرہ ور ہونے کا موقع نہیں ملتا تو ان لذات کی تشریح و توضیح سے ہی حظ اٹھانے کی تمنا کرتے ہیں اور بزرگوں کا قول بھی ہے کہ ”وصف العیش نصف العیش“۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادبی لطافت و نزاکت سے عاری ایسی ہجویات و ہزلیات عوام میں مقبول و محبوب نہ تھیں بلکہ شعر اپنی تسکین کی خاطر ایسا کیا کرتے تھے۔ ایرانی تہذیب عام محفلوں اور تقریبات کے موقع پر اس قسم کے خیالات کے اظہار کی اجازت نہ دیتی تھی۔ ایسی حالت میں جن کی طبیعت پر طبیعت و مزاج کا غلبہ تھا وہ اپنی ہجویات، مطاببات اور ہزلیات کو فرصت کے اوقات میں خصوصی مجلسوں میں پڑھتے، سنتے اور لذت یاب ہوتے تھے، رفتہ رفتہ یہ اشعار خلوت خانوں سے شاہ راہ عام پر آنے لگے اور اجتماعی اصول اخلاق و تہذیب میں فساد و انحطاط کے لیے زمین ہموار ہو گئی اور ایسا وقت آ گیا کہ شاہ زادوں نے سعدی سے ہزل لکھنے کی فرمائش کی۔ شیخ نے بھی تعمیل حکم کرتے ہوئے اس مسلک خاص میں اپنی طبع آزمائی سے ایسے نادر جواہرات پروئے اور ایسی فحاشی کا ثبوت دیا کہ شاید و باید۔

تاریخ عالم میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ اخلاقی انحطاط، قوم و ملت کے انقضاض و انزوا کا باعث بنا۔ ایران میں چھٹی صدی ہجری اور ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں ادبیات کی تاریخ کے تمام ادوار سے زیادہ ہجو پیشہ اور ہجو و ہزل گو شعر منظر عام پر آئے اور اس عہد کی مذہبی تعصبات، ادبی مناقشات اور اخلاقی فسادات کی جڑوں کو مضبوط و مستحکم کر دیا۔ شعرا نے ان عوامل کو خوب خوب ہوادی، حملہ مغول میں ایرانیوں کی شکست و ریخت، ان کے اخلاقی فساد اور معاشرہ کی اعلیٰ قدروں کے نیست و نابود ہونے کی وجہ سے شعرا کے درمیان ہجو گوئی اس حد تک محبوب و مرغوب ہو چلی کہ کمال اسمعیل نے اسے لوازم شعر و شاعری میں شمار کیا:

ہر آن شاعری کو بنامد ہجاگو      چو شیر یست پنکال و دندان ندارد  
کمال اسماعیل کے والد بزرگوار جمال الدین اصفہانی نے سخنوری کی استعداد و صلاحیت کو مدح و ہجا پر مبنی قرار دیا اور خود کو صحرائے ہجو کا آسمان مردم خوار اور اپنے قلم کو مار زہر افشاں کہا:



من گم مدح آفتاب نور فشانم      من گم ہجو آسمان مردم خوارم  
شہد پشاند مدح لفظ چونوشم      زہر فشاند بہ ہجو کلک چومارم

جیسا کہ کمال اسماعیل کا خیال تھا کہ ہجو و ہزل لازمہ شعر و شاعری ہے۔ رفتہ رفتہ عام شعرا نے سنت و رسم کی طرح اس قول کی پیروی کی۔ مسعود سعد سلمان نہ تو حریم ہی تھا اور نہ کسی کی ہجو سے زبان کو آلودہ کیا لیکن کہتا ہے:

گرچہ پیوستم شعر گویم من      عادت من نہ عادت شعر است  
نہ طمع کردہ ام زکیہ کس      نہ تقاضاست شعر من نہ ہجاست

صنف ہجو کے غلط استعمال کی وجہ سے عام شریف النفس انسانوں کو اس سے نفرت ہونے لگی اور اس فن کی زشتی و خرابی کا احساس ہونے پر کئی شعرا نے اپنا دیوان شعر آخری عمر میں برباد کر کے توبہ و استغفار کیا۔ جمال الدین اصفہانی نے ایک موقع پر خود کو ہجو گوئی سے پری شمار کیا۔ وہ ہجو گوئی و مدح سرائی سے استغفار کرتا ہوا کہتا ہے:

معاذ اللہ کہ کس را ہجو گویم ۴      ز مدح گفتہ نیز استغفر اللہ

خاقانی نے گرچہ گاہے گاہے ہجو گوئی کی اور اپنی دریدہ دہنی و بد زبانی کا خوب ثبوت دیا لیکن مقام مفاخر گوئی میں اپنی پوزیشن کس طرح صاف کی ہے اور کس چابکدستی سے اپنی راست بازی کا سکھ جمایا ہے۔ بیان کی صداقت کا فیصلہ دشوار نہیں۔ وہ کہتا ہے:

از دو دیوانم بہ تازی و درنی      یک ہجا و فحش ہرگز ندید

در ہمہ دیوان من دو ہجونہ بنی      در ہمہ گلزار خلد خار نیابی

بہت ممکن ہے یہاں دو سے یہ مراد ہو کہ سوائے ابوالعلا گنجوی کے اور کسی دوسرے کی ہجونہ کی لیکن دیوان رشید الدین و طواط، پندار رازی، امیری اور شہر زوری کو مورد طعن و تشنیع کس نے کیا؟ خاقانی کی ہجو گوئی کو فحش نگاری اور دشنام طرازی کے ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہے، اس کا دیوان اس قسم کی ہجوؤں کے وافر اشعار کا حامل ہے۔

عبدالواسع جبلی نے کسی کی ہجو و مذمت میں اپنی زبان و قلم کو آلودہ نہ کیا۔ وہ اپنے

فخریہ قول میں حق بجانب ہے کہ:

این فخر بس مرا کہ ندیدہ است ہچکس  
در نثر من مذمت و در شعر من ہجا

سوزتی نے پوری زندگی بدزبانی اور گمراہی میں گزار دی لیکن جب اس نے اپنے اعمال کا محاسبہ کیا تو پشیمان ہوا اور ہجو و ہزل سے تائب ہو کر زہدیاات و اخلاقیات کے نغمے بلند کرنے لگا۔ یہی حال سنائی اور انوری کا بھی ہے۔ سوزتی کے وہ اشعار جن میں اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کیا ہے اور اپنے اعمال پر اظہارِ ندامت کی ہے ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

زہر بدی کہ تو گوئی ہزار چند انم	مرانداندازان گو نہ کس کہ من دانم
در آشکار بدم در نہان زبد بترم	خدای داند و بس آشکار و پنهانم
بیک صغیرہ مرا رہنمای شیطان بود	بصد کبیرہ کنون رہنمای شیطانم
ہوی نماںد تا ساعتی بہ حضرت ہو	ہواللہی بزم حلقہ ای بجنبانم
ہوی بمن بردلال معصیت گشتہ است	از آنکہ خواجہ بازار فسق و عنیانم
بدی فروشد و نیکی بہا ستاند و من	بدین تجارت از وشادمان و خندانم
حق دین مسلمانی ای مسلمانان	کہ چون بخود نگریم ننگ ہر مسلمانم
رسول گفت پشیمانی از گنہ توبہ است	بدین حدیث کس را تائب است من آنم
براسب توبہ سوارہ شدم مبارز وار	بس است رحمت ایزد فراج میدانم

اگرچہ شفائی کے قول کے مطابق:

”گاہ گاہی تادیب خصم واجب شرعی است و باید خران را باچوب نواخت (۱)“

لیکن ہمیشہ ہجو و تنقید کی عنان مضبوط گرفت میں رکھنی چاہیے تاکہ زبان و بیان کی شعلہ فشانی اور جذبات کی جہاں سوزی ادب کی لطافت و نزاکت کے حدود پار نہ کر سکے اور شعر و سخن کے چشمہ حیوان میں زہر نہ پیدا ہونے پائے۔ کلیم نے صنف ہزل و ہجو کو ہی سب سے مذموم تصور کیا اور یوں سخن طراز ہوا:

’گر ہجو نیست در سخن من ز بجز نیست  
حیف آیدم کہ زہر در آب بقا نہ

(۱)۔ شعر و ادب فارسی تالیف زین العابدین مومتمن، ص ۲۱۰۔

عصر جدید کی ہجویہ شاعری بحیثیت مجموعی ایام گذشتہ کی روش کے برعکس ایک نئی ڈگر پر چل پڑی ہے۔ جدید شعر اس صنف ادب سے ذاتی حصول منفعت اور لذت اندوزی و عیش کوشی کا کام نہیں لیتے۔ ہجو ان کے ہاتھوں اپنے مقاصد اصلی کی حصول و یافت میں کارکنان نظر آتی ہے۔ یہ شعر اسماج و معاشرے کا درد محسوس کرتے ہیں اور ہجو و طنز کو درد کے درماں کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر سیاست و حکومت، ان کی پالیسیوں اور ان پالیسیوں سے متعلق حکام و عمال ان شعرا کی ہجویات کے شکار بنتے ہیں۔ دوسری طرف معاشرے کے ناقص و مذموم پہلو پر بھی ان کی ہجویات و طنزیات عمل پیرا ہیں۔ عہد جدید کی ہجویہ شاعری نے بہت سے عمرانی اور سیاسی ناسوروں کا کامیاب علاج و اصلاح کیا ہے اور اس کے بڑے خوش آئند نتائج برآمد ہوئے ہیں۔



## کتابیات

### Catalogues and Dictionaries:

1. Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum by Charles Rieu, Ph.D.(1881 AD)
2. Catalogue of the Arabic, Persian and Hindustani Manuscripts of the Libraries of the King of Oudh. Compiled by A. Sprenger, M.D. (Cal. 1854 AD)
3. Catalogue of the Persian Manuscripts in the Library of India office by Hermann Ethe', Ph.D, M.A. (Oxford 1903)
4. Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Oriental Public Library at Bankipore, Patna. Prepared by Mowlvi Abdul Muqtadir, (Cal. 1910)
5. Catalogue of the Persian Manuscripts in the Buhar Library. Began by Mowlvi Qasim Hasir Radavi. Revised and compiled by Mowlvi Abdul Muqtadir Khan Saheb, (1921)
6. Nashriya Kitabkhana-i- Markazi -Danishgah -i-Tehran, Darbara-i-Nuskhaha-i-Khatti.
7. Encyclopaedia Britannica \_ William Benton.1967.
8. Encyclopaedia of Islam (Urdu tr.) Abdul Moqueet Neemvi.
9. Webster's New English Dictionary
10. New Oxford Dictionary.
11. English Urdu Dictionary \_ Abdul Haq.

### Reference Books in English:

12. Albert Rap                      Origin of Wit & Humour

13. Browne, E.G. The Prose and Poetry of Modern Persia.
14. " " " A Literary History of Persia (vols.I, II, III, IV)
15. Clouston, W.A. Flowers from a Persian Garden.
16. David Worcestor The Art of Satire.
17. Ghani, A. A History of Persian Language and Literature at the Mughal Court.
18. Greig, J.Y.T. The Psychology of Laughter and Comedy.
19. Herbert Davis, The Satire of J. Swift.
20. Ishaque, M. Four Eminent Poetesses of Iran.
21. Iqbal Hussain, Early Persian Poets of India.
22. Leigh Hunt Wit and Humour.
23. M.N.Kuka Wit, Humour & Fancy of Persia.
24. Munibur Rahman Post Revolution Persian Verse.
25. " " Modern Persian Poetry.
26. Nicholson A Literary History of the Arabs.
- Reynold, A.
27. Oliphant Smeaton English Satires.
28. Robert C. Elliot The Power of Satire.
29. Stephen Leacock Humour and Humanity.
30. Sutherland James English Satires.
31. Sawami Govind The Nectar of Grace.
- Tirtha
32. U.M. Daudpota. The Influence of Arabic Poetry on the development of Persian Poetry.

33. Vulliamy, C.E. Anatomy of Stire.  
 34. Gilbert Highet The Anatomy of Satire.  
 35. B.P. Vachha. Firdousi and Shahnamah.

## کتب فارسی

(الف) تاریخ، تذکرہ و صنائع شعری:

- |                                  |                                          |
|----------------------------------|------------------------------------------|
| دکتر ذبیح اللہ صفا               | ۱- تاریخ ادبیات در ایران (۳ جلد)         |
| دکتر ذبیح اللہ صفا               | ۲- حماسہ سرائی در ایران                  |
| دکتر رضا زاده شفق                | ۳- تاریخ ادبیات ایران                    |
| ڈاکٹر محمد اسحاق                 | ۴- سخنوران ایران در عصر حاضر             |
| زین العابدین مؤتمن               | ۵- شعر و ادب فارسی                       |
| اصل متن از تیودر نولدکی          | ۶- حماسہ ملی ایران (ترجمہ فارسی)         |
| ابراہیم صفا                      | ۷- نہضت ادبی ایران در عصر قاجار          |
| دکتر حسین قلی ستوده              | ۸- تاریخ آل مظفر                         |
| میرزا محمد خان عبد الوہاب قزوینی | ۹- بیست مقالہ قزوینی                     |
| محمد تقی بہار                    | ۱۰- سبک شناسی                            |
| دکتر ذبیح اللہ صفا               | ۱۱- مختصری در تاریخ تحول نظم و نثر فارسی |
| علی اصغر حکمت                    | ۱۲- سر زمین ہند:                         |
| نعمت خان عالی                    | ۱۳- رقعات مضحکات:                        |
| محمد طاہر نصر آبادی              | ۱۴- تذکرہ نصر آبادی:                     |
| دولت شاہ سمرقندی                 | ۱۵- تذکرہ الشعرا:                        |
| لطف علی بیگ آذر اسفہانی          | ۱۶- تذکرہ آتشکدہ:                        |
| آقہ الدین اوحدی اسفہانی          | ۱۷- تذکرہ عرفات العاشقین:                |
| دکتر عبد الرسول خیام پور         | ۱۸- تذکرہ مجمع الخواص:                   |

- ۱۹۔ آثار الکرام موسوم بہ سرو آزاد:
- ۲۰۔ ید بیضا (قلمی):
- مولانا غلام علی آزاد بلگرامی  
مولانا غلام علی آزاد بلگرامی،  
مملوکہ خدا بخش لاہری پٹنہ
- ۲۱۔ شمع انجمن:
- نواب محمد صدیق خان
- ۲۲۔ مجمع الفصحی:
- رضا قلی خان ہدایت
- ۲۳۔ نشر عشق (قلمی):
- حسین قلی خان عظیم آبادی
- مملوکہ خدا بخش لاہری پٹنہ
- ۲۴۔ ریاض الشعرا (قلمی):
- علی قلی خان متخلص بہ والدہ داغستانی
- مملوکہ خدا بخش لاہری پٹنہ
- ۲۵۔ خلاصۃ الافکار (قلمی):
- ابوطالب بن محمد اصفہانی،  
مملوکہ خدا بخش لاہری پٹنہ
- ۲۶۔ میخانہ:
- ملا عبد الغنی فخر الزمانی قزوینی
- محمد عونی
- ۲۷۔ لباب الالباب:
- ۲۸۔ تحفہ سامی،:
- سام میرزا صفوی، مرتبہ ڈاکٹر  
اقبال حسین
- ۲۹۔ خزائن عامرہ:
- مولانا غلام علی آزاد بلگرامی
- ۳۰۔ ہفت اقلیم:
- امین احمد رازی
- ۳۱۔ مجمع النفاکس (قلمی):
- سراج الدین علی خان آرزو،  
مملوکہ خدا بخش لاہری پٹنہ
- ۳۲۔ صحف ابراہیم (قلمی):
- علی ابراہیم خان بہادر متخلص بہ خلیل،  
مملوکہ خدا بخش لاہری پٹنہ
- ۳۳۔ انیس الاحبا، (قلمی):
- موہن لعل انیس، مملوکہ خدا بخش  
لاہری پٹنہ
- ۳۴۔ باغ معانی، (قلمی):
- نقش علی، مملوکہ خدا بخش  
لاہری پٹنہ

- ۳۵۔ تذکرہ حسینی:
- ۳۶۔ تذکرہ ریاض الفصحا:
- ۳۷۔ تذکرہ ہندی:
- ۳۸۔ خلاصۃ الاشعار (قلمی):
- ۳۹۔ سفینہ خوشگلو:
- ۴۰۔ سفینہ عشرت (قلمی):
- ۴۱۔ کلمات الشعرا:
- ۴۲۔ گل رعنا:
- ۴۳۔ گلشنینخار:
- ۴۴۔ مخزن الغرائب (قلمی):
- ۴۵۔ ہمیشہ بہار (قلمی):
- ۴۶۔ مراۃ الخیال:
- ۴۷۔ علم بدیع در زبان فارسی:
- ۴۸۔ بررسی ہنر و ادبیات:
- (ب) دواوین و کلیات:
- ۴۹۔ محیط زندگی و احوال و اشعار رودکی:
- ۵۰۔ شاہنامہ فردوسی
- ۵۱۔ ترانہ ہای خیام:
- ۵۲۔ دیوان سنائی
- ۵۳۔ دیوان انوری
- حسین دوست سنبھلی  
غلام ہمدانی متخلص بہ مصحفی  
” ” ”
- ابن شرف الدین علی حسینی کاشانی،  
مملوکہ خدا بخش لاہری، پٹنہ  
بندر ابن داس خوشگلو  
درگا داس، مملوکہ خدا بخش  
لاہری، پٹنہ  
محمد افضل سرخوش  
پچھی زائن شفیق  
شیفتہ  
احمد علی ہاشمی، مملوکہ خدا بخش  
لاہری، پٹنہ  
کشن چندا خاص، مملوکہ خدا بخش  
لاہری پٹنہ  
علی شیر نوائی  
سید محمد رضادائی جواد  
مہدی توحیدی پور



- ۵۴۔ دیوان جمال الدین اصفہانی  
 ۵۵۔ دیوان کمال الدین اسماعیل  
 ۵۶۔ کلیات سعدی  
 ۵۷۔ کلیات عبیدزاکانی مرتبہ اقبال آشتیانی؛  
 ۵۸۔ دیوان سوزنی  
 ۵۹۔ دیوان خاقانی  
 ۶۰۔ دیوان حافظ  
 ۶۱۔ دیوان اشیرالدین آخسیکی  
 ۶۲۔ منتخب لطائف عبیدزاکانی مطبوعہ برلن  
 ۶۳۔ دیوان عبیدزاکانی مرتبہ اے۔ ایس۔ یوشع  
 ۶۴۔ دیوان قائم مقام فراہانی  
 ۶۵۔ دیوان قانی  
 ۶۶۔ دیوان محمد تقی بہار ۲ جلد  
 ۶۷۔ کلیات امیرج میرزا  
 ۶۸۔ کلیات فوٹی یزدی (قلمی)  
 ۶۹۔ کلیات شفائی (قلمی)  
 ۷۰۔ دیوان یغما جندی  
 ۷۱۔ کلیات عارف قزوینی  
 ۷۲۔ دیوان نعمت خان عالی  
 ۷۳۔ کلیات جعفرزٹلی

### کتب اردو

- ۷۴۔ شعرا العجم (۵ جلد) : علامہ شبلی نعمانی  
 ۷۵۔ شعرا العجم فی الہند : شیخ اکرام الحق  
 ۷۶۔ فردوسی پرچار مقالے : پروفیسر محمود شیرانی

- قاضی عبدالصمد سیوہاروی : محمود اور فردوسی : ۷۷
- میرزا حیرت دہلوی : حیات فردوسی : ۷۸
- الطاف حسین حالی پانی پتی : مقدمہ شعر و شاعری : ۷۹
- سید صباح الدین عبدالرحمان : بزم تیموریہ : ۸۰
- ” ” ” : بزم مملوکیہ : ۸۱
- علامہ شبلی نعمانی : حیات سعدی : ۸۲
- ” ” : بیان خسرو : ۸۳
- پروفیسر واقف : رباعیات عمر خیام (ترجمہ اردو) : ۸۴
- ڈاکٹر ظہور الدین احمد : نیا ایرانی ادب : ۸۵
- نواب علی صولت لکھنوی : سرمد شہید (ترجمہ اردو) : ۸۶
- غیب الرحمان : جدید فارسی شاعری : ۸۷
- احمد حسن زیات ترجمہ اردو : تاریخ ادب عربی : ۸۸
- از عبدالرحمن سورتی
- ڈاکٹر وزیر آغا : اردو ادب میں طنز و مزاح : ۸۹
- کلیم الدین احمد : سخنہای گفتنی : ۹۰
- رشید احمد صدیقی : طنزیات و مضحکات : ۹۱
- آل احمد سرور : تنقید کیا ہے : ۹۲
- سید احتشام حسین : تنقیدی نظریات : ۹۳
- ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور : روح تنقید : ۹۴
- آل احمد سرور : ادبی مقالات : ۹۵
- ڈاکٹر صدر الدین احمد فنشا شمشکی : (جدید) علم العروض : ۹۶
- پروفیسر عبدالعزیز : (جدید) علم البلاغت : ۹۷
- اور متفرق جرائد و رسائل

# Satire in Persian Poetry

By

Dr. Mohd. Sharaf-e-Alam

Khuda Bakhsh Oriental Public Library  
Patna

قاری مشاعر و اشعار و کلام

ڈاکٹر محمد شرف عالم

جدو ایجنسی اور پبلشرز لاہور پاکستان